کتاب فارسی

مَناقِبُ الاَصفِیاء

تصنیف لطیف زبدۃ الاولیاء قدوۃ الاصفیا مخدوم عالم پناہ
حضرت شیخ شعیب بن حضرت شیخ جلال منیریؒ

ترجمہ بزبان اردو

مَعارِفُ الاَتقِیاء

مترجم

ڈاکٹر سید شاہ محمد نعیم ندوی
ایسوسی ایٹ پروفیسر و صدر شعبہ اردو
جامعہ سندھ، حیدر آباد۔ پاکستان

مولف

پروفیسر سید معیز الدین احمد
چیئرمین شعبہ جات ہسٹری اور مسلم ہسٹری
جامعہ سندھ، حیدر آباد، پاکستان

اِنَّ أَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ

یقیناً اولیاء اللہ کو نہ (مستقبل کا) خوف ہوگا نہ (ماضی کا) غم

کتاب فارسی

مَنَاقِبُ الْاَصْفِیَاء

تصنیف لطیف زبدۃ الاولیاء قدوۃ الاصفیا مخدوم عالم پناہ حضرت شیخ شعیب

بن حضرت شیخ جلال منیریؒ

ترجمہ بزبان اردو

مَعَارِفُ الْاَتْقِیَاء

مترجم

ڈاکٹر سید شاہ محمد نعیم ندوی

ایسوسی ایٹ پروفیسر وصدر شعبہ اردو

جامعہ سندھ، حیدر آباد۔ پاکستان

مولف

پروفیسر سید معیز الدین احمد

چیئرمین شعبہ جات ہسٹری اور مسلم ہسٹری

جامعہ سندھ، حیدر آباد، پاکستان

نام کتاب : مناقب الاصفیاء بزبان فارسی

مصنف : مخدوم عالم پناہ حضرت شیخ شعیب بن حضرت شیخ جلال منیری رحمتہ اللہ علیہ

مترجم : ڈاکٹر سید محمد نعیم ندوی
ایسوسی ایٹ پروفیسر و چیئرمین شعبہ اردو سندھ یونیورسٹی

مؤلف : پروفیسر ڈاکٹر سید معیز الدین احمد
چیئرمین شعبہ تاریخ و مسلم تاریخ سندھ یونیورسٹی

سال اشاعت : ۱۹۹۹ء

کمپوزنگ : طاہر پرنٹ (سید اصغر علی نظامی) 2627520

ناشر : سید شاھد حسن ظفر ثانی شیعبی فردوسی

مطبع : القادر پرنٹنگ پریس فون : 7722748

ملنے کا پتہ

G-4 کریم پلازہ، نزد سوک سینٹر بلاک 14 گلشن اقبال کراچی۔

فہرست مضامین

گزارش مولف

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو سارے جہانوں کا خالق و مالک ہے اور جسکے کن سے پورے عالم نے جنم لیا ان کی ہدایت کے لئے انبیائے کرام صلی اللہ علیہم کو دنیا میں بھیجا اور نبیوں کے سردار اور وجہ خلق دو جہاں نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰؐ کو آخری نبی بنا کر دنیا میں دین کو مکمل کر کے بھیجا۔ اب آپؐ کے بعد نہ کوئی نبی دنیا میں آئے گا اور نہ کوئی دین اسلام کے سوا قائم ہوگا اللہ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے کہ میں نے آج تم پر دین کو پورا کر دیا اور ساری نعمتیں میں نے تم پر ختم کر دیں یعنی یہ نعمتیں مسلمانوں کے لئے ہیں۔ اب دنیا میں سوائے اولیاء اور صلحاء کے کوئی بھی نہیں آئے گا۔ یہ اسلام کے اولیاء بنی اسرائیل کے پیغمبروں کے برابر ہیں۔ ان اولیاء کرام نے تصوف کے ذریعے اپنے عمل و کردار کی بدولت ساری دنیا میں اسلام پھیلایا اور یہ اولیا صوفیاء کہلائے۔

الحمدوللہ کہ اس فقیر کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ مخدوم شاہ شعیب جلال منیری رحمتہ اللہ علیہ کی کتاب مناقب الاصفیاء کو تالیف کر کے چھپاؤں ورنہ چھ سات سو سال سے اس کتاب کا ترجمہ کسی زبان میں نہیں ہوا اس کتاب کے چھپانے مین مجھے کچھ دشواریوں کا بھی سامنا ہوا۔ چھاپنے والے نے مسودہ چھاپ کے بھیج دیا جسکی تصیح کرنا بہت مشکل کام تھا۔ جگہ جگہ ان میں غلطیاں تھیں اسکو میں نے بیٹھ کر اپنے ایک مرید خاص رفعت مودود سے تصیح کرا کر چھاپہ خانے بھجوایا۔ اس میں کافی وقت لگا مگر الحمدوللہ یہ کام انجام کو پہنچا۔ میں اس کتاب کے پڑھنے والوں سے یہ گزارش کروں گا کہ جہاں کہیں غلطیاں رہ گئیں ہیں اسکو نظر انداز کر دیں اور مولف اور مترجم کے حق میں دعائے خیر کریں۔

پروفیسر سید معیز الدین احمد بلخی شعیبی فردوسی خلف مخدوم سید شاہ نجم الدین احمد بلخی شعیبی فردوسی رحمتہ اللہ علیہ سجادہ نشین خانقاہ مخدوم شاہ شعیب رحمتہ اللہ علیہ شیخ پورہ۔

مترجم مناقب الاصفیاء کے مختصر حالات

ڈاکٹر نعیم ندوی راقم الحروف کے خالو تھے۔ یہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے عالم اور پنجاب یونیورسٹی کے منشی فاصل تھے۔ علی گڑھ سے اردو میں ایم اے کیا تھا پھر سندھ یونیورسٹی سے دوران ملازمت اردو میں پی ایچ ڈی کیا تھا۔ آپ کی فارسی عربی اور اردو کی صلاحیت بہت اچھی تھی۔ یہ انہی کا کارنامہ ہے کہ انہوں نے اس کتاب کا ترجمہ بڑی آسان زبان میں کیا۔ اسلامیہ کالج سکھر میں آپ پرنسپل تھے۔ پھر سندھ یونیورسٹی میں بطور ٹیوٹر، لیکچرار، اسسٹنٹ پروفیسر اور ایسوسی ایٹ پروفیسر رہ کر ریٹائر ہوئے۔

ندوی صاحب کا اخلاق ہمہ گیر تھا اپنے شاگردوں رشتے داروں اور ان لوگں کو جنکو انکی زبانی اخلاقی یا تحریری مدد کی ضرورت ہوتی بے دریغ کرتے۔ اپنے رشتے داروں کو انہوں نے جس یونٹ مین لطیف آباد کے یہ رہتے تھے وہیں سبکو بسایا اور رشتے داروں کے بچوں کے پڑھنے انکے گھریلو معاملات کی دیکھ بھال اور انکی ہر طرح سے مدد کرتے رہے نتیجہ یہ اپنے خاندان میں بابا کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ انکی ایک اولاد نرینہ یہاں اسسٹنٹ ڈائریکٹر ایگر یکلچرل بینک میں رہ کر ریٹائر کی ان کا نام سید امین احمد ہے۔ انکی اہلیہ کا جنوری ۱۹۸۴ء میں کراچی میں وصال ہوا اور یہ انکے لئے بہت صدمہ عظیم تھا۔ جس کو یہ برداشت نہ کرسکے اور پانچ مہینے کے بعد صدمے کی وجہ کر یہ حیدر آباد میں وفات پاگئے انکی مزار حیدر آباد میں ہے انکو بیعت حضرت مخدوم محمد حیات علیہ الرحمت فردوسی بہاری سے تھی۔ اور خلافت واجازت حضرت مخدوم سید شاہ سجاد علیہ الرحمت سے تھی۔ جو خانقاہ بہار شریف کے سجادہ تھے۔

انہوں نے یہ ترجمہ خانقاہ شیخوپورہ مین راقم کے والدہ ماجد مخدوم سید شاہ نجم الدین احمد رحمتہ اللہ علیہ کو ۱۹۷۹ء میں پیش کیا اور میرے والد محترم نے اسکی چھپائی اور تالیف کے لائق خانقاہ مین کسی کو نہ پاکر راقم الحروف کے حوالے کیا کہ (تم اس کو) جہاں تصیح کی ضرورت ہو وہاں تصیح کرکے اور اسکی تالیف کرکے

شائع کرادادو مجھے اپنی نوکری کے زمانے میں موقع نہ مل سکا کہ میں اس ترجمے کو شائع کراتا مگر ریٹائرمنٹ کے بعد اتنا موقع نکال سکا کہ اسکی پرنٹنگ اور پروف ریڈنگ کرواسکوں اور اسکو شائع کراسکوں۔

والد علیہ الرحمت نے یہ سمجھ کر ہی کہ میں ان کا خلیفہ اور وہاں کے خانقاہ کے اصول کے مطابق سجادہ ہوں گا اور بار بار ان کے یہ کہنے سے کہ تم پاکستان میں ہو اسلئے قانونی طور سے تم کو سجادہ نہیں بنا سکتا مگر صحیح معنوں میں تم ہی یہاں کے سجادہ ہو اور مخدوم علیہ الرحمت کے پاس جب بھی میں رجوع کرتا ہوں کہ اپنے دوسرے بیٹے کو سجادہ بناؤں مخدوم علیہ الرحمت منہ پھیر لیتے ہیں مگر مجبوراً دوسرے ہی بیٹے کو قانونی وجوہ کی بنا پر سجادہ بنانا پڑیگا۔ والد علیہ الرحمت نے مجھ سے لکھوا کر لے لیا کہ میں خوشی اپنے منجھلے بھائی کو سجادہ بناتا ہوں تاکہ حکومت کچھ اعتراض نہ کرے اور مجھ سے انھوں نے منجھلے بھائی کو خلافت دلوائی یہ کہتے ہوئے کہ میں تو دے ہی رہا ہوں میرے بعد تمہارا ہی حق انکو خلافت دینے کا ہے میں منجھلے بھائی کو علمی حیثیت کردار کے لحاظ سے روحانی صلاحیت اور اخلاقی لحاظ سے اس قابل نہیں سمجھتا تھا کہ ان کو خلافت دی جائے مگر کوئی دوسرا تھا ہی نہیں اسلئے حکم والد ماجد میں نے خلافت ان کو دے دی۔

خلافت دینے کے بعد مجھے بہت کچھ امید تھی کہ منجھلے بھائی اپنے کو اس منصب کے لائق بنانے کی کوشش کریں گے مگر روز بروز انکی اخلاقی پستی بڑھتی گئی اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ دماغی طور سے ماؤف ہو گئے اور بہت علاج کے بعد کچھ بہتری آئی ہے مگر ابھی تک تصوف کے درجات اور سلوک کی راہ کا ابجد بھی نہیں سیکھ سکے۔ اللہ سے دعا گو ہوں کہ اس خانقاہ میں پہلی جیسی رشد وھدایت والی باتیں لوٹ آئیں اور ان کا بیٹا اس لائق ہو کہ اس سلسلے کو صحیح معنوں میں چلائے اور یہ سلسلہ ابدالاباد تک قائم رہے۔ اپنے حبیب پاک نبی کریمؐ کے صدقے اور بزرگان سلاسل کے طفیل دعا کرتا ہوں کہ مترجمؒ کے درجات بلند ہوں اور ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب ہو آمین۔

حضرت مخدوم عالم پناہ شیخ شعیب جلال منیری فردوسیؒ

شاہ شعیب جلال منیریؒ کے جدامجد حضرت امام تاج فقیہؒ کی آمد ہندوستان میں

حضرت امام محمد تاج فقیہؒ کی تشریف آوری سے پہلے قصبہ منیر میں صرف ایک ہی مرد مومن رہتے تھے جو صاحب دل عارف باللہ تھے اسوقت منیر کا راجہ مہاراج کشن تھا جو اس مرد مومن کا دشمن تھا اور مصداق اسکے کہ کفر کی فطرت میں اہل ایمان سے عداوت اور بغض صرف اس لئے ہے کہ وہ اہل ایمان ہے ان پر طرح طرح کے مظالم ڈھاتا اور وہ اس پر صبر فرماتے اور نالہ نیم شبی میں اس ذات کو پکارتے جو صبر کرنے والوں پر نگاہ کرم کرتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ادھر سرور کونین رحمتہ اللعالمین ﷺ نے عالم رویا میں امام محمد رحمتہ اللہ علیہ کو تاج فقیہ کا لقب عطا فرمایا اور ایک تاج مبارک عنایت کر کے حکم دیا کہ تم ہندوستان جا کر مومن عارف کی مدد کرو اور اسلام کی خدمت کرو۔ دربار نبوی ﷺ سے یہ حکم پاتے ہی حضرت امام مع اپنے فرزندان واحباب قدس خلیل سے روانہ ہوئے۔ اثناء سفر میں خاصی تعداد مسلمانوں کی اعلاء کلمتہ الحق کے لئے ساتھ ہوتی گئی جب یہ قافلہ موضع کجانواں پہنچا تو تالاب سے متصل برگد کے سائے میں اس نے پڑاؤ کیا۔ ظہر کی نماز کے لئے موذن نے اذان دی۔ یہ پہلا اعلان توحید و رسالت تھا جس نے شیاطین جن وانس کے کان کھڑے کر دیئے۔ کجانواں سے ملحق جوگی پور میں جوگی جے پال رہتا تھا اس نے جب یہ آواز سنی تو اپنے چیلوں کو تحقیق کے لئے بھیجا یہ چیلے امام رحمتہ اللہ علیہ کے سامنے آکر دم بخود ہو گئے اور انھیں واپس جانے کا یارہ نہ رہا۔ جوگی نے انتظار کے بعد دوسرا دستہ اپنے چیلوں کا روانہ کیا مگر اس کا بھی یہی حال ہوا کہ حضرت امام رحمتہ اللہ پر نظر پڑتے ہی سب کے سب ششدر رہ گئے اور کسی کو واپس جانے کا ہوش بھی نہ رہا اور اسی طرح جوگی کے چیلوں کے کئی دستوں کا حال ہوا تب اس جوگی نے اپنے بقیہ سارے چیلے چانٹوں کو اکٹھا کیا اور خود بہ نفس نفیس ان کے ساتھ حضرت امام

رحمتہ اللہ علیہ کے سامنے آموجود ہوا اور ایک انمول سنگ پارس آپ کی خدمت میں پیش کر کے حضرت امام کے مجاہدۂ اعلاء کلمتہ اللہ کو آزمانا چاہا۔ آپ نے بڑی شان بے نیازی سے اس انمول سنگ پارس کو ہاتھ میں لیا اور تالاب میں ڈال دیا۔ جے پال حیرت غم اور غصے کے ملے جلے جذبات کے ساتھ مبہوت سا رہ گیا اور غصے میں آکر اپنا پتھر واپس مانگا۔ جواب ملا تم اس تالاب سے اپنا پتھر لے لو۔ جوگی نے جونہی ادھر نظر کی تالاب میں بے شمار سنگ پارس تھے۔ حضرت امام کی کرامت نے اس کے دانت کھٹے کر دیے اس کا غصہ اور بڑھا۔ اس نے اپنے ساحرانہ کمال کا مظاہرہ کیا۔ ایک شیر کی کھال کو جس پر وہ عمل سحر کیا کرتا تھا اپنے سحر سے شیر بنایا اور حضرت امام اور ان کے ساتھیوں پر اس سے حملہ آور ہوا۔ ادھر حضرت امام نے اپنے نعلین کو حکم دیا اور اس نے بامر اللہ شیر کی ایسی خبر لی کہ اسے مار مار کر نیست و نابود کر دیا۔ حق و باطل کے باہم تصادم پر حق کی نمایاں فتح مندی نے باطل پرستوں کے ہوش اڑا دیے۔ اسلام کی حقانیت کے دروازے پر کفر اپنے لشکر سمیت سربسجود نظر آیا اور جے پال اپنے چیلے چانٹوں سمیت حضرت امام محمد تاج فقیہہ رحمتہ اللہ علیہ کے دست مبارک مشرف باسلام ہوا۔ اب یہ قافلہ ان نئے مہمانوں کے ساتھ اشاعت اسلام کرتا ہوا اور نعرہ توحید بلند کرتا ہوا منیر پہنچا۔ منیر کے راجہ پر سخت ہیبت طاری ہوئی اور وہ وہاں سے بھاگ نکلا۔ بہادران اسلام نے اس کا تعاقب کیا اور اسے ہلاک کر ڈالا۔ دونوں فوجوں میں سخت تصادم ہوا۔ دونوں طرف سے بہت سے بہادران کام میں آئے مگر آخر کار فتح و نصرت حضرت امام رحمتہ اللہ کو ہوئی اور آپ فاتحانہ راجہ کے ایوان میں داخل ہوئے۔

حضرت امام کے فرزندان

حضرت امام محمد تاج فقیہہ رحمتہ اللہ کے ساتھ ان کے تینوں صاحبزادگان ہند گی حضرت شیخ اسرائیل وہندگی حضرت شیخ اسمٰعیل وہند گی حضرت شیخ عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہم تشریف لائے تھے۔ حضرت امام نے منیر میں اسلام

کی توسیع فرما کر اپنے صاحبزادگان کو اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ تبلیغ وھدایت اور اعلاء کلمتہ اللہ کے لئے ملک بنگالہ (جو بہار و بنگال پر مشتمل تھا) بندگی حضرت مخدوم اسرائیل رحمتہ اللہ کے حوالے کیا اور سرکار ترہت پر بندگی حضرت اسمٰعیل رحمتہ اللہ کو مامور فرمایا۔ اور سب سے چھوٹے صاحبزادے بندگی حضرت عبدالعزیز رحمتہ اللہ کو حضرت مخدوم اسرائیلؒ کے سپرد فرمایا۔

ان سپردگیوں کے بعد حضرت امام نے بقیہ زندگی مدینہ منورہ میں آستانۂ نبوت مصطفویؐ پر گزارنے کے لئے مراجعت کا قصد کیا۔ مگر نگاہ واپسیں جو چھوٹے صاحبزادے حضرت مخدوم عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ پر پڑی تو وفور شفقت پدری سے دل بے تاب ہو گیا جدائی برداشت نہ ہو سکی اسلئے انھیں اپنے ہمراہ لے گئے۔

حضرت امام کی مراجعت کے بعد آپ کے دونوں صاحبزادگان تبلیغ و توسیع اسلام میں مصروف ہو گئے اور پورے ملک میں یدخلون فی دین اللہ افواجا کا منظر نظر آنے لگا۔ ان دونوں بزرگوں کی شادیاں ھندوستان میں ہوئیں اور بندگی حضرت مخدوم اسرائیلؒ کے صلب شریف سے حضرت مخدوم یحیٰ منیری رحمتہ اللہ علیہ اور انکے صلب شریف سے قطب السالکین وامام العارفین حضرت مخدوم الملک مخدوم جہاں شیخ شرف الحق والدین احمد یحیٰ منیری رحمتہ اللہ علیہ پیدا ہوئے۔ اور افق ولایت پر آفتاب بن کر چمکے۔

حضرت مخدوم اسمٰعیلؒ کے صلب شریف سے حضرت مخدوم ابراہیم حضرت مخدوم صلاح الدین۔ حضرت مخدوم منہاج الدین حضرت مخدوم ضیاالدین رحمتہ اللہ علیہم ہوئے۔ جن کے خاندان سے حضرت مخدوم شیخ محمد علا عرف شیخ قاضی شطاری رحمتہ اللہ علیہ پیدا ہوئے اور صاحب ترہت ہوئے چونکہ حضرت امام نے سرکار ترہت آپ کے جدامجد کے حوالے کیا تھا اسلئے آپ نے اشاعت و تبلیغ اسلام وھدایت خلق اللہ کے لئے ترہت کا رخ کیا۔ اور یہیں متوطن ہوئے۔

حضرت امام کے چھوٹے فرزند اور انکی اولاد

حضرت امام کے چھوٹے فرزند حضرت مدگی مخدوم شیخ عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ حضرت امام کے ساتھ مدینہ طیبہ تشریف لے گئے اور آپکی شادی وہیں ہوئی آپ کے صلب شریف سے دو مخدوم زادے پیدا ہوئے ایک حضرت مخدوم جلال رحمتہ اللہ علیہ دوسرے حضرت سلیمان رحمتہ اللہ علیہ۔ حضرت امام محمد تاج فقیہہ رحمتہ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد ان دونوں بھائیوں نے ہندوستان کا رخ کیا اور اپنے کنبے سے آکر منیر میں ملے اور وہیں متوطن ہو گئے۔ مگر بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت مخدوم عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ پھر ہندوستان تشریف لائے تھے اور آپکا مزار بھی حلقہ مخدوم اسرائیل و مخدوم اسمٰعیل و حضرت یحییٰ منیری قدس اللہ اسرار ہم بتاتے ہیں۔ ممکن ہے بعد وفات حضرت امام کے آپ اپنے صاجزادوں کے ساتھ ہندوستان چلے آئے ہوں اور منیر میں متوطن ہو گئے ہوں واللہ اعلم۔

حضرت مخدوم عالم پناہ شیخ شعیب جلال منیری رحمتہ اللہ علیہ کے پدر بزرگوار حضرت مدگی مخدوم شیخ جلال منیری رحمتہ اللہ علیہ ہیں جو حضرت امام رحمتہ اللہ علیہ کے پوتے ہیں۔ اپنے دادا کے انتقال کے بعد مدینہ طیبہ سے منیر تشریف لائے اور یہیں متوطن ہوئے اور آپکی شادی آپ کے چچا کے خاندان میں حضرت بی بی سعد ملکہ عرف بی بی سعدہ" بنت شیخ ابی بکر ابن شیخ ابراھیم ابن شیخ اسمٰعیل بن تاج محمد فقیہہ رحمتہ اللہ سے موضع کجاتواں میں ہوئی۔

حضرت مخدوم کی والدہ محترمہ حضرت بی بی سعدیہ رحمتہ اللہ علیہا علاوہ حافظ قرآن و عالمہ فاضلہ ہونے کے بلند پایہ عابدہ و زاھدہ اور باکرامت ولیہ تھیں۔ اکثر و بیشتر عبادت خدا اور تلاوت کلام پاک میں مشغول رہتی تھیں۔ جب آپ مادر شکم میں تھے۔ ایک دن آپ کی والدہ محترمہ حسب معمول اپنے حجرہ شریف میں مشغول تھیں کہ اسی حالت میں آپ پر غنودگی طاری ہوئی اور آپ محو خواب ہو گئیں۔ اسی اثناء میں مدگی حضرت مخدوم جلالؒ حجرہ میں تشریف لائے

حضرت بی بی صاحبہ کو نیند میں پایا مگر آواز تلاوت کلام کی سن کر سخت متحیر ہوئے غور فرمایا تو معلوم ہوا کہ آواز اس ولد مسعود کی ہے جسکے متعلق کہا گیا ہے اَلسَّعِیدُ مَن سَعِدَ فِی بَطنِ اُمِّہٖ اور جو مادر زاد ولی ہی نہیں بلکہ اپنے وقت کا عظیم المرتبہ سردار طائفہ اولیاء ہوگا اور وہی ہوا۔

حضرت مخدوم عالم پناہ کی پیدائش

حضرت مخدوم عالم پناہ نے اپنے ننھیال موضع کچانواں میں بارھویں ربیع الثانی دو شنبہ کے دن ۶۸۸ھ کو صفحہ وجود پر اظہار اجلال فرمایا جس سے ظلمت و ظلالت کے دل دھڑکنے لگے۔ انوار قدس کے ہالے میں ایک چاند چمکا جس نے لاکھوں انسانوں کے دل کی تاریکیاں چھین لیں اور جس کے نورانی فیض نے بے شمار گم کردہ راہ مخلوق خدا کو ابدی نجات کی راہ دکھادی۔ آپ کے والد بزرگوار نے آپکا نام نامی شعیب رحمتہ اللہ علیہ رکھا۔ شاہ شعیب آپ کا تاریخی نام ہے۔

زندگی کی چھ سات بہاریں آپ نے کاٹی تھیں کہ آپ کے والد محترم حضرت مخدوم جلال رحمتہ اللہ علیہ عین جوانی میں بمقام منیر اس دار فانی سے رحلت فرماگئے اور اپنے فرزند سعید کو یتیمی کے حوالے کر گئے۔ آپ کا مزار پر انوار منیر شریف میں تالاب سے پچھم حضرت مخدوم شیخ اسرائیل و شیخ اسماعیل و حضرت شیخ یحییٰ منیری رحمتہ اللہ علیہم اجمعین سے پچھم طرف واقع ہے اور مرجع خلائق ہے۔

آپ کی یتیمی کا حال آپ کے نانا حضرت ابوبکر رحمتہ اللہ علیہ کو معلوم ہوا تو ان کو بہت غم ہوا وہ آپ کو موضع کچانواں لے آئے اور کمال محبت و شفقت کے ساتھ آپ کی تربیت فرمانے لگے۔

حضرت مخدوم عالم پناہ کی کرامتوں کا صدور

اپنے نانا کے گھر اگرچہ آپ کو ہر طرح کی آسائشیں میسر تھی اور آپ کی پرورش بہت ناز و نعمت سے ہو رہی تھی مگر یہ دیکھ کر آپ کے نانا بہت حیران اور ملول تھے کہ آپ روز بروز لاغر نحیف اور زرد ہوتے جارہے ہیں آخر ایک دن

آپ نے پوچھا کہ بیٹا آخر کیا بات ہے تمہیں کس بات کی تکلیف ہے کہ تم دن بدن لاغر ہوتے جا رہے ہو چہرا اداس اور ملول ہوتا جا رہا ہے آپ سے بصد ادب وہ بات جو کسی سے کہنا نہیں چاہتے تھے آخر نانا جان سے ظاہر کر دی۔ فرمانے لگے محلے کے لڑکے مجھے اکثر قبرستان کی طرف کھیلنے لے جاتے ہیں وہاں مردوں کو عذاب میں مبتلا پاتا ہوں۔ انہیں سخت مصیبت میں پا کر مجھے صدمہ اور تکلیف ہوتی ہے مجھے اپنی یہ عافیت اچھی نہیں معلوم ہوتی اور یہ زندگی پسند نہیں آتی۔ آپ کے نانا حضرت ابو بکر رحمتہ اللہ علیہ حضرت مخدوم کی زبان سے یہ سب سن کر سخت متعجب ہوئے اور آپکی والدہ کو بشارت دی کہ تمہارا ہونہار فرزند اپنے وقت کا ولی کامل ہوگا اسے بچپن ہی سے کشف قبور ہوتا ہے۔

آپ کے نانا نے بغرض تعلیم آپ کو مکتب میں بٹھایا ایک دن مکتب کے ساتھی آپس میں اپنی یادداشت کی تعریف کر رہے تھے کسی نے کہا مجھے اسوقت کی بات یاد ہے جب میں ایک سال کا تھا کسی نے کہا مجھے اپنی دو برس عمر کی فلاں بات اس طرح یاد ہے۔ جب حضرت مخدوم کی باری آئی تو کہنے لگے مجھے وہ واقعہ یاد ہے جب میری پیدائش پر میرے لئے ایک مسلم خاتون دودھ پلائی مقرر کی گئی مگر وہ کماحقہ زاھدہ محتاط اکل حلال اور صدق مقال کی سخت پابند نہ تھی اور میں نے اس وجہ سے اسکا دودھ نہ پیا۔ میری والدہ محترمہ سمجھ گئیں اور انھوں نے ایک پرہیز گار عورت کی تلاش شروع کی مگر اسقدر محتاط عورت کا ملنا آسان نہ تھا آخر کار انھوں نے ایک گاؤں میں دایہ کو بھیجا جہاں ایک بی بی بڑی صالحہ عابدہ شرع شریف کی پابند سیدزادی رہتی تھیں اور انہیں میرے دودھ پینے کی خبر دے کر ان سے استدعا کی کہ آپ سیدزادی اور پابند شریعت عابدہ و صالحہ بھی ہیں امید ہے کہ آپ آئیں تو میرا بچہ دودھ پئے۔ یہ خبر پا کر وہ خوش ہوئیں اور فوراً محافہ میں سوار ہو کر کجانواں روانہ ہوئیں۔ راہ میں کہاروں نے ستانے اور آرام کرنے کے لئے محافہ رکھا اور کنارے ہو گئے۔ دایہ کی نظر قریب کے لہلہاتے کھیت پر پڑی جہاں چنے کے ساگ تھے دل نے خواہش کی اور تھوڑا سا ساگ توڑ کر کھیت سے لے آئی سیدزادی نے پوچھا تو اسنے کہہ دیا بی بی کھیت کے مالک سے پوچھ کر لائی

دن اپنے انھوں نے بھی پیٹ بھر کھالیا۔ جب وہ بجانواں ہو تو پہنچیں مجھے دیکھ کر بہت خوش
ہوئیں والدہ محترمہ سے بہت محبت سے ملیں وضو کیا اور مجھے گود میں لے کر
دودھ پلانا چاہا میں نے ان سے بھی منہ پھیر لیا۔ آپ گھر والے سخت متردد اور
حیران ہوئے کتنی تلاش پر ایک سید زادی عابدہ زاہدہ ملی تھیں اور میں نے کئی
دنوں سے دودھ بھی نہیں پیا تھا۔ والدہ محترمہ نے آخر عاجز آکر کہا بیٹے اب دودھ
آخر کس کا پیو گے۔ ان سے بہتر اس اطراف میں عابدہ زاہدہ کون ملے گا اور کہاں
سے آئے گا۔ وہ سید زادی یہ ماجرا دیکھ کر بہت شرمندہ ہوئیں ان کو اپنا ساگ کھانا
یاد آیا۔ میں نے ان کا بھی اسوقت تک دودھ نہیں پیا جب تک وہ ساگ ان کے جسم
میں رہا آخر تین دن بعد ان کا دودھ میں نے پیا۔ مجھے اسوقت کی بات یاد ہے۔

اسی طرح ایک دن حضرت مخدوم عالم پناہ رحمتہ اللہ میدان میں تھے اور
بہت سے لڑکے کھیل رہے تھے کہ ایک بگولہ نمودار ہوا اور گرد و غبار کا گھومتا ہوا
چکر زمیں سے آسمان تک سیدھا دکھائی دیا۔ آپ نے لڑکوں میں سے ایک کو اپنے
قریب بلایا اور کہا تم اسکے قریب جاؤ۔ اور کہو شیخ شعیبؒ تم کو مبارکباد دیتا ہے اور اپنا
حصہ مانگتا ہے۔ اس لڑکے نے ہمت سے کام لیا اور بگولے کے قریب جاکر حضرت
مخدوم عالم پناہ رحمتہ اللہ علیہ کی کہی ہوئی باتیں دہرائیں۔ دیکھتا کیا ہے اس بگولے
کے اندر سے شربت سے بھرا ہوا ایک خم نمودار ہوا اور اس لڑکے کے قریب رکھ
دیا۔ وہ لڑکا اس خم کو لے کر حضرت مخدوم عالم پناہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔
حضرت مخدوم نے اسکو تمام لڑکوں میں تقسیم فرمایا ساروں نے مزے لے لے
کر پیا۔ مگر خود آپ نے ایک قطرہ بھی نہ چکھا چند دنوں بعد وہی لڑکے ایک دن اسی
میدان میں کھیل رہے تھے مگر اس دن ان میں حضرت مخدوم عالم پناہ نہ تھے اتفاق
کہ ویسا ہی بگولہ پھر نمودار ہوا لڑکوں نے سمجھا اب پھر شربت کا خم ملے گا اور ہم
سب آپس میں تقسیم کرلیں گے آگے بڑھے اور اس دن کی باتیں دہرائیں۔ اتنا
کہنا تھا کہ بگولے نے انھیں اپنے چکر میں لے لیا اور ایسا دے مارا کہ کسی کا ہاتھ کسی
کا پاؤں اور کسی کا سر زخمی ہوا۔ سب کے سب چیختے چلاتے لرزتے کانپتے اپنے
اپنے گھر واں لوٹ گئے۔ ایک واویلا مچ گیا۔ حضرت مخدوم کو جب معلوم ہوا تو

بغرض عیادت رفیقوں کے گھر پہنچے اور حال دریافت فرمایا۔ لڑکوں نے پورا ماجرا بیان تو آپ کو بہت افسوس ہوا آپ نے فرمایا۔ تم لوگوں نے بڑی غلطی کی پہلے دن تو بادیچ میں شاہ جن کی سواری تھی وہ اپنی ملکہ کی رخصتی کا ڈولہ لیئے خوش خوش جا رہا تھا۔ اسلئے میں نے مبارکباد کہلا بھیجا تھا۔ اور اپنا حصہ مانگا تھا خوشی میں اپنے شرمت کا خم بھیج دیا تھا اور اتفاق سے اب کے اس کی ملکہ انتقال کر گئی اس بادیچ میں غم وماتم کے ساتھ اسکی لاش جارہی تھی۔ تمہارا سوال بے محل اور بے جا تھا اب کے جو تم نے اپنا حصہ مانگا تو تکلیف ورنج کا حصہ تمہیں اسنے دے دیا۔ آپ نے سب کے زخموں پر کچھ پڑھکر دم فرمایا اور اپنا ہاتھ پھیر دیا تو سب اچھے ہو گئے۔"

اسی بچپن کا زمانہ ہے آپ گاؤں کے مکتب میں پڑھتے تھے ایک دن جب استاد تشریف لائے تو تمام لڑکے ان کے خوف سے فرار ہو گئے ان فراریوں میں حضرت مخدوم عالم پناہ بھی تھے۔ معلم نے لڑکوں کو ڈانٹ بتائی اور بھاگنے والوں کا تعاقب کیا۔ حضرت مخدوم موقع پاکر ایک دیوار پر چڑھ گئے۔ استاد نے دیوار کی طرف رخ کیا آپ نے اس دیوار کو ایڑ لگائی دیوار جڑ چھوڑ کر گھوڑوں کی طرح دوڑنے لگی۔ معلم یہ کرامت دیکھ کر حیران وششدر رہ گئے اور بدحواس ہوئے آپ کے نانا سے جاکر یہ سارا واقعہ بیان کیا۔ آپ کے نانا نے معلم کو منع فرمایا کہ آئندہ سے ہمارے شعیب کو پڑھنے کے لئے سختی وسزا کی تکلیف ہرگز نہ دینا جو کچھ وہ اپنی رغبت سے پڑھیں کافی ہے۔ یہ لڑکا ابھی سے صاحب عظمت وکرامت ہے اپنے وقت کا بہت بڑا ولی ہوگا۔

حضرت کا علم اگرچہ وہبی اور لدنی تھا اسکے باوجود علوم ظاہری کی تحصیل آپ نے اپنی والدہ ماجدہ رحمۃ اللہ علیہ سے اور تکمیل علماء زمانہ سے کی اور علوم ظاہری میں بھی اپنے وقت کے یکتائے روزگار عالم ہوئے جب علوم ظاہری کی تکمیل ہوئی تو تحصیل علوم باطنی کی آپ کو فکر ہوئی اس راہ میں سلطان المحققین تاج العلماء حضرت مخدوم جہاں مخدوم الملک شیخ شرف الدین یحیٰ منیریؒ نے اپنے بھائی کی دستگیری فرمائی اور سال ہا سال اپنی صحبت میں رکھ کر آپ کو علوم باطنی سے مالامال فرمایا اور حضرت مخدوم شعیب رحمۃ اللہ نے آپکی صحبت کے باطنی انوار

سے اپنا دامن بھرا۔

حضرت مخدوم کی بیعت وخلافت

حضرت مخدوم عالم پناہ کو بیعت طریقت حضرت مخدوم جہاں بہاری رحمتہ اللہ علیہ سے حاصل تھی خرقہ دوستار اور خلافت نامہ کا واقعہ یہ ہے کہ ایک دن حضرت مخدوم جہاں مخدوم الملک بہاری رحمتہ اللہ نے خرقہ دوستار پٹی و مقراض اپنے سامنے رکھ کر ملک العشاق بندگی حضرت مخدوم مظفر بلخی رحمتہ اللہ علیہ کو اپنے پاس طلب فرمایا اور وصیت فرمائی کہ مولانا مظفر یہ خرقہ دوستار و پٹی و مقراض اس فقیر کی طرف سے برادرم شعیبؒ کا مخصوص حصہ ہے کیونکہ وہ آجکل بیابانوں اور پہاڑوں پر ریاضت میں مشغول ہیں یہ امانت تمہارے سپرد کرتا ہوں کہ جب کبھی ان کا پتہ لگ جائے گا انھیں کسی طرح پہنچادینا اس واقعہ کے چند دنوں بعد حضرت مخدوم الملک کا وصال ہوگیا اور بندگی حضرت مخدوم مظفر بلخیؒ اپنے پیر حضرت مخدوم الملک کے ارشاد کے مطابق عدن تشریف لے گئے تو یہ امانت اپنے برادر زادہ بندگی حضرت مخدوم شاہ حسین نوشہ توحیدؒ کے سپرد کر کے وصیت فرماگئے کہ حضرت مرشد مخدوم الملکؒ کی وصیت یہ تھی اب میں انہی کے حکم سے عدن جارہا ہوں اب تک حضرت مخدوم شعیب رحمتہ اللہ علیہ کا پتہ نہیں ہے تمہیں جب کبھی ان کا پتہ مل جائے یہ امانت ان تک پہنچادینا۔ یہ امانتیں کچھ دنوں تک حضرت مظفر بلخی رحمتہ اللہ علیہ کے حجرہ شریف میں طاق پر رکھی رہیں۔

جب حضرت مخدوم شعیب رحمتہ اللہ علیہ نے شیخپورہ کے دامن کوہ میں سکونت اختیار فرمائی حضرت حسین نوشہ توحیدؒ کو ان امانتوں کے پہنچانے میں دیر ہوئی تو ایک شب خواب میں حضرت مخدوم الملک مخدوم جہاں نے ان سے فرمایا بابا حسین وہ امانت جسے میں نے مولانا مظفر کے سپرد کیا تھا اور مولانا مظفر نے تمہارے حوالے کیا ہے اب تک تم نے انھیں برادرم شعیبؒ کو نہیں پہنچائیں۔ وہ امانت جو مولانا مظفر کے حجرے میں رکھی ہے فوراً انھیں پہنچادو۔

حضرت مخدوم شاہ حسین نوشہ توحیدؒ اسوقت چلہ کش تھے اسلئے صبح

دیرے آپ نے صاحبزادہ حضرت مخدوم شاہ حسینؒ کو بلایا اور فرمایا آج شب کو حضرت مخدوم جہاںؒ کا یہ حکم ہوا ہے اور میں معذور ہوں تم یہ امانتیں لے کر حضرت مخدوم شعیب رحمتہ اللہ علیہ کے پاس جاؤ اور ان سے ساری باتیں عرض کر کے ان کی امانت انکے سپرد کر دینا۔ منڈگی حضرت مخدوم شاہ حسنؒ والد محترم کے حکم پر امانت لے کر شیخپورہ حضرت مخدوم شعیبؒ کی خدمت میں روانہ ہوئے ادھر حضرت مخدوم شعیبؒ کو کشف سے معلوم ہوا تو استقبال کے لئے پیادہ پا بہار کی طرف روانہ ہوئے دونوں میں موضع چرانواں میں بڑ کے درخت کے پاس ملاقات ہوئی۔ اسوقت سے وہ درخت "مخدوم بڑ" کے نام سے مشہور ہو گیا جو حال میں گر گیا ہے اسی کے قریب ایک کنواں "مخدوم کنواں" کے نام سے موسوم ہے۔ دونوں بزرگوں نے بڑی گرمجوشی سے مصافحہ و معانقہ کیا اور ایک دوسرے سے بغل گیر ہوئے اور اسی درخت کے پاس بیٹھ گئے حضرت مخدوم حسن رحمتہ اللہ علیہ نے پورا واقعہ سنایا اور خرقہ و دستار اور بٹی و مقراض حضرت مخدوم شعیبؒ کے حضور میں پیش کیا۔ حضرت مخدوم رحمتہ اللہ علیہ نے ادب و تعظیم سے کھڑے ہو کر تبرکات و عطیات پیر و مرشد کو بار بار بوسہ دیا۔ اور آنکھوں سے لگایا سر پر رکھا اور بڑی انکساری سے عرض کیا۔ اس غلام کی کیا لیاقت و حقیقت کہ حضرت مخدوم جہاں پناہ کا خرقہ متبرکہ پہنے مگر پیر و مرشد کا یہی حکم ہے تو انکار کی مجال کہاں مگر جسطرح پیر مرشد حضرت مخدوم جہاں پناہ رحمتہ اللہ علیہ نے ان تبرکات کے ذریعے اجازت و خلافت باطنی سے اس خاکسار کو نوازا ہے آپ بھی اپنی طرف سے ان تبرکات عالیہ کے ذریعے اجازت و خلافت ظاہری عنایت فرمائیں۔

حضرت مخدوم حسنؒ حضرت عالم پناہ کا احترام حضرت مخدوم جہاں بہاریؒ سے کچھ کم نہ کرتے تھے اسلئے کہ دونوں در چچازاد بھائی تھے انھوں نے عذر فرمایا اور کہنے لگے آپ خود میرے نزدیک میرے مرشد حضرت مخدوم جہاں بہاریؒ سے کیا کم ہیں میری بھلا کیا مجال کہ یہ خرقہ و دستار اور خلافت و اجازت میں اپنی طرف سے آپ کو دوں مگر حضرت مخدوم عالم پناہؒ نے پھر اصرار فرمایا اور

حضرت علیؓ کے مناقب اس کثرت سے ہیں کہ اس مختصر کتاب میں اس کی گنجائش نہیں۔ چند احادیث جو اوپر ذکر کی گئیں آپ کے بعض فضائل کے ادراک کی طرف اشارہ کرنے کے لئے کافی ہیں اس کے علاوہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی دیگر احادیث اور کتاب اللہ کی آیات آپ کی شان فضیلت میں وارد ہیں۔

نیز پیغمبر علیہ السلام نے آ کی شہادت کی خبر بھی دی تھی کہ "تم عنقریب قتل کئے جاؤ گے" اور یہ بھی احادیث میں وارد ہے کہ علی رضی اللہ عنہ جس سال شہید ہوئے' وہ سال' وہ مہینہ اور اس دن کو وہ جانتے تھے۔ اور اس کی خبر بھی دے دی تھی۔ نقل ہے کہ عبدالرحمٰن ابن ملجم جو ایک خارجی تھا ایک سال سے حضرت علیؓ کو شہید کرنے کی گھات میں تھا۔ جس دن اس نے آپ کو زخمی کیا آپ رضی اللہ عنہ کوفہ میں تھے۔ جمعہ کا دن تھا اور ماہ رمضان المبارک کی سترہ تاریخ تھی۔ جب آپ صبح کی نماز کے لئے باہر آئے تو بطخوں نے چیخنا شروع کیا۔ لوگوں نے ان کو ہنکانا چاہا تو فرمایا" انھیں چھوڑ دو یہ نوحہ کررہی ہیں" اور آپ رضی اللہ عنہ جب مسجد میں تشریف لائے اور نماز شروع کی تو عبدالرحمٰن ابن ملجم نے پیچھے سے آکر زہر آلود تلوار آپ کی پیشانی پر ایسی ماری کہ دماغ تک پہنچ گئی۔ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا " قسم ہے پروردگار کعبہ کی کہ میں فائز الحرام ہوگیا" یعنی خدا کی قسم میں نے نجات پائی۔

نقل کرتے ہیں کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نماز میں ہوتے تو ان پر ایک حالت اور کیفیت ایسی طاری ہوتی کہ اگر جنگ میں کوئی تیر آکر لگتا اور اس کی انی آپ کے جسم مبارک میں رہ جاتی اور نکالنا دشوار ہوتا تو نماز کی حالت میں اس کو نکال لیتے۔ اور ان کو اس کی خبر تک نہ ہوتی۔ کہتے ہیں کہ جب ابن ملجم نے تلوار ماری تو جب تک آپ نماز میں رہے خون جاری نہ ہوا۔ اور آ کا وضو نہ ٹوٹا بلکہ آ کو زخم کے لگنے کی خبر تک نہ ہوئی جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو خون رواں ہوا۔ اس وقت آپ کو اٹھا کر گھر لے آئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ نے وصیت فرمائی اور جب وصیت سے فارغ ہوئے تو فرمایا"تم سب پر اللہ کی سلامتی اور رحمت و برکت نازل ہو" اس کے بعد سوائے لاالہ الا اللہ کہنے کے اور کوئی بات نہیں کی۔ یہاں تک کہ آپ کی

کما از روئے ترتیب وصیت خلافت واجازت اس وقت آپ حضرت مخدوم الملک
رحمۃ اللہ کے منصب پر ہیں اسلئے اگر آپ اپنی خلافت واجازت کے ساتھ یہ خرقہ
عالیہ مجھے عنایت فرمائیں تو میں حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ کی عنایات
متبرکہ سے سرفراز ہوں اس اصرار پر حضرت مخدوم حسن رحمۃ اللہ علیہ مجبور
ہو گئے اور خرقہ ودستار اپنی خلافت واجازت کے ساتھ عنایت فرمایا اور وہیں سے
آپ بہار لوٹ گئے اور حضرت مخدوم عالم پناہ شیخ شعیبؒ شیخوپورہ تشریف لے
آئے۔

حضرت مخدوم حسنؒ کی اسی خلافت کی بنیاد پر لوگ آپ کا عہد حضرت
مخدوم الملک بہاریؒ سے بہت بعد بتلاتے ہیں اور حضرت مخدوم جہاں بہاریؒ
حضرت مخدوم عالم پناہ شیخ شعیبؒ کے درمیان تین واسطے کہتے ہیں مگر حقیقت
یہی ہے کہ آپ کے اور حضرت مخدوم بہاریؒ کے درمیان کوئی دوسرا واسطہ
نہیں ہے اسکے علاوہ دونوں بزرگوار کی تاریخ ولادت ووصال پر نظر ڈالنے سے بھی
اسکی تصدیق ہوتی ہے حضرت مخدوم جہاں کی ولادت ۶۶۱ھ کو ہوئی اور حضرت
مخدوم عالم پناہ ۶۸۸ھ میں پیدا ہوئے اور مخدوم جہاں کا وصال ۷۸۲ھ میں ہوا
اور حضرت مخدوم عالم پناہ کا ۸۲۴ھ میں ہوا۔ دونوں کا عہد ایک ہی ہے فرق اتنا
ہے کہ حضرت مخدوم جہاں کا آخری زمانہ تھا اور حضرت مخدوم عالم پناہ شیخ شعیب
رحمۃ اللہ کا ابتدائی وقت تھا۔

حضرت مخدوم عالم پناہ کو اور نعمتوں کے ساتھ تقریباً ۱۳۶ سال کی
طویل عمر عنایت ہوئی تھی اس لحاظ سے آپ کے وقت میں دنیائے اسلام میں اکابر
اولیاء گزرے ہیں کسی کا آخری زمانہ اور کسی کا ابتدائی عہد آپ نے دیکھا ہے۔
چنانچہ حضرت شیخ سعدی شیرازی حضرت شیخ بو علی قلندر پانی پتی حضرت شیخ نظام
الدین اولیاء حضرت سید امیر کلال بخاری حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانی حضرت
شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی حضرت امام یافعی مکی حضرت شیخ جلال الدین بخاری
مخدوم جہاں گشت حضرت خواجہ بہاالدین نقشبندی بخاری حضرت حافظ شیرازی
علامہ سعدالدین تفتازانی حضرت مخدوم علاء الحق پنڈوی حضرت نور قطب عالم

دودھ اور کبھی کھیر پکا کر لاتا اور بڑی عقیدت سے انھیں پیش کرتا اور حضرت مخدوم اسے قبول فرماتے۔ ایک دن حضرت مخدوم سے عرض کرنے لگا ہمارے قرب وجوار کے تمام مویشی باھر چراگاہ جارہے ہیں مجھے بھی اگر اجازت دی جائے تو میں اپنے مویشی لے کر جاؤں جب انھوں نے باھر جانیکی وجہ دریافت کی تو کہنے لگا یہ گرمیوں کا موسم ہے اور قرب وجوار میں مویشیوں کے لئے پانی نایاب ہے اسلئے مجبوراً ایسا کرنا پڑتا ہے حضرت مخدوم نے فرمایا اگر تمہارے مویشیوں کو اسی پہاڑ پر پانی مل جائے تب تو تمہیں جانے کی ضرورت نہیں ہوگی گوالے نے کہا اگر پانی یہیں مل جائے تو مجھے جانے کی کیا ضرورت ہے آپ نے فرمایا میں نے اس جگہ کوھستان میں ایک جگہ پانی دیکھا ہے تمہیں بھی دکھادوں گا۔ تم اپنے مویشیوں کو وہیں سے پانی پلانا مگر یہ راز کسی پر ظاہر نہ ہو۔ گوالے نے عرض کیا حضرت اس جنگل اور پہاڑ کا چپہ چپہ ہم نے چھان مارا ہے کہیں ایک قطرہ پانی کا وجود نہیں۔ حضرت مخدوم عالم پناہ نے گوالے کو اپنے ساتھ لیا اور کہا چلو میں تمہیں دکھاتا ہوں۔ گوالا آپ کے ساتھ ہولیا ایک نشیب کی جگہ آپ جاکر رکے اور پتھر کا ایک ٹکڑا اس جگہ سے ہٹادیا دیکھتے ہی دیکھتے چشمہ آب وہاں سے ابل پڑا۔ یہ جگہ دکھاکر آپ نے گوالے سے کہا تم اپنے مویشیوں کو اس جگہ لایا کرو۔ حضرت کے حکم کے مطابق گوالے نے اپنا معمول بنالیا۔ اور اسکے جانور بحکم خدا روز بروز موٹے ہونے لگے۔ اسکے گاؤں والون نے جو یہ دیکھا تو بہت حیران ہوئے اور اس گوالے سے حقیقت حال دریافت کیا۔ گوالے کو حضرت نے اظہار حقیقت سے منع فرمایا تھا اسلئے اسنے کوئی جواب نہ دیا۔ مگر لوگوں نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا۔ آخر کار اسے اتنا تنگ کیا کہ وہ افشاء راز پر مجبور ہوگیا اور لوگوں کے اصرار پر اسنے وہ مقام بھی لوگوں کو دکھادیا جہاں وہ اپنے مویشیوں کو پانی پلاتا تھا مگر جب اسنے تمام لوگون کے سامنے پتھر کو ہٹایا آج پانی جاری نہ ہوا لوگوں نے اسے جھوٹا سمجھا۔ مگر اسنے بتایا کہ کل میں نے اپنے جانوروں کو پانی پلایا ہے۔ اب تک اسکی نمی اور اسکے نشانات باقی ہیں۔ پانی تو اس لئے غائب ہوا ہے کہ ان بزرگ نے منع فرمایا تھا اس بات کو ظاہر کرنے کے لئے۔ افسوس تم لوگوں نے میری یہ نعمت چھینوادی اور

میں حضرت کا نافرمان الگ ٹھہرا لوگ اسکی باتوں سے متاثر ہوئے اور حضرت مخدوم عالم پناہ کی زیارت کے مشتاق ہوئے مگر کسی کو آپکی زیارت نصیب نہ ہوئی۔

بے چارہ گوالہ بہت افسردہ اور ملول حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور پھر حضرت کے کرم کا طالب ہوا۔ مگر آپ نے ارشاد فرمایا۔ تمہارے افشائے راز کی بنا پر یہ نعمت سلب ہوگئی افسوس مشیت یہی تھی۔ اس واقعہ کے بعد یہاں بھی خلق خدا کا اژدھام شروع ہوا جس سے تنگ آکر آپ شیخوپورہ کے پہاڑ پر ایک غار میں خلوت نشین ہو گئے جہاں حضرت کا حجرہ شریف ہے۔

حضرت مخدوم رحمتہ اللہ علیہ کی اس طویل گوشہ نشینی اور جدائی سے حضرت کی والدہ محترمہ سخت بے چین ہوئیں اور اس بے چینی میں تلاش و جستجو کے لئے گھر کو خیر باد کہا۔ اور اپنے بیٹے کی تلاش میں منیر سے بہار پہنچیں۔ بذریعہ کشف حضرت کو اپنی والدہ کے اضطراب کا حال معلوم ہوا اور آپ چشم زدن میں بہار پہنچ کر اپنی والدہ کی زیارت و پابوسی کا شرف حاصل کیا۔

حضرت مخدوم اس خیال سے کہ والدہ محترمہ مفارقت کی بنا پر سخت مضطرب ہوتی ہیں اپنی والدہ کو بہار سے ساتھ لیتے آئے اور موضع تورا میں جو شیخوپورہ سے تقریباً آٹھ میل ہے لاکر عرض کیا کہ جہاں میں رہتا ہوں وہ حضور کے قیام کے لائق نہیں تھے۔ آپ یہیں قیام فرمائیں میں انشاء اللہ تعالیٰ ہر شب جمعہ کو آپ کی زیارت و قدم بوسی کے لئے حاضر ہوا کروں گا۔ اسطرح مخدوم ہمیشہ جمعرات کو والدہ کی قدم بوسی کے لئے موضع تورا تشریف لاتے۔ اس زمانے میں موضع کماسی میں کچھ آبادی تھی مگر دامن کوہ میں جہاں اب شیخپورہ اور یحییٰ پور واقع ہے ہولناک جنگل اور ویرانہ تھا خوفناک درندے وہاں رہتے تھے۔ تورا جاتے ہوئے حضرت مخدوم رحمتہ اللہ موضع کماسی سے گزرتے تھے جہاں ملک زادوں کی آبادی تھی۔ جو علوم شرعیہ سے بے بہرہ اور عمل سے خالی تھے مگر حسن اتفاق سے حضرت شیخ شمس الدین عالم زمانہ مفتی وقت نے اسی موضع کماسی میں آکر ان حضرات کی ہدایت و اصلاح کے خیال سے سکونت اختیار کر لی تھی۔ ان ملک حضرات کی کو بھی مولانا شمس الدین سے خاصی عقیدت ہو گئی تھی۔

اکثر ملک حضرات حضرت مخدوم رحمتہ اللہ علیہ کو پہاڑ سے اتر کر تورا کی طرف جاتے اور واپس آتے ہوئے دیکھتے۔ ایک بار واپسی میں موقع پا کر آپ کے گرد جمع ہوئے اور اپنی عقیدت کا اظہار کیا۔ اور باادب عرض کیا کہ حضرت ہمارے یہاں تشریف لے چلیں تو ہمارا نصیب جاگے۔ مگر حضرت نے قبول نہ فرمایا اور اپنی خلوت گاہ کی طرف چل دیے۔ اس واقعہ کا ذکر ملکوں نے مولانا شمس الدین سے کیا اور کہا کہ ہمیشہ ایک بزرگ مقدس صورت اُس پہاڑ سے اتر کر شمال کی طرف جایا کرتے ہیں اور پھر واپس ہو جایا کرتے ہیں وہ حضرت کوئی ولی کامل معلوم ہوتے ہیں مولانا نے فرمایا۔ اب اگر تشریف لائیں تو مجھے ضرور خبر کرنا میں ان کی زیارت کروں گا۔ وہ لوگ منتظر تھے ہی کہ حضرت مخدومؒ حسب معمول پنج شنبہ کو پہاڑ سے اترے اور کماسی کے قریب ایک درخت کے نیچے تھوڑی دیر بیٹھ گئے۔ ملک حضرات دوڑے ہوئے مولانا شمس الدین کے پاس گئے اور انھیں بتایا کہ وہی بزرگ تشریف لائے ہیں آپ بھی تشریف لے چلیے۔ مولانا شمس الدین کی نظر جونہی حضرت مخدوم رحمتہ اللہ علیہ کے جبین انور پر پڑی جمال ولایت سے آنکھیں خیرہ ہو گئیں اور دل میں جذبہ عقیدت موجزن ہوا۔ بڑے خلوص سے مصافحہ و معانقہ کیا برکتوں سے مستفیض ہوئے اور دیر تک ہم کلامی کا شرف حاصل کیا آخر باادب ملتمس ہوئے کہ حضرت موضع کماسی میں اقامت گزیں ہوں تو ان گم کردہ راہوں کی ہدایت کا سامان ہو جائے۔ خلق اللہ جو جہالت و گمراہی میں مبتلا ہے حضرت کی صحبت کے فیض سے راہ ہدایت پائے۔ حضرت مخدوم رحمتہ اللہ نے مولانا شمس الدین کی ذاتی قابلیت اور استعداد باطن کو محسوس فرمایا اور ادنیٰ تامل کے بعد ارشاد فرمایا کہ اگر یہ ملک صاحبان عہد کریں کہ یہ فقیر جہاں پر مقیم ہو وہیں یہ لوگ بھی آباد ہو سکتے تو یہ فقیر بھی یہاں کی سکونت اختیار کر سکتا ہے۔ مولانا نے ان لوگوں کو سمجھایا کہ حضرت مخدوم کی بزرگی و عظمت کا کیا کہنا اگر تم لوگوں نے حضرت کی باتیں مان لیں تو سمجھو دونوں جہاں کی بھلائی ہے اگر حضرت مخدوم یہاں سکونت اختیار کر لیں تم سب کے نصیب جاگ جائیں گے۔

مولانا نے انکے سرداران اور پوری قوم کو حضرت مخدوم کی خدمت میں حاضر کیا۔ حضرت نے ان سب سے فرمایا اگر تم سب دامن کوہ میں سکونت اختیار کرو تو یہ فقیر بھی اس جگہ سکونت اختیار کرے گا۔ سالار قوم نے عرض کیا۔ حضرت وہ جگہ تو خوفناک درندوں اور خوں خوار شیروں کی ہے۔ ہمارے گھروں میں بچے ہیں مویشیاں ہیں دامن کوہ میں آبادی کسطرح ہو سکتی ہے۔ حضرت نے فرمایا محافظ حقیقی خدا ہے اسی پر بھروسہ رکھو اور اس فقیر کے کہنے پر عمل کرو۔ سالار قوم نے حضرت کی باتیں مان لیں اور حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے دامن کوہ میں جس جگہ ''صحت کنواں'' ہے سکونت اختیار فرمائی۔ مولانا شمس الدین بھی دامن کوہ میں اسی جگہ آباد ہوئے اور آپ کے قدموں کی برکت سے تمام ملک صاحبان بھی وہیں متوطن ہوئے اس آبادی کی بنیاد چونکہ حضرت مخدوم رحمتہ اللہ علیہ کے ہاتھوں پڑی تھی اسلئے اسکا نام ''شیخوپورہ'' ہوا اور اس محلہ کا نام سکونت محلہ پڑا بعد میں اپنے اب جہاں خانقاہ ہے وہیں حجرہ تعمیر کروایا اور مقیم ہوئے۔

مخدوم علیہ الرحمتہ کی نبی کریمؐ اور انکی اولاد سے محبت

حضرت مخدوم رحمتہ اللہ علیہ کو سرکار دو عالمؐ سے جو والہانہ شیفتگی اور کمال عشق تھا وہ انہی کا حصہ تھا۔ سرکار دوعالمؐ کا تو کیا کہنا انکی اولاد سے وہ محبت تھی کہ گویا وہ میدان عرفات میں ناقہ قصوا کی پشت پر رسول اللہ ﷺ کا خطبہ سن رہے ہیں۔ حضرت سید جاں رحمتہ اللہ علیہ خلف اکبر حضرت سید احمد تنجیری رحمتہ اللہ علیہ بانی خاندان سادات بارہ گانواں ضلع شیخوپورہ نے جب حضرت مخدومؒ کی ولایت کا شہرہ سنا تو انھیں بھی زیارت کا شوق ہوا۔ اریں میں رہتے تھے کہ شیخوپورہ کے لئے روانہ ہوئے ابھی راہ ہی میں تھے ادھر حضرت مخدوم رحمتہ اللہ علیہ اپنی خانقاہ میں جماعت مشائخ کے درمیان جلوہ افروز تھے۔ یکایک اٹھ کھڑے ہوئے اور پیراھن مبارک اٹھا کر اپنا سینہ ملنے لگے۔ حاضرین نے حیرت سے سوال کیا کہ حضرت آپ ایسا کیوں کررہے ہیں۔ ارشاد ہو حضرت رسالت پناہؐ کے ایک فرزند کی سواری آرہی ہے۔ میری تمنا ہے کہ آپکے گھوڑے کے سم کی خاک اس

ناچیز کے سینے پر پڑے کہ انکی برکت سے میرے دل کو سکون ہو۔ حاضرین نے تعجب سے راہ کی طرف دیکھنا شروع کیا کہ بھلا کون فرزند رسولؐ آرہے ہیں۔ آخر تھوڑی دیر بعد حضرت سید جان رحمۃ اللہ تشریف لائے۔ حضرت مخدوم خوشی میں پھولے نہ سمائے۔ بڑی خاطر تواضع کی۔ تین دنوں تک خانقاہ میں شاندار مہمانداری ہوتی رہی۔ حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات وولایت دیکھ کر ایسے شیدا ہوئے کہ مرید ہو گئے۔ حضرت مخدوم نے بیعت طریقت لے کر علوم باطنی کی تلقین فرمائی اور تھوڑی محنت میں وہ مرد کامل بن گئے۔

شیخوپورہ میں اور اسکے قرب وجوار میں بارہ بستیاں ہیں سادات کی جو مخدوم حضرت احمد چرم پوش تیغ برہنہ حضرت احمد جنجیری رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے ہیں یہ سب خانقاہ شعیبیہ میں ہی بیعت ہوتے تھے مگر زمانے کی گردش سے اب وہ بارہ گانواں میں سادات کی حالت علم وفضل' خوف خدا اور راہ طریقت میں پہلی جیسی نہ رہی اور زیادہ تر لوگ مذہبی جہالت اور اخلاقی گراوٹ میں مبتلا ہو گئے۔ شیخوپورہ میں اسماعیل وکیل صاحب نے دو اسکول قائم کیئے۔ ایک کا نام ڈی ایم اسکول ہے دوسرے کا نام اسلامیہ اسکول ہے۔ انہی کی کاوشوں سے دونوں اسکول قائم ودائم ہیں۔ گو انھوں نے اسکول چلانے اور بنانے میں بڑی مشقت برداشت کی مگر کم ظرفوں نے بعد میں دونوں اسکول انکے ہاتھ سے چھین لیئے۔ خاص کر اسلامیہ اسکول میں انھوں نے لکھی سرائے کے اسٹنٹ ہیڈ ماسٹر کو لاکر ہیڈ ماسٹر بنادیا۔ ایک موضع بارہ گانواں میں ہے جسکا نام گنٹی کول ہے وہاں انکی سسرال تھی مگر انھوں نے وہاں سیاست اور فوجداری کر کے اسماعیل وکیل صاحب اور انکے سارے کارکنوں کو مار بھگایا۔ یہ ہیڈ ماسٹر صاحب کا نام سید ابو صالح ہے بعد میں یہ شاہ نجم الدین احمد رحمۃ اللہ علیہ کے مرید (پہلے سیاسی طور پر) بنے تاکہ اسکول کے معاملے میں انکی خانقاہ سے مدد ہو اور انکے بھائی سید شاہ مجید الدین احمد ایڈوکیٹ نے فوجداری مقدمے میں انکے لئے مفت کام کر کے انکو جوجداری کے مقدمے سے چھڑا دیا۔ بعد میں کئی چیز انھوں نے اپنے محسن سید شاہ مجید الدین ایڈوکیٹ کے ساتھ

دھر ایا اور انکی خوشامد کر کے انکے پیسے سے پاکستان میں کاروبار کیا اور انکو مالی طور پر بہت بڑا نقصان پہنچایا اور پاکستان بننے کی وجہ سے انکے ہزاروں روپے انکے مرتے دم تک وصول نہ کیئے۔ بعد میں انہوں نے ۱۹۶۹ء میں تجدید بیعت کی اور خلافت حاصل کی اور کراچی میں پیری مریدی کا سلسلہ شروع کیا۔ ۱۹۹۲ء میں ابو صالح صاحب کراچی میں وفات پاگئے۔

بارہ گانواں میں انہیں دو اسکولوں کی وجہ سے مسلمانوں میں انگریزی تعلیم پھیلی اور ماشاء اللہ اب بارہ گانواں کے بہت سے تعلیم یافتہ اشخاص جج انکم ٹیکس کمشنر پروفیسر اور سفارت کے عہدے تک پر فائز ہیں۔ یہ سب بابائے تعلیم مولوی اسماعیل وکیل کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔

ماخوذ از مناقب الشعیب مولف۔ مولانا عبدالواسع صدیقی فردوسی

مقدمۃ الکتاب

ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہیں جس نے عابدوں کے نفوس کو اپنی ملکیت بنایا اور اپنی خدمت میں مصروف رکھا۔ عارفوں کے دلوں کو اپنے ہاتھ میں لیا اور اپنی معرفت سے عزت بخشی۔ طالبوں کی عقلوں کو گھیر لیا اور اپنا فرماں بردار بنایا۔ واصلوں کے اسرار کا مشاہدہ کیا اور حیرت میں ڈالا۔ اپنے بندوں کے جسموں کو سنوارا اور اپنے فضل و کرم سے مراد تک پہنچایا۔ اپنے دوستوں کی ارواح پر توجہ فرمائی اور اپنی صفات جلالیہ و جمالیہ کو ان پر منکشف کیا۔

اور درود کاملہ اس کے ایسے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جنہیں جملہ کائنات میں منتخب کیا۔ اور تمام جہاں کا مولیٰ بنایا۔ اور جن کو تجلیات جمالی کے ساتھ مبعوث فرما کر معراج کمال تک پہنچایا۔ جنہوں نے اپنے رب کی عظیم نشانیوں کو دیکھا۔ پھر قریب ہوئے اور دوبدو باتیں کیں' جبکہ دو کمان بلکہ اس سے بھی کم فاصلہ تھا۔ پھر اپنے بندے سے جو کچھ کہنا تھا کہا۔ اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی مہاجرین و انصار میں سے سبقت لے جانے والوں پر' جن کے دلوں پر ابھرتے ہوئے انوار ظاہر کئے گئے جن کے اسرار کو اغیار کے مشاہدہ سے روک دیا گیا۔ جن کے ارادوں کو اعمال و آثار کی کثافت سے بچا لیا گیا۔ کیونکہ وہ لوگ فضل و رضا کے طالب تھے اور ان لوگوں پر جنہوں نے نیکیوں میں ان کی اتباع کی اور سلامتی ان مردان خدا کی جماعت پر جو ان کے بعد اس وقت تک ہوئے اور آخر زمانے تک ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "اخوان" فرمایا اور جنہوں نے منازل طلب و استدلال سے میدان اتصال اور مقام وصال تک ترقی فرمائی۔ ان کی دوستی ان کی دوستی میں ہے۔ کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اس فرمان میں ہدایت فرمائی ہے کہ "آہ! مجھے اپنے بھائیوں کے دیکھنے کا کتنا شوق ہے!" اور اپنے کلام میں ذکر کر کے ان کی عزت افزائی فرمائی کہ "مجھے ان کا بے حد اشتیاق ہے" اللہ کا درود ان پر' اور ان سب پر۔

امابعد۔ بندگی مخدوم شیخ الاسلام والمسلمین بدر الحق والحقیقۃ والدین شیخ حسین

معز شمس بلخی کے پیروں کا شجرہ (اللہ تعالیٰ ان کی طویل زندگی سے مومنوں کو فیضیاب کرے اور ان کے دیدار کی نعمت کو دوام عطا فرمائے) جو مریدوں کے لئے سبب نجات اور دلیل ہدایت ہیں۔ حضرت شیخ کے وابستگان نے اس مضبوط رسی کو پکڑا اور اس کو اپنے ایمان اسلام کا سرمایہ بنایا۔ اور اس نسبت کے فخر کا آوازہ آسمان ملکوت تک پہنچایا۔ اور اس سلسلہ کے ناز کا شہرہ ملا اعلیٰ میں پھیلایا۔ وہ تو خود اس لائق ہیں کہ اپنے افتخار کو دونوں جہان میں بلند کریں۔ کیونکہ انہوں نے عروۃ الوثقیٰ کے ساتھ قرار فرمایا۔ اور وہ اس شجرہ کے ساتھ وابستگی رکھتے ہیں جس کی جڑ ثابت ہے اور شاخیں آسمان میں ہیں۔ خاص کر مدعیوں اور بناوٹی لوگوں کے اس زمانہ میں کہ ساری دنیا فسق و کذب کی ظلمت سے تاریک ہو گئی ہے۔ ان ازلی مقبول بندوں کی سعادت سے اس شجرہ طیبہ کے نتائج ظاہر ہو گئے ہیں کہ وہ ایک روشن ستارہ ہے جو شجرہ مبارکہ سے دمک رہا ہے۔ اور خاص طور سے یہ شجرہ مبارکہ نور علی نور ہے۔ عنایت اولی نے اسی نور کی روشنی میں ان نیک بختوں کو راستہ دکھایا ہے کہ وہ غلامان حضرت شیخ کے قدموں پر سر جھکائے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنے نور سے ہدایت فرماتا ہے۔ اور وہ اس دربار کی عزت قبولیت سے مشرف ہو گئے ہیں۔ اس قبولیت کا شکر ادا کرنے کے لئے وہ جو کچھ بھی کریں خوب ہے۔ کیونکہ وہ دریا کے کنارے پہنچ چکے ہیں۔ اور اس شجرہ مبارکہ کو رات دن پوشیدہ اور ظاہر ورد زبان اور قبلہ جان بناتے اور کعبہ امن و امان جانتے ہیں۔ لیکن اس دربار کے اکثر غلامان اس شجرہ طیبہ کے بعض پیروں کی جائے پیدائش و رہائش کو کم جانتے ہیں۔ کیونکہ ان صدیقوں نے گوشہ خلوت اور پردہ وحدت میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی ہے' اور غیرت الٰہی کی قدرت نے حضرت کے ان نازنینوں کو پوشیدگی کے پردے میں چھپا لیا ہے تاکہ غیروں کی نظر سے چھپے رہیں۔ جب ان کے وابستگان و مریدان ان کے حالات و اخبار معلوم کرنے کے محتاج ہوئے تو اس مولف اذکار اور راقم آثار نے (اللہ تعالیٰ اس کی بخشش فرمائے) اس شجرہ طیبہ کے تمام پیروں کے حالات مع وطن و مولد و تربت اور سلوک تصوف میں ان کی ابتداء' بعضے مناقب و ارشادات اور ان کی تاریخ وفات حتی الامکان ان

اوراق میں جمع کئے ہیں۔ اور اس کا نام مناقب الاصفیاء رکھا ہے۔ تاکہ جس کسی کو ان صدیقوں کے حالات و مناقب معلوم کرنے کی ضرورت ہو اسے دیکھ کر مقصود حاصل کرے اور اس بے چارہ مولف کو ایمان کی دعا کے ساتھ یاد کرے۔

اس در مقصود کو شروع کرنے سے پہلے ایک مقدمہ بطور تمہید ضروری ہے تاکہ کسی قدر اس شجرہ کے پیروں کی روش' اس روش پر مریدوں کی تقلید' ان کا مذہب بیان معنی اعتقاد اور پیروں کے مناقب کا ذکر' اور مریدوں کے ساتھ ان کی غیرت کا بیان کرکے ان مشائخ اور ان کے غلاموں کی روش معلوم کی جائے۔ اور فی الحقیقت اس کتاب کا سبب تالیف اور واقعی ضرورت یہی سمجھی گئی۔

معلوم ہو کہ صحبت یا تلقین کی سند اور مشائخ رضوان اللہ علیہم کے خرقہ کا حصول بہت سے سلسلوں سے پیوستہ ہے۔ اور مشائخ کرام کے شجروں کی سند مختلف طریقوں سے حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے۔ لیکن اس شجرہ طیبہ کی سند عالی ہے۔ اس کی لڑی منظم' اور طریقہ نہایت عجیب ہے۔ اور اس شجرہ مبارکہ کے مشائخ روئے زمین کے تمام مشائخ سے جداگانہ حیثیت رکھتے ہیں۔ ان صدیقوں کی روش تمام دوسرے سلسلوں کے صالحین' زاہدین اور عابدین کی روش سے ایک امتیازی شان رکھتی ہے۔ اور ان پیروں کے کلمات' عشق و محبت اور توحید و معرفت کے انداز میں بلند ہیں۔ اور دوسرے کے کلمات ان کی لطافت کو نہیں پہنچتے۔ حاصل کلام یہ شجرہ طیبہ وہ رنگ رکھتا ہے جو دوسروں کے یہاں نہیں۔ "رنگ تو بس اللہ کا رنگ ہے اور اللہ کے سوا کس کا رنگ اچھا ہو سکتا ہے" اور ان پیروں کے غلامان و وابستگان بھی دوسرے طریقوں کے مقابلہ میں ایک ممتاز روش و اعتقاد رکھتے ہیں جو شخص ظاہرا یا باطنا" ان میں سے کسی ایک کے ساتھ منسلک ہوگیا تو اس کی نشان دہی کیا کی جا سکتی ہے اور ان کی روش و اعتقاد کے بارے میں کیا کیا جا سکتا ہے۔

ذرہ تھا آفتاب تک پہنچا
قطرہ دریا میں ہو گیا دریا

اور جن لوگوں نے صورۃ" تعلق پیدا کیا اور تقلیدی اعتقاد رکھا وہ بھی اپنے حسن اعتقاد کے چوگان سے میدان ارادت میں سعادت کا گیند آگے بڑھا لے گئے۔ اور اعتقاد کے معنی لغت میں کسی چیز کو محبت سے دل میں پکڑ لینا ہے اور اسے برقرار رکھنا اس گروہ کے نزدیک محبت اس چیز کا زیور و آرائش ہے جو مرید کے سوا دید دل میں پیدا ہوتی ہے۔ اور اس کے دل کو تماتر پیر کی عظمت کی طرف متوجہ اور مشغول کر دیتا ہے۔ یہ ایک ایسا لطیفہ ربانی ہے جو خوش قسمت لوگوں کو ملتا ہے جس نے اعتقاد پایا' اس نے سب کچھ پایا۔ اور جس نے نہ پایا' کچھ نہ پایا۔ حضرت رسول خدا صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعتقاد کی شان میں اس طرح اشارہ فرمایا ہے کہ (حضرت) "ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو زیادہ نماز پڑھنے یا زیادہ روزہ رکھنے کی وجہ سے تم لوگوں پر فضیلت نہیں ہے۔ بلکہ فضیلت کی وجہ وہ چیز ہے جو ان کے دل میں بیٹھ گئی ہے" کہتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت تھی۔

پس طالبوں کا انتہائی مقصود اور مریدوں کا خاص مطلوب اور دولت ابدی کا پیرایہ اور سعادت سرمدی کا سرمایہ یہی اعتقاد ہے۔ اس کے مراتب و درجات کی کوئی انتہا نہیں۔ اعتقاد کا ادنیٰ مرتبہ اور کم سے کم نتیجہ جو ان صدیقوں سے وابستہ حضرات کی روش کے بیان میں لکھا جائے گا' بخوبی سمجھ میں آ جائے گا۔ ان کے غلاموں کی ظاہری روش یہ ہے کہ اپنے پیر کو اللہ کا خلیفہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قائم مقام تصور کرتے ہیں اور حسن ادب بجا لاتے ہیں جو بالخصوص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے لازم ہے۔ اور شرعاً" جائز امور میں بغیر اس کے حکم کے کوئی عمل نہیں کرتے۔ اسی کو اپنا قبلہ نجات جانتے ہیں۔ نہ اقوال ابو حنیفہ" سے کام رکھتے ہیں' نہ امام شافعیؒ کے مذہب سے گزرتے ہیں۔ کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ مرید کو مذہب اخذ کرنے میں ایسا ہونا چاہئے کہ اپنے کفر و ایمان اور دین و مذہب کے ساز و سامان کو پیر کی بارگاہ ارادت میں پیش کردے اور خود مفلس و قلاش ہو کر خالی ہاتھ کھڑا ہو جائے۔ اگر ایسا نہیں ہو گا تو وہ اس سعادت سے محروم ہو گا کہ شیخ کو احدیت کے محیط سے باہر آیا ہوا دیکھے۔ جیسا کہ کہا ہے۔

فعل کو اس کے فعل حق گردان
قول کو اس کے راز مطلق جان

الغرض پیر کو اجتہاد کے مرتبہ میں جانے اور دین کی اصل و فرع میں اس کی تقلید کرے۔ یہاں تک کہ اگر اس سے پوچھیں کہ تمہارا مذہب کیا ہے؟ تو مرید کا ادب یہ ہے کہ یہ نہ کہے کہ میں شافعی یا حنفی مذہب ہوں۔ تاکہ شیخ کی غیرت کے جلال سے جو غیرت الٰہی کا پرتو ہے' سلامت رہے اور اگر مرید کسی شرعی امر میں یا دینی کام میں پیر کی اجازت کے بغیر امام ابو حنیفہ" کے قول کی مطابقت کرے گا یا امام شافعی کی طرف

توجہ کرے گا تو عنقریب غیرت پیر کا سپاہی حاکم اس کے وجود سے بھیجا نکال لے گا۔ اور اس کے بیکار سر پر ردو طرد کی ایسی تلوار مارے گا کہ پھر کبھی ہدایت کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہوگا اور یہ ایسا نہیں ہے جیساکہ عام لوگ کہتے ہیں کہ فلاں کو پیر کی جانب سے آزار پہنچا ہے۔ اور پیر کا آزار ایسا ویسا ہوتا ہے۔ معاذ اللہ پیر کسی کو آزار نہیں پہنچاتا۔ یہ تو جاہلوں کا عقیدہ ہے۔ بلکہ پیروں سے مخلوق کو جو کچھ ملتا ہے رب رحمت و نعمت ہے کہ ان کو (بہ تبعیت رسول) رحمۃ العالمین پیدا کیا گیا ہے۔ جن لوگوں کو مصیبت یا تکلیف پہنچی ہے وہ اس سبب سے ہے کہ جب کسی سے کوئی ایسی حرکت سرزد ہوئی ہے' جو اس کے پیر کے پاک دل کو تکلیف پہنچاتی ہے تو ایسی صورت میں غیرت الٰہی حرکت میں آجاتی ہے اور دریائے غضب جوش مارنے لگتا ہے۔ پھر دریا کا مگرمچھ اسے دریا کے اندر لے بھاگتا ہے۔ حالانکہ پیر کا ارادہ یہ نہیں ہوتا۔ کیا ان کی یہ صفت نہیں ہے؟ کہ "وہ خلق اللہ پر سب سے زیادہ شفیق ہوتے ہیں۔ پیران طریقت تو سراپا رحمت ہوتے ہیں۔ مگر ان کو اپنے مریدوں پر اس سے بھی زیادہ غیرت (شرم) ہوتی ہے جتنی ایک بادشاہ کو اپنے حرم پر ہوتی ہے۔ اس معنی میں اولین و آخرین پیروں کی بہت سی حکایتیں بیان کی گئی ہیں۔ اور شریعت میں اس کی اصل موجود ہے اور وہ یہ کہ ایک دن صحابہ رضوان اللہ علیہم بیٹھے ہوئے تھے کہ پیغمبر علیہ السلام تشریف لائے۔ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ایک کاغذ دیکھا جس پر توریت لکھی ہوئی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشانی مبارک پر شکن آگئی اور فرمایا "کیا تم بھی متحیر ہو گئے ہو جیسے اور یہود و نصاریٰ حیرت میں پڑ گئے تھے (یعنی اپنے دین کو برباد کر دیا تھا) قسم خدا کی اگر موسیٰ زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری اتباع کے سوا چارہ نہ ہوتا" عمر رضی اللہ عنہ نے توبہ کی اور اس کاغذ کو پھینک دیا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب مرید اپنے پیر کے مذہب پر ہے تو پیر کس کے مذہب پر ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پیر علم و عقل بشری کے تصرف سے گزر گیا ہے اور اوہام کے ادراک سے باہر نکل آیا ہے۔ اوچھی عقل کی ترازو اس کے وزن کا اندازہ نہیں کر سکتی۔ ان کے اعمال و افعال "میں ان کی سماعت و بصارت ہو گیا ہوں" کے

نتیجہ میں دوسرے عالم سے نسبت رکھتے ہیں۔ حقیقتہ" یہی جواب صحیح ہے۔ مگر عام مسلمانوں کو خاموش کرنے کے لئے ہم کہتے ہیں کہ ہر پیر اپنے پیر کے دین و مذہب کے اصول و فروغ پر ہوتا ہے اسی طرح پیر سے پیر کا سلسلہ حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ یہ ایسا نہیں ہے جیسا کہ عوام سمجھتے ہیں کہ پیر بھی چاروں مذہبوں میں سے کسی ایک مذہب کا مقلد ہوتا ہے۔ حاشا کلا ایسا نہیں ہے بلکہ پیر مقام کشف و مشاہدہ میں ہوتا ہے اور صاحب کشف کے لئے علمائے ظاہر کی تقلید درست نہیں۔ جیسا کہ اسلاف رحمتہ اللہ علیہم کے لئے ثابت ہے۔ اور قوت القلوب میں نقل کیا گیا ہے کہ "اسلاف کا طریقہ یہ تھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان پر معرفت اور علم یقین کا دروازہ کھول دیا تو ان کے لئے کسی عالم کی تقلید کی گنجائش نہیں" لیکن ان کا عمل جب ہر اس شے میں جو محتاط ترین ہے کہیں امام ابو حنیفہؒ کے قول کے موافق اور کبھی امام شافعیؒ کے قول کے مطابق واقع ہوتے ہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ مرید پیر کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہے اور کیا علامت بتا سکتا ہے۔ وہ دل ہی نہیں رکھتا کہ اس کی فکر کرے۔ اور زبان ہی نہیں رکھتا جو اس کے ذکر میں ہلائے۔

یوں تو سعدی کے لب و دہن کی تفصیل بہت
ذکر لب اس کا جو کرتا ہوں مجھے کافی ہے

اس گروہ کے کلمات میں بیان کیا گیا ہے کہ مرید کی یہ مجال نہیں کہ اپنے پیروں کی تعریف کریں۔ اگر کسی وقت بھی ان کے دل میں کوئی لمحہ ایسا گزر جاتا ہے کہ پیروں کی عظمت سے غافل ہو جائے تو اس کو گناہ کبیرہ تصور کرتے ہیں۔ یقیناً جو شخص ان کے راستے کے کتوں کے گروہ میں شامل ہو گیا اور خود کو اس دربار کے غلاموں سے وابستہ کر لیا تو بغیر ان کے ذکر کے آرام نہیں پاتا۔ اور سوائے ان کی تعریف کے کچھ بولنا نہیں چاہتا۔ چونکہ ان کی حقیقت کا کوئی نشان نہیں دیا جا سکتا اس لئے بے چارہ مرید کو' جو ہوا و ہوس کی تاریکی میں قید اور عالم سفلی کی پستی میں گرفتار ہے سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ ان کے باطنی احوال کے ادراک کو اس علوی بلندی پر تصور کرے جو اس حدیث سے عبارت ہے "میرے لئے اللہ کی معیت میں ایک وقت

خاص ہوتا ہے" ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کے ظاہری اعمال و علامات سے وابستگی پیدا کی جائے اور ان کی گفتگو اور جستجو میں مشغول رہا جائے۔ بے چارہ مولف کے لئے حقیقی اور اصلی سبب یہی تھا جس کی وجہ سے اس شجرہ طیبہ کے پیروں کے بعض ظاہر آثار کی جستجو میں اس کتاب کے اہتمام کی طرف متوجہ ہوا۔

اک بوری شکر خریدنا تھا مشکل
لیکن ہے تمس رانی شکر کی حاصل

ان میں سے بعض آثار و افعال معتبر کتابوں سے لئے گئے ہیں اور بعض معتبر حضرات سے سن کر صحت و تحقیق کے ساتھ ان اوراق میں جمع کئے ہیں تاکہ دربار الٰہی کے ان نازنینوں کے ذکر کا بہانہ ہاتھ آئے اور یہ بے چارہ غم و اندوہ کی وادی میں ہلاک ہونے کی بجائے ان کے ذکر کی سعادت جمعیت میں راستہ پائے۔ اور یہ معمولی دولت نہیں ہے۔ کیونکہ خدا کے دوستوں کا ذکر حقیقتہ" خدا ہی کا ذکر ہے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ "صالحین کے ذکر کے وقت اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے اور امید ہے کہ اس مفلس مولف کو اس رحمت کی بارش میں حصہ دے کر مرحوم فرمائیں اور اس دولت کے آثار و برکات سے محروم نہ رکھیں۔ نیز ممکن ہے کہ کسی طالب صادق کو کلمہ دو کلمہ ان اوراق کا پسند آئے اور اسے دیکھ کر اسے لذت و خوشی حاصل ہو تو اس بیچارہ کے لئے سبب نجات ہو جائے۔

نقل ہے کہ جب حضرت یحییٰ عمارؒ نے جو امام ہری (خراسان) اور شیخ عبداللہ انصاری کے استاد تھے' وفات پائی تو انہیں خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ اللہ تعالٰی نے آپ کے ساتھ کیا کیا؟ فرمایا کہ مجھے کہا کہ "اے یحییٰ میں تمہارے ساتھ سختی سے پیش آتا۔ لیکن ایک روز مجلس میں تم میری تعریف کر رہے تھے کہ میرے دوستوں میں سے ایک دوست نے ادھر سے گزرتے ہوئے اس کو سنا اور بہت خوش ہوا۔ تمہیں اس خوشی کے طفیل میں بخش دیا۔ ورنہ تم دیکھتے کہ میں تمہارے ساتھ کس طرح پیش آتا"۔ اے اللہ! تو اس مفلس درماندہ کو' جو تیرے دوستوں کے دامن سے لپٹا ہوا ہے' اس امید سے ناامید نہ فرما اور ان کے غلاموں کے صدقے میں بخش دے۔ یقیناً تو

قبول کرنے والا ہے اور جو کرنا چاہے اس پر قادر ہے۔

"اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے دوستوں کی محبت میں ارزانی فرمائے اور اپنے اولیا کی پیروی کی توفیق عطا کرے۔" سمجھو کہ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین (اللہ ان سے راضی ہوا) کے بعد پیروں کے دو طبقے ہیں۔ پہلا طبقہ عراق عرب اور بغداد میں پیدا ہوا۔ ان میں سے زیادہ تر بغداد ہی میں رہے۔ اور وہیں آرام فرما ہیں۔ اسی وجہ سے بغداد کو "برج اولیا" کہتے ہیں۔ اور وہ حضرت شیخ جنید بغدادیؒ کا زمانہ تھا رحمتہ اللہ علیہ اور بعضے وہ مشائخ ہیں جن کا فرید الدین عطارؒ نے تذکرۃ الاولیا میں ذکر کیا ہے اور زیادہ تر ان میں ■ ہیں جن کا ذکر شیخ علی عثمان جلابیؒ نے کشف المحجوب میں نقل کیا ہے، اسی زمانے میں ہوئے ہیں اور اپنے زمانے کے پیر مشائخ تھے۔ دوسرا طبقہ عراق عرب اور بعضے عراق عجم جیسے خراسان اور ماوراء النہر، خوارزم، ہمدان اور طوس وغیرہ میں ہوئے ہیں۔ اور یہ خواجہ نجم الدین کبریٰ رحمتہ اللہ علیہ کا زمانہ تھا اور پیروں کے پیر شیخ شہاب الدین سہروردی، شیخ احمد برکہ، امام محمد غزالی اور شیخ محی الدین ابن عربی بھی اسی زمانے میں ہوئے ہیں۔

پس جاننا چاہئے کہ ان دونوں زمانوں میں ان بزرگوں میں سے جو بھی مقامات علیہ پر فائز ہوا اور توحید و معرفت اور عشق و محبت میں جس نے بھی بلند مقام پایا ہے وہ اسی شجرہ مبارکہ کی کوئی نہ کوئی شاخ ہے اور کسی نہ کسی طریقہ پر اسی سند عالی سے وابستہ ہے۔ اس سے باہر کوئی بھی سلسلہ منظم نہیں ہے۔ اس سلسلہ کے ہر ایک بزرگ کا ذکر اور نسبت و اسناد کی تفصیل اتنی طویل ہے کہ ایک ضخیم کتاب ہو جائے۔ لیکن طریق نسبت و اسناد کی معرفت و تنبیہہ کے لئے اسی قدر جتنا کہ معروف و مشہور ہے، اور ان سے توحید و محبت کے طریقوں کے جو کلمات عالی منقول ہیں یہاں بیان کئے جاتے ہیں۔ جیسے خواجہ بایزید بسطامیؒ، حسین منصور حلاجؒ، شیخ فرید عطارؒ، مولانا جلال الدین رومیؒ، قاضی عین القضات ہمدانیؒ، مصلح الدین سعدی شیرازیؒ، قاضی حمید الدین ناگوریؒ، اور شیخ شرف الدین پانی پتی۔ ان سب پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوں۔ ہر ایک کی نسبت اسی شجرہ مبارکہ کے پیروں تک پہنچتی ہے۔ ہر بزرگ کے ذکر

میں ان حضرات کے اس شجرہ مبارکہ سے پیوستہ ہونے کی نسبت کا بھی ذکر کیا جائے گا۔

اب اس شجرہ کے پیروں کا ذکر جس طرح آئے گا ذہن نشین کرنے کے لئے ان کے نام اور تعداد کو اس تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔ ذکر (۱) محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ذکر (۲) امیرالمومنین علی کرم اللہ وجہہ، ذکر (۳) امیرالمومنین حسین رضی اللہ عنہ۔ ذکر (۴) امام زین العابدین رضی اللہ عنہ۔ ذکر (۵) امام باقر رضی اللہ عنہ۔ ذکر (۶) امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ۔ ذکر (۷) امام موسیٰ رضا کاظم رضی اللہ عنہ۔ ذکر (۸) امام علی رضا رضا رضی اللہ عنہ۔ ذکر (۹) خواجہ معروف کرخی رحمتہ اللہ علیہ۔ ذکر (۱۰) خواجہ سری سقطی رحمتہ اللہ عنہ۔ ذکر (۱۱) خواجہ جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ۔ ذکر (۱۲) خواجہ ممشاد دینوری رحمتہ اللہ علیہ۔ ذکر (۱۳) خواجہ احمد سیاہ دینوری رحمتہ اللہ علیہ۔ ذکر (۱۴) خواجہ محمد بن عبداللہ المعروف بہ عمویہ رحمتہ اللہ علیہ۔ ذکر (۱۵) خواجہ قاضی وجیہ الدین ابو حفص رحمتہ اللہ علیہ۔ ذکر (۱۶) خواجہ ضیاء الدین ابو النجیب سہروردی رحمتہ اللہ علیہ۔ ذکر (۱۷) خواجہ نجم الدین کبریٰ رحمتہ اللہ علیہ۔ ذکر (۱۸) خواجہ سیف الدین باخرزی رحمتہ اللہ علیہ۔ ذکر (۱۹) خواجہ بدر الدین سمرقندی رحمتہ اللہ علیہ۔ ذکر (۲۰) ذکر خواجہ رکن الدین فردوسی رحمتہ اللہ علیہ۔ ذکر (۲۱) خواجہ نجیب الدین فردوسی رحمتہ اللہ علیہ۔ ذکر (۲۲) مخدوم جہاں شیخ شرف الحق والدین یحییٰ منیری رحمتہ اللہ۔ ذکر (۲۳) مخدوم مرحوم شیخ مظفر بلخی رحمتہ اللہ علیہ۔

نام جب ان نازنینوں کا زباں پر آ گیا
ہو گیا شیریں دہن، یہ کتنے میٹھے نام ہیں

اس شجرہ مبارکہ کی سنت کی پیروی میں اس مولف بیچارہ کو چاہئے تھا کہ مخدوم مرحوم شیخ مظفر اور شیخ جہاں شرف الحق والدین قدس اللہ اسرارہم کے ذکر سے شروع کرتا۔ لیکن ان کے مناقب و آثار کو اول تحریر کرنے کی جرات نہ کرسکا۔ اور یہ طاقت نہ تھی کہ ان کے احوال پاک سے ذکر کی ابتدا کرنے میں مشغول ہوتا۔ اب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال ظاہر میں بزرگوں نے جو بہت کچھ فرمایا اور تحریر کیا ہے۔ اسی

کی نقل اور ترجمہ کو وسیلہ بنا کر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت کے ذکر اور اسلاف کے مناقب اور اسلاف کے پیروں کے مناقب سے شروع کرتا ہوں تاکہ ان خیرالوسائل کے سایہ مین تمام اذکار آسان ہو جائیں اور مخدوم مرحوم شیخ جماں کے آثار پاک کا ذکر بھی ان کے اذکار کی سنت پر منظور و مقبول ہو جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میلاد' ہجرت و وفات اور بعض تاریخ اور ان کی خبر میں اقوال و روایات کا بہت کچھ اختلاف ہے۔ جس ضمن میں اختلاف سامنے آیا اس کے بعد کوئی صحیح قول مل گیا تو اسی صحیح قول کو اس مختصر کتاب میں نقل کیا ہے۔ اور دوسرے اقوال ترک کر دیئے ہیں تاکہ طوالت نہ ہو جائے اور جس جگہ کوئی صحیح قول قوی نہیں ملا تو وہاں ضرورۃ" روایت و اقوال کا اختلاف ذکر کیا گیا ہے۔ اور بعض پیروں کی جائے پیدائش و وطن' تاریخ وفات اور ان کے سلوک ظاہر کی ابتداء و انتہا تفتیش و اتباع میں جس طرح پائی گئی اسی طرح ذکر کی گئی ہے۔ اور جو کچھ نہ پائی جا سکی یا غفلت اور بھول چوک کی وجہ سے ذکر نہیں کی جا سکی تو حضرت شیخ کے غلاموں میں سے جس کسی کو صحت و تحقیق کے ساتھ معلوم ہو یا تلاش و جستجو اور تجسس کے بعد معلوم ہو سکے تو ان اوراق میں تحریر کرے۔ اور مولف بے چارہ کے عیب و نقصان کو عصمت و ستاری کے دامن میں چھپالے۔

ہم اللہ تعالیٰ کی حمد اس کی اچھی نعمتوں اور عظیم نشانیوں پر کرتے ہیں۔ یقیناً اس نے ہم کو اس شجرہ طیبہ میں شامل فرمایا۔ جس کی بنیاد ثابت ہے اور اس کی شاخ آسمان میں پھیلی ہوئی ہے۔ اور ہم درود بھیجتے ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو نبیوں کے سردار ہیں۔ اور ان کے دوستوں پر جو اولیاء اور اصفیا میں سے ہیں۔

۸ مارچ ۱۹۷۵ء

ذکر خواجہ دو عالم احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ

وہ تمام نبیوں کے والی، متقیوں اور صوفیوں میں سب سے زیادہ بزرگ، وجود عالم کے مقصود، پیدائش آدم کے مطلوب، "وہ میرے دل نے میرے رب کی روایت بیان کی" کی روایت کے راوی، وہ "میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے" کی ولایت کی والی، عالم اسریٰ کے مسافر، مقام "تقرب دنیٰ" کے مقیم، اسرار "مااوحی" کے راز دار، قبہ "قاب قوسین" کے واصل، اگلوں اور پچھلوں کے سردار، نبیوں اور پیغمبروں کے خاتم، سب کو سہارا دینے والے محمد ﷺ۔ کہ تمام موجودات کا وجود ان کے وجود کا صدقہ ہے، بلکہ کائنات کا تمام ظہور ان کے دریائے وجود کا ایک قطرہ ہے۔ ایسے بزرگ کہ ساری کائنات ان کے لئے پیدا ہوئی۔ اللہ تعالیٰ خود ان کی تعریف فرماتا ہے تو مخلوق ان کی تعریف میں کیا کر سکتی ہے۔ ان کی تعریف کا خطبہ "لولاک" پڑھتا ہے اور ان کے مراتب کا ظہور "اصطفاک" سے ہوتا ہے۔

ثنا میں آپ کی اللہ کافی
کریں تعریف ہم کیا اے مرلی

محمد ﷺ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف قریشی تھے۔ (آپ پر اللہ کا درود و سلام) اور قریش کے مناقب، کتب احادیث میں مرقوم ہیں۔ آپ ﷺ کا نسب آدم علیہ السلام تک بڑی بڑی اور مشہور کتابوں میں تشریح کے ساتھ لکھا ہوا ہے۔ آپ ﷺ کے نسب حضرت میں عبداللہ سے عدنان تک بالاتفاق اکیس آباء ہیں اور کسی کو اس میں اختلاف نہیں ہے اور نضر بھی انہیں میں سے ہے۔ قریش اسی کی اولاد ہیں۔ باقی عدنان سے آدم علیہ السلام تک بہت اختلاف ہے۔ علماء نے کسی قول کو اتنی صحت کے ساتھ نہیں پایا ہے جس کا اعتبار کیا جا سکے۔ لیکن اکثر قول کے مطابق پیغمبر علیہ السلام کا نسب حضرت اسمٰعیل بن ابراہیم خلیل اللہ علیہما السلام تک پہنچتا ہے۔ اور آپ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ بھی قریشیہ تھیں۔

حدیث میں آیا ہے کہ مصطفیٰ ﷺ کی والدہ جمادی الاول کے آخر مہینے میں

پیر کے دن اس نور خاص سے مستفیض ہوئیں اور نو مہینے اس کو شکم مبارک میں رکھا۔ مصطفیٰ ﷺ پیر کے دن ۸ ربیع الاول' عام الفیل مکہ مبارک (اللہ تعالیٰ اسے اور بزرگی عطا فرمائے) میں پیدا ہوئے۔ اس دن بڑے بڑے معجزے اور خوارق ظاہر ہوئے۔ جیسے کعبہ میں رکھے ہوئے بتوں کا منہ کے بل گرنا' بحر ساوہ کا (جو ایک عظیم نہر ہے جہاں کافروں کا میخانہ تھا اور وہ کبھی خشک نہ ہوئی تھی) خشک ہو جانا۔ اسی طرح ایوان کسریٰ کا (جو ملک فارس میں بہت رفیع الشان محل تھا) ہلنا اور اس طرح لرز جانا کہ اس کے چودہ کنگرے گر پڑے۔ اور وہ آگ جو آتش پرستوں نے جلائی تھی ہزار سال سے یکساں طور پر جل رہی تھی اور نہ بجھی تھی اس روز سرد ہو گئی۔ اور اس طرح کی بہت سی حیرت انگیز باتیں ظاہر ہوئیں۔ انہیں عجائبات میں نبوت کی علامتوں کا ظہور اور انوار رسالت کے طلوع ہونے کی نشانیوں کا پر تو بھی تھا۔ جس کو متکلموں کی اصطلاح میں ارصدوار صاد(۱) کہا جاتا ہے۔

پیغمبر ﷺ ختنہ کئے ہوئے اور ناف بریدہ پیدا ہوئے تھے۔ پیدا ہوتے ہی آپ کو سجدہ کی حالت میں دیکھا گیا۔ آپؐ کی دونوں انگشت شہادت حسینوں کی طرح آسمان کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ ابی لہب کی ایک آزاد کردہ کنیز ثوبیہ نام نے آپ ﷺ کو چند روز دودھ پلایا۔ (ثوبیہ بضم ثاے مثلثہ ہے) اس کے بعد آپؐ کے دادا حضرت عبدالمطلب نے دودھ پلانے کے لئے حضرت حلیمہ کے سپرد کیا۔ یہ حلیمہ ابی ذویب کی بنی سعد بن بکر کی اولاد میں تھیں اس لئے ان کو حلیمہ سعدیہ کہتے تھے۔ حضرت حلیمہؓ روایت کرتی ہیں کہ "پیغمبر ﷺ ایک دن میں اتنا بڑھتے تھے جتنا دوسرے بچے ایک ماہ میں بڑھتے ہیں اور جس وقت بھی کہ میں آپ ﷺ کو گود میں لیتی تھی تو میری دونوں چھاتیاں دودھ سے بھر جاتی تھیں اور آپؐ جتنا چاہتے دودھ نوش فرماتے اور آپ کے بھائی (یعنی پسر حلیمہ) بھی خوب سیر ہو کر دودھ پیتے۔ پھر دونوں سو جاتے۔ حالانکہ اس سے پہلے اتنا بھی دودھ نہیں ہوتا تھا کہ آپؐ کے

۱۔ یہ وہ علامتیں ہوتی ہیں جن کو دیکھ کر کسی اہم واقعہ کے ظہور کی پیش گوئی کی جا سکتی ہے۔ ۲ نعیم

بھائی کے لئے کافی ہوتا۔ اسی طرح پیغمبر ﷺ کے قدم مبارک کی برکتوں سے میرے گھر میں سازو سامان اور اونٹنیوں کے بچوں میں کثرت و برکت ظاہر ہونے لگی۔ اور ایسی کشادہ حالی نصیب ہوئی جو پہلے کبھی نہ تھی۔ میرے گھر میں بہت سی بکریاں جمع ہو گئیں۔ پیغمبر ﷺ جب دو سال کے ہوئے تو ایک دن اپنے بھائی کے ساتھ بکریاں چرانے گئے تھے۔ ان کا بھائی بھاگتا ہوا میرے پاس آیا اور کہا کہ میرا وہ بھائی جو قریشی ہے اس کو دو سفید پوش مردوں نے آکر زمین پر لٹا کر ان کا پیٹ چاک کر دیا ہے اور انہیں ہلا رہے ہیں۔" حلیمہ کہتی ہیں کہ میں وہاں گئی تو آپ ﷺ کو کھڑے ہوئے پایا۔ کسی قدر آپ کا چہرہ متفکر تھا۔ میں نے حال پوچھا۔ فرمایا "دو مرد آئے' مجھے لٹا دیا۔ میرا سینہ چاک کیا اور وہ اس میں کوئی چیز تلاش کرتے تھے۔ میں نہیں جانتا وہ کیا تھی" پھر میں انہیں گھر لے آئی۔ میرے شوہر نے کہا "اے حلیمہ میں ڈرتا ہوں کہ اس بچہ پر جنات کا اثر ہو گیا ہے۔ مناسب یہ ہے کہ جنات کا اثر ظاہر ہونے سے پہلے اس بچہ کے قبیلہ میں پہنچا دو۔ اس مشورہ پر عمل کرتے ہوئے میں آپ ﷺ کو آپ کی والدہ کے پاس لے آئی۔ آپ کی والدہ نے فرمایا "کیا ہوا حلیمہ؟ کیوں اس کو واپس لے آئیں؟ تم تو اس بچہ کے لئے بہت حریص تھیں" حلیمہ کہتی ہیں کہ میں نے جواب دینے میں کچھ تامل کیا۔ لیکن جب آپ کی والدہ نے اصرار کیا تو میں نے سارا حال کہہ سنایا۔ انہوں نے فرمایا "نہیں نہیں خدا کی قسم شیطان کو ان پر کوئی دسترس نہیں ہے۔ اس بچے کے معاملات بہت عظیم ہیں۔ کہو تو میں تم کو بتاؤں" میں نے کہا بتایئے! انہوں نے فرمایا "جس وقت یہ بچہ میرے پیٹ میں آیا' میں نے خواب دیکھا کہ ایک نور مجھ سے ظاہر ہوا ہے جس سے شام میں بصریٰ کے محلات روشن ہو گئے ہیں۔ خدا کی قسم مجھے کوئی بوجھ اس سے ہلکا نہ تھا۔ تم اس بچہ کو خدا پر چھوڑ دو اور کوئی غم نہ کرو۔

ا۔ جب حضرت محمد مصطفیٰ شکم مادر میں تھے تو ان کے والد کا انتقال ہو گیا تھا (اس پر اجماع ہے)

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ دو سال چار مہینے کے ہوئے تو ان کے والد حضرت عبداللہ کا مدینہ میں انتقال ہوگیا۔ ایک روایت سات مہینے اور ایک روایت کے مطابق دو مہینے کے تھے۔ ان کو میراث میں ایک کنیز ملی تھیں جن کا نام ام ایمن حبشیہ تھا۔ انہوں نے پیغمبر ﷺ کی دائیگی کی تھی۔ جب آپ ﷺ بڑے ہوئے تو ان کو آزاد کر کے زید ابن حارثہ کے نکاح میں دے دیا۔ جن سے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ جب پیغمبر ﷺ چھ سال اور ایک روایت سے چار کے ہوئے تو آپؐ کی والدہ حضرت آمنہ نے مقام ابوا میں انتقال فرمایا۔ (ابوا الف کے زبر سے مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام کا نام ہے) اور وہیں مدفون ہوئیں۔

خلاصۃ السیر میں ہے کہ وہ حجون میں جو مکہ کے قریب ایک پہاڑ کا نام ہے مدفون ہوئیں اور وہ ایک بڑا اور محترم مقبرہ ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اسی جگہ کے متعلق ایک حدیث مروی ہے کہ "رسول اللہ ﷺ افسردہ اور غمگین حجون میں تشریف لائے۔ وہاں کچھ دیر قیام فرمایا۔ پھر آپ خوش ہو کر وہاں سے لوٹ آئے اور فرمایا کہ میں نے اپنے پروردگار سے اپنی والدہ کے زندہ کرنے کی دعا کی تھی۔ پس اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کیا۔ ▪ مجھ پر ایمان لائیں پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں واپس بلا لیا۔"

شیخ محی الدین نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب تہذیب الاسماء واللغات میں اس حدیث کی بناوٹ اور فریب کا خیال ظاہر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس حدیث کا بنانے والا کم سمجھ اور بے علم تھا۔ اگر عالم ہوتا تو کم سے کم اتنا تو جانتا کہ کافر کے لئے مرنے کے بعد ایمان کوئی فائدہ نہیں دیتا۔ کیونکہ (موت) کی سختی و عذاب کے وقت اگر ایمان لایا تو وہ مقبول نہیں ہے۔ اور تین دلیلوں سے اس حدیث کو رد کر دیا ہے۔ اول یہ کہ وہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کی رد میں یہ آیت کافی ہے۔ "اور تم میں سے جو اپنے دین سے پلٹ گیا (مرتد ہو گیا) اور مر گیا تو وہ کافر ہے۔ ایسے لوگوں کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع کر دیئے جاتے ہیں۔ یہی دوزخی ہیں اور ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔" دوسری یہ ہے کہ صحیح مسلم میں صحیح حدیث پیغمبر ﷺ سے وارد ہے کہ

"میں نے خدا سے اجازت مانگی کہ میں اپنی والدہ کے لئے بخشش کی دعا کروں تو مجھے اجازت نہ ملی۔ پھر میں نے ان کی قبر کی زیارت کی اجازت چاہی تو مجھے اجازت دے دی۔" تیسری یہ ہے کہ صحیح حدیث اور صحیح روایت سے ثابت ہے کہ مصطفیٰ ﷺ کی والدہ نے ابوا میں وفات پائی۔ اور وہیں دفن کی گئیں۔ حجون کے قبرستان میں نہیں۔

لیکن بعضوں کا کہنا یہ ہے کہ مصطفیٰ ﷺ اس امر میں مخصوص تھے۔ ممکن ہے کہ آپ ﷺ کی والدہ کو آپ کی دعا سے اس طریقہ پر زندہ کیا گیا ہو کہ اس میں تکلیف ثابت ہو جائے۔ "اور یہ ان سختیوں کو بھلا دیتا ہے جو آپ کی والدہ نے قبر میں دیکھیں جیسا کہ تمام مکلفوں سے حدیث میثاق کو بھلا دیا گیا۔ تاکہ تکلف کے ساتھ اس کی تحقیق کریں۔ پس یہ حتمی کا ایمان نہ تھا۔ اور ہو سکتا ہے کہ انہوں نے پہلی موت میں آخرت کے احوال کو نہ دیکھا ہو۔ "پھر ہم نے زندہ کیا تم کو تمہارے مرنے کے بعد تاکہ تم شکر ادا کرو"۔ یہ کھلی ہوئی دلیل ہے اس معنی پر کہ جب موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے ساتھ یہ واقعہ پیش آ سکتا ہے تو اگر آپ کی والدہ کے لئے بھی آپ کی دعا سے ایسا ہو تو کون سے تعجب کی بات ہے۔ اور وہ آیت "تم میں سے جو اپنے دین سے مرتد ہو گیا۔" یہ تو مرتدوں کے حق میں ہے۔ کیونکہ ان کا کفر غلیظ ہے۔ اور یہ آیت کہ "نبی اور مومنوں کو زیبا نہیں ہے کہ مشرکوں کے لئے مغفرت کی دعا کریں۔" وغیرہ وغیرہ۔ اور حدیث کہ "میں اپنی ماں کے لئے دعا کروں" شرک کے باوجود بخشش کی دعا ثابت ہے۔ اور پھر زندگی کی دعا کرنا' تکلیف کا ثبوت اور ان کا ایمان لانا تو بات ہی کچھ اور ہے۔ وہ اس سے مطابقت نہیں کرتی۔ اور پھر اس میں بھی کوئی تعجب نہ ہونا چاہئے کہ پیغمبر ﷺ نے حجون میں دعا کی ہو اور ابوا میں ان کی والدہ زندہ کی گئی ہوں اور حجت رفع ہو گئی ہو۔ یقیناً محمد مصطفیٰ ﷺ اس خصوصیت میں منفرد تھے کہ ایک مہینے کی راہ تک آگے اور ایک مہینے کی راہ پیچھے دیکھتے تھے۔ اور کوئی پردہ درمیان میں حائل نہ تھا۔

القصہ جب پیغمبر ﷺ یتیم ہو گئے تو آپ کے دادا عبدالمطلب نے آپ کی

پرورش اپنے ذمہ لے لی۔ اور ابھی آپؐ آٹھ سال ہی کے تھے کہ عبدالمطلب نے بھی وفات پائی۔ اور حضرت ابو طالب کو آپؐ کی تربیت کے لئے وصیت کر گئے۔ پھر آپؐ ابو طالب کے ساتھ رہنے لگے۔ لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپؐ کو جاہلیت کی تمام رسموں سے پاک رکھا۔ یہاں تک کہ آپؐ نے کسی وقت بھی کسی بت کی کوئی تعظیم نہ کی اور کافروں کے کسی معبدو زیارت گاہ میں تشریف نہ لے گئے۔ اگرچہ ان کو آنے کی دعوت دی گئی۔ لیکن آپؐ اس سے باز رہے۔ اور خدائے تعالیٰ نے آپؐ کی حفاظت کی اور حدیث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "میں نے ہرگز کسی بت کی پرستش نہیں کی اور کبھی شراب نہیں پی' میں ہمیشہ سے جانتا تھا کہ یہ لوگ جو کچھ کرتے ہیں وہ کفر ہے۔" اور یہ صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کا آپؐ کے ساتھ خاص لطف و کرم تھا کہ آپ ﷺ کو ان سب باتوں سے پاک و صاف رکھا اور اخلاق کی جملہ خوبیاں عطا فرمائیں۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ کی پاک بازی' امانت اور سچائی سب پر ظاہر ہو گئی۔ آپؐ امین کہے جاتے اور امین کے نام سے پہچانے جاتے تھے۔ جب بارہ سال کے ہوئے تو ابو طالب کے ساتھ شام کی طرف سفر کیا۔ راہ میں ایک گرجا ملا۔ جب اس کے قریب پہنچے تو وہاں ایک پادری بحیرا نام کا تھا۔ جب اس نے پیغمبر ﷺ کو دیکھا تو آپ کے حلیہ مبارک کو دیکھتے ہی پہچان گیا۔ اور آپؐ کا ہاتھ پکڑ کر بولا "یہ دونوں جہان کے سردار ہیں۔ یہ رب العالمین کے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو رحمت العالمین پیدا کیا ہے۔" پوچھا کہ یہ تم نے کیسے جانا۔ جواب دیا کہ "جب تم پہاڑ کی وادی سے باہر آئے تو کوئی ڈھیلا اور پتھر ایسا نہ تھا جس نے آپؐ کو سجدہ نہ کیا ہو۔ اور ہم نے اپنی کتابوں میں دیکھا ہے کہ جمادات سوائے پیغمبر کے کسی کو سجدہ نہیں کرتے" پھر بحیرا نے ابو طالب سے کہا "اگر تمہیں ان کی محبت و شفقت ہے تو ان کو واپس لے جاؤ۔ اگر یہ شام تک پہنچیں گے تو بخدا یہودیوں کے ہاتھ سے سلامت نہ رہیں گے۔ ابو طالب آپؐ کو واپس لے آئے۔

دوسرا سفر آپؐ کا خدیجہ کے غلام میسرہ کے ساتھ شام کی طرف ہوا اور آپؐ

بصریٰ تک پہنچے۔ میسرہ کو خدیجہ نے سوداگری کے لئے بھیجا تھا۔ میسرہ نے آپؐ کے ساتھ رہ کر علامت نبوت میں سے بعض معجزات و خوارق کا مشاہدہ کیا۔ جب واپس آئے تو میسرہ نے خدیجہ رضی اللہ عنہا سے سب باتیں بتائیں۔ جب خدیجہؓ نے وہ باتیں سنیں اور آپؐ کی شرافت نسبی، حسن خلق اور امانت و بزرگی دیکھی تو آپؐ سے نکاح کی رغبت ظاہر کی۔ پیغمبر ﷺ پچیس (۲۵) سال کے تھے جب آپؐ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔ اور جب پینتیس (۳۵) سال کے ہوئے تو کعبہ کی تعمیر میں شریک ہوئے اور سنگ اسود کو اٹھانے میں قریش کا ساتھ دیا۔ اور قریش نے آپؐ کو ایک حاکم کی حیثیت سے قبول کیا۔ اور اس مدت میں آپ کا دل اللہ تعالیٰ کی سعیت میں ہمیشہ مشغول رہتا تھا۔ اور وحی کے شروع میں آپؐ کو خلوت زیادہ پسند تھی۔ اور آپ راتوں کو عبادت کے لئے غار حرا میں تشریف لے جاتے تھے۔ (حرا مکہ میں اس پہاڑ کا نام ہے جہاں پہلی بار جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے تھے) اور قصہ حضرت خدیجہ اور دوسری ازدواج سے نکاح کا اور آپ کی اولاد اور چچاؤں کا، نبوت سے مشرف ہونا، وحی کا نازل ہونا اور علامت نبوت کا ظاہر ہونا بڑی بڑی کتابوں میں مرقوم ہے۔ اور ان کے متعلق احادیث بھی معروف و مشہور ہیں۔ اگر اس مختصر کتاب میں ان سب کا ذکر کیا جائے تو کتاب طویل ہو جائے گی۔

جب پیغمبر علیہ السلام چالیس (۴۰) سال کے ہوئے تو ان کی رسالت کے جمال کو مشاط ازل نے "ہم نے تمہیں کل بنی نوع انسان کے لئے بھیجا ہے" کے تخت پر بٹھایا۔ اور "ہم نے تمہیں کل جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے" کا خطبہ جہان اور جہان والوں کو سنایا۔ کہتے ہیں کہ پیغمبر علیہ السلام جس راستے سے گزرتے اور جس شجر و حجر کے سامنے آتے وہ ان کو سجدہ کرتے۔ اور سلامتی ہو آپ پر یا رسول اللہ! سلامتی ہو آپؐ پر یا حبیب اللہ" کہتے۔ آپ کے معجزات ریت اور کنکریوں کے شمار سے زیادہ ہیں۔ جیسے چاند کا دو ٹکڑے ہونا۔ اور انگلیوں سے پانی جاری ہونا وغیرہ۔ اور آپؐ کا سب سے زیادہ ظاہر اور بڑا معجزہ تو قرآن کریم ہے۔ کہ عرب کے تمام فصیح لوگ ایسا کلام پیش کرنے سے عاجز آ گئے۔ اور کسی کو بھی اس کے مثل کلام کہنے کی

قدرت نہ تھی۔ اگرچہ انہوں نے ایک دوسرے کی بڑی مدد کی اور اکسایا۔

۱۷ مارچ ۱۹۷۵ء

بعثت نبوت کے بعد آپ تیرہ (۱۳) سال مکہ معظمہ میں رہے۔ "اور میں اخلاق کی بزرگیاں پوری کرنے (سکھانے) کے لئے پیدا کیا گیا ہوں۔" کی مسند پر بیٹھ کر لوگوں کو دعوت دیتے رہے۔ اور آپ (اخلاق میں) ایسے کامل تھے کہ اگر اور کوئی معجزہ نہ ہوتا تو آپ کے اخلاق و اوصاف رسالت ہی نبوت کی سچائی کے لئے مستند گواہ ہوتے۔ کتنے منکروں نے آپ کے چہرہ مبارک پر نظر کی اور کوئی معجزہ آپ سے طلب نہ کیا اور دیکھتے ہی کہہ دیا "یہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہے" یعنی جھوٹ بولنے والوں کا ایسا چہرہ نہیں ہوتا۔ اسی وقت ایمان لے آئے۔ اور بے حجت و معجزہ اسلام قبول کر لیا۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے لوگوں نے آپ کے اخلاق کے بارے میں پوچھا تو فرمایا "آپ کا اخلاق قرآن تھا" یعنی ■ اعلیٰ اخلاق جو قرآن سے ثابت ہے۔ پیغمبر علیہ السلام اس سے آراستہ تھے۔ آپ کا یہ اخلاق تھا کہ آپ لوگوں کے ساتھ اچھی طرح پیش آتے۔ سب کا حال دریافت کرتے، سب سے تواضع کرتے، بھوکوں کو کھانا کھلاتے، مریضوں کی عیادت فرماتے خواہ وہ مسلم ہو یا کافر۔ مسلمانوں کے جنازہ میں شریک ہوتے۔ ہمسایوں کے ساتھ اچھی زندگی گزارتے وہ کافر ہو یا مسلمان۔ اور سن رسیدہ مسلمانوں کی تعظیم کرتے۔ اگر کوئی کھانے پر بلاتا تو اس کی دعوت قبول فرماتے۔ غصہ کو پی لیتے۔ اور سب سے زیادہ بردبار تھے۔ غصہ کرتے بھی تو صرف خدا کے لئے۔ اپنے نفس کے لئے کبھی غصہ نہ فرماتے۔ اور خواہ آپ کو تکلیف ہی کیوں نہ ہو حقدار کو اس کا حق ضرور دلاتے۔

انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں اٹھارہ سال رہا ہوں آپ نے کبھی کسی کام پر مجھے یہ نہیں فرمایا کہ یہ کام تم نے برا کیا۔ یا کیوں کیا؟ جب کوئی اچھا کام کرتا تو دعا فرماتے اور اگر کوئی نازیبا کام کرتا تو فرماتے "تقدیر کے موافق یہی خدا کا حکم تھا" گھر میں اپنے خادموں کے ساتھ مل کر کام کرتے۔ اگر کوئی شخص نادانی سے آپ کو کسی کام کے لئے کہتا تو انکار نہ فرماتے۔ اگر کوئی صحابی یا

کوئی اور آپ کو آواز دیتا تو آپ "لبیک" کہتے۔ اور اگر بچوں کے سامنے آتے تو ان کو سلام کرتے۔ ہمیشہ مسلمانوں کے عیب کی پردہ پوشی کرتے اور مصیبت کے وقت دوستوں کی مدد کرتے۔ اگر ان کو تھوڑی دیر نہ دیکھتے تو ان سے ملنے کے لئے خود تشریف لے جاتے۔ اگر کوئی حاجت مند آتا اور آپ نماز میں ہوتے تو نماز کو مختصر کر دیتے' اس کی طرف توجہ فرماتے اور اس کی ضرورت پوری کرکے پھر نماز میں مشغول ہو جاتے۔ سب سے تبسم فرماتے اور دوستوں کے ساتھ بہت ہنستے یہاں تک کہ آپ کے دندان مبارک کی جڑیں کھل جاتیں۔ کبھی کسی کھانے میں عیب نہ نکالتے۔ اور جو سواری بھی گھوڑا' گدھا اور اونٹ میں سے میسر ہوتا اس پر سوار ہو جاتے۔ کبھی پیدل اور کبھی برہنہ پا۔ اور کبھی بغیر ٹوپی اور دستار کے جس طرح چاہتے بازار چلے جاتے۔ فقیروں اور بادشاہوں سے ایک ہی طرح گفتگو فرماتے۔ بادشاہوں کی تعظیم اور فقیروں کی تحقیر میں کوئی امتیاز روا نہ رکھتے۔ اے فلاں اے فلاں کہہ کر مخاطب کرتے۔ اور اگر خط لکھاتے تو فرماتے "محمد بن عبداللہ کی طرف سے فلاں بن فلاں کو" اپنے گھر میں بھی کسی سے کھانا مانگنے میں شرم کرتے۔ جو کچھ دیا جاتا اسی کو نوش فرماتے۔ اور کبھی خود ہی اٹھ کر کھانا نکال لیتے۔ اور اپنے ہاتھ سے کھانا کھاتے اور پانی پیتے تھے۔ کسی کو کوئی خدمت سپرد نہ فرماتے۔ لباس میں جو کچھ مباح مل جاتا عبا یا کوئی مناسب کمبل وغیرہ پہن لیتے۔ کبھی بڑی لنگی یا چادر وغیرہ داہنے بائیں سے نکال کر پشت پر گرہ دے لیتے۔ اور یہی کافی ہوتا۔ اکثر اوقات اسی لباس سے نماز جنازہ ادا کرتے اور گھر میں بھی اسی لباس سے نوافل پڑھتے۔ آپ کی اچھی عادات کے متعلق کیا کہا جا سکتا ہے اور کیا لکھا جا سکتا ہے۔

خدا نے جتنے محاسن کہ خلق فرمائے
کیا جو غور تو ہر ایک آپ میں پایا

۱۵ اپریل ۱۹۷۵ء

اور آپ ﷺ ان تمام اعلیٰ اخلاق اور اچھے آداب میں ہزار گونہ محاسن سے آراستہ تھے' کہ زبان کہنے اور قلم لکھنے سے عاجز ہے۔ آپ ہمیشہ زاری کے ساتھ

اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے اور امت کی تعلیم کے لئے یہ دعا فرماتے "اے اللہ میرے خلق (جسم) اور خلق (عادات) کو نیک بنا دے اور مجھے ناپسندیدہ عادات سے بچالے" یعنی بار خدایا میرے ظاہر اور باطن کو آراستہ فرما دے اور مجھے برے اخلاق سے محفوظ فرما۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے اخلاق کو کامل فرما دیا تو قرآن کریم میں آپؐ کی اس طرح تعریف فرمائی "یقیناً آپؐ عظیم اخلاق والے ہیں"۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے اخلاق کو خلق عظیم سے تعبیر کیا تو پھر کوئی اس سے بڑھ کر تعریف کیا کر سکے گا۔ اور آپ کے اخلاق کے متعلق کیا کہہ سکے گا۔ یہ آپ کے اخلاق کا ادنیٰ بیان تھا۔

پیغمبر ﷺ کے ظاہری اوصاف یہ ہیں کہ آپؐ میانہ قد تھے۔ اگر دو لمبے آدمی آپؐ کے برابر آتے تو آپؐ ان سے دراز قد معلوم ہوتے۔ پھر بھی ان آدمیوں کو طویل اور آپ کو میانہ قد کہتے۔ اور فرماتے کہ خیریت درمیانہ قد میں ہے۔ آپؐ کے روئے مبارک کا رنگ ایسا سفید، روشن اور صاف تھا کہ نہ بالکل سفید، نہ بالکل زرد اور نہ بالکل سرخ۔ آپؐ کے موئے مبارک مشک کی گمکتی ہوئی خوشبو سے زیادہ خوشبودار تھے۔ آپ کے سر مبارک کے بال کبھی کاندھوں تک دراز ہوتے تھے اور کبھی گیسوؤں کے طریقہ پر چار لٹوں میں کانوں تک پڑے ہوتے۔ جب آپ ﷺ کنگھی کرتے تو بالوں کے سلجھنے میں ایسا معلوم ہوتا کہ پانی میں نور موجیں مار رہا ہے۔ آپؐ کے سر اور ریش مبارک کے سفید بال سترہ عدد سے زیادہ نہ تھے۔ اور جب کوئی مداح آپؐ کے چہرہ مبارک کو دیکھتا تو چودھویں کے چاند سے تشبیہ دیتا۔ انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نظر جمال مصطفیٰ ﷺ پر پڑتی تو زیادہ تر یہی فرماتے۔

امین مصطفیٰ ہیں خیر کی راہیں دکھاتے
کہ جیسے چودھویں کا چاند تاریکی مٹادے

آپؐ کا ظاہری چہرہ مبارک اتنا صاف تھا، کہ خوشی اور رنج کا فوراً اظہار ہو جاتا۔ آپؐ کی پیشانی مبارک کشادہ تھی۔ ابرو پھیلے ہوئے، آنکھیں بڑی اور سرخی مائل تھیں۔

ستواں اور سیدھی ناک اور دندان مبارک کھلے ہوئے تھے۔ جب آپؐ ہنسنے کے لئے منہ کھولتے تو آپ کے دانت بجلی کی طرح چمکتے تھے۔ آپؐ ہمیشہ بغیر آواز قہقہہ تبسم فرماتے' جس میں غفلت کا شائبہ بھی نہ ہوتا۔ آپؐ کے دونوں لب نہایت حسین تھے۔ چہرے کے گرد گھنی داڑھی تھی۔ چوڑائی اور لمبائی میں نیچے اتری ہوئی ایک مٹھی کے برابر ایسی کہ لمبی نہ کہی جا سکتی۔ سینہ مبارک کشادہ تھا۔ سینے سے ناف تک نے (بانسری) کی طرح تھا۔ سینے سے پیٹ تک بالوں کا ایک باریک خط تھا۔ آپؐ کے شکم مبارک پر تین شکنیں تھیں۔ آپؐ ایک شکن کو ازار کے نیچے اور دو کو ازار سے باہر رکھتے۔ پشت مبارک چوڑی اور بھری ہوئی' دونوں مونڈھوں کے درمیان مہر نبوت تھی۔ بھرے ہوئے بازو' دونوں ذراع (کہنی تک) اور ہاتھوں کے جوڑ لمبے تھے۔ ہتھیلی چوڑی اور ریشم سے زیادہ نرم تھی۔ انس بن مالکؓ نے کہا "میں نے کسی دیبا اور حریر کو آپ کی ہتھیلی سے زیادہ نرم اور لطیف محسوس نہیں کیا۔ اور آپؐ کی ہتھیلی مبارک ہمیشہ' خوشبو لگائیں یا نہ لگائیں' خوشبودار رہتی۔ جس سے ہاتھ ملاتے سارے دن اس کا ہاتھ خوشبودار رہتا۔ اور جب کسی بچہ کے سر پر ہاتھ پھیرتے تو تمام بچوں میں وہ خشبو کی وجہ سے ممتاز ہو جاتا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں انتظار کیا کرتی تھی کہ پیغمبر ﷺ "جائے ضرورت" سے باہر تشریف لائیں تو میں جاؤں اور جو کچھ ملے اسے اٹھا لاؤں۔ ایک دفعہ آپؐ باہر تشریف لائے اور میں گئی تو کوئی فضلہ نہ دیکھا میں نے تھوڑی سی مٹی تر زمین کی اٹھائی۔ اور کپڑے میں باندھ لی۔ وہ مشک سے زیادہ خوشبودار تھی۔ جہاں کہیں میں کسی میزبان کے یہاں جاتی' تو اسے جیب میں رکھ لیتی۔ اس کی خوشبو ساری مجلس کی خوشبو پر غالب آ جاتی۔" کسی نے کبھی آپ کے فضلہ کو نہیں دیکھا۔ جیسے ہی زمین پر پڑتا زمین اس کو جذب کر لیتی۔ اور کتاب تہذیب الاسماء و اللغات میں ہے کہ آپؐ کا خون اور پیشاب متبرک تھا۔ اور یہ نبوت کی خصوصیات میں سے ہے۔ جب بال یا ناخن آپؐ کا جدا ہوتا تو لوگ اسے تبرک بنا لیتے۔ آپ کی بہت سی خصوصیتیں ہیں۔ زیادہ تر ان میں نکاح کے احکام کے متعلق ہیں۔ علماء نے سارے خصائص کی چار قسمیں کی ہیں۔ جو

شرح اور تفصیل کی محتاج ہیں۔ بعضے ان میں سے واجب ہیں۔ جیسے چاشت اور تہجد کی نماز وغیرہ ۔ بعضے مباح ہیں' جیسے بے افطار مسلسل روزے رکھنا اور بغیر احرام کے کعبہ میں داخل ہونا۔ اور چار عورتوں سے زیادہ نکاح کرنا اور یہ کہ اگر کسی عورت سے نکاح کی رغبت فرماتے تو اس پر قبول کرنا واجب ہو جاتا۔ اور کسی دوسرے کے لئے وہ عورت حرام ہو جاتی۔ اگر کوئی شوہر والی عورت ہوتی تو اس کے شوہر پر طلاق دینا واجب ہو جاتا۔ وغیرہ اور بعضے محرمات سے ہیں یعنی وہ چیزیں جن سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو روک دیا ہے۔ مثلاً شعر گوئی اور اس عورت کو زوجیت میں رکھنا جو پیغمبر علیہ السلام کی زوجیت میں رہنا ناپسند کرتی ہو۔ اور اسی طرح کی دوسری چیزیں اور بعضے ان میں فضیلت و بزرگی میں ہیں۔ جیسا کہ شریعت کا قیامت تک باقی رکھنا۔ اور ازواج مطہرات کا دوسرے مردوں پر حرام ہو جانا۔ اور نماز میں اگر آپ کسی کو آواز دیتے تو اس پر جواب دینا واجب تھا۔ اور اس سے اس کی نماز نہیں ٹوٹتی۔ آپ پیچھے بھی ویسے ہی دیکھتے تھے جس طرح آگے۔ کسی کو آپ کا نام لے کر مخاطب کرنا جائز نہ تھا۔ "یا نبی اللہ 'یا رسول اللہ" کہنے کا حکم تھا۔

پیغمبر ﷺ کے بہت سے نام ہیں۔ بعض صوفیوں نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہزار نام ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے بھی ہزار نام ہیں۔ اور آخر کے بعض محدثوں نے ننانوے نام جمع کئے ہیں۔ ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ نے چونسٹھ ۶۴ نام بیان کئے ہیں۔ جیسا کہ صحیح احادیث میں آیا کہ پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ میرے بہت سے نام ہیں۔ میں محمد اور احمد ہوں اور ماحی کیونکہ خدا نے مجھ کو مٹانے کا سبب بنایا ہے۔ اور حاشر کیونکہ قیامت میں لوگوں کا جمع ہونا آپ کے بعد ہوگا۔ اور عاقب کیونکہ آپ کے بعد کوئی پیغمبر نہ ہوگا اور مقفی (صیغہ اسم فاعل ہے ف کے زیر کے ساتھ باب تفعیل سے) کیونکہ آپ نبیوں کے آخر میں ہیں اور ان کے خاتم ہیں۔ اور نبی التوبہ' نبی الرحمتہ اور نبی الملحمہ (ایک روایت میں نبی ملاحم یعنی نبی حرب ہے)

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا "میرا نام قرآن میں محمد' انجیل میں احمد اور توریت میں احید رکھا گیا ہے۔ یعنی میرا نام احید اس لئے رکھا

گیا ہے کہ میں اپنی امت کو دوزخ کی آگ سے بچاؤں گا۔ اور ان پر نگاہ رکھوں گا۔ اور علما نے آپؐ کے بعض نام اس لئے زیادہ کہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن کریم میں رسول، نبی، امی، مبشر، بشیر، نذیر، سراج، منیر، رؤف، رحیم، شاہد، امین، داعی، ہادی، طٰہٰ، یٰسین، مزمل، مدثر، مذکر اور خاتم کہا ہے۔ اور رحمۃ للعالمین، عبداللہ، عبد، نعمت اور رحمت فرمایا ہے۔ اس کے علاوہ آپ کے اور بھی بہت سے نام ہیں۔ جیسے مصطفیٰ، متوکل اور امین۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور کنیت ابوالقاسم ہے۔ لیکن حضرت جبریلؑ نے آپ کی کنیت ابوابراہیم فرمائی ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا "میرے نام پر دوسروں کے نام رکھو۔ لیکن میری کنیت سے کسی کو نہ پکارو" بعض علما کہتے ہیں کہ اس حدیث میں یہ "نہی" آپ کے نام اور کنیت کے جمع کرنے میں ہے۔ یعنی جس کا نام محمد ہو اس کی کنیت ابو القاسم رکھو۔ دوسرے کی نہیں۔ لیکن بعض علما کا خیال ہے کہ یہ انہی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدت حیات میں سمجھنا چاہئے۔ ورنہ متقدمین اور متاخرین میں محمد نام کے ساتھ ابوالقاسم کنیت سننے میں آئی ہے، اس کا کوئی جواز نہ ہوتا۔ اور اس حدیث کے ورود کے متعلق کہتے ہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے ہمراہ راستے میں جا رہے تھے۔ پیچھے سے ایک منافق نے آواز دی "یا ابوالقاسم!" پیغمبر علیہ السلام اس کی طرف متوجہ ہوئے تو اس نے کہا "میں آپ کو نہیں بلاتا دوسرے کو بلاتا ہوں۔" اس کا مقصد آپؐ کو تکلیف پہنچانا تھا۔ اس وقت حضورؐ نے یہ حدیث فرمائی اور منع کر دیا۔ منافقین اس طرح کا ظلم اور دشمنی بہت کیا کرتے تھے کہ جن کا ذکر تک کرنا نازیبا ہے۔ جیسے ابولہب کی بیوی آپؐ کو "مذمم" کہتی تھی۔ اور قریش محمدؐ کی بجائے اس نام (مذمم) سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کرتے اور دشنام دیتے تھے۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "کیا تمہیں اس بات پر تعجب نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح قریش کی لعنت اور دشنام کو مجھ سے دور کر دیا۔ یہ لوگ برا کہتے ہیں تو مذمم کو اور لعنت کرتے ہیں تو مذمم

پر اور میں تو محمد ہوں" خاص کر جب ابو طالب کا انتقال ہو گیا اور حضرت خدیجہؓ نے وفات پائی تو قریش زیادہ ظلم اور سختی کرنے لگے۔ یہاں تک کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم ہوا اور سفین میں جن کا آنا اور جنات کا ایمان لانا، معراج، پنجگانہ نماز کا فرض ہونا وغیرہ کہ ایک ایک قصہ تفصیل و تشریح کا محتاج ہے۔ سب مکہ معظمہ میں واقع ہوا۔ پھر جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ۵۳ سال کی عمر مبارک کو پہنچے تو وحی کے ذریعے مکہ سے ہجرت کرنے کا حکم ہوا۔ دو آدمی آپؐ کے ساتھ تھے۔ ایک ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دوسرے عام بن فہیرہ جو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غلام تھے۔ (فہیرہ، فاکو پیش اور ہا کو زبر) اور ان کا راہبر عبداللہ از یقط کافر تھا۔ جس کے اسلام لانے کی کوئی خبر نہیں ملی۔ (ار یقط۔ الف کو پیش" رے کو زبر، ی ساکن اور قاف کے نیچے زیر) ہجرت کا سبب اور اس کا قصہ مشہور ہے۔ دوشنبہ کے دن بارھویں ربیع الاول جو عبدالمطلب کی والدہ کے بھائیوں کی ملکیت میں تھا نزول اجلال فرمایا۔ اس وقت مدینے کی مخلوق مرد، عورتیں، غلام اور بچے خوش ہو کر ایک دوسرے کو خوش خبری سنا رہے تھے کہ محمدؐ آگئے۔ اللہ کے رسول آگئے۔ اور گلی کوچوں اور بالا خانوں پر آکر یہ شعر پڑھتے تھے۔

طلوع چاند ہو گیا وادی وداع سے
خدا کا شکر چاہئے مراد پوری ہو گئی

"تہذیب نوامری" میں مذکور ہے کہ اسلامی تاریخ کی ابتداء ہجرت سے ہوئی ہے۔ اس پر سب کا اتفاق ہے۔ کوئی اس کے خلاف نہیں۔ یہ ہجری تاریخ سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس طرح لکھی۔ ۱۷ ہجری۔ اور ہجرت کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دس سال مدینہ شریف میں بقید حیات رہے۔ اور ہر سال آپ کا خاص خاص باتوں کے لئے مشہور ہے۔ جو آپ کی رحلت تک واقع ہوئیں۔ پہلے سال آپؐ نے مسجد اور اپنے حجرے کی تعمیر کی۔ مہاجرین اور انصار کے درمیان رشتہ اخوت قائم کیا۔ عبداللہ بن سلام ایمان لائے۔ نماز کے لئے اذان کا حکم دیا گیا۔ دوسرے سال یعنی ہجرت کے سولہ مہینے بعد ماہ شعبان میں قبلہ تبدیل ہوا۔ رمضان شریف کا

روزہ اور صدقۂ فطر فرض کیا گیا۔ اسی رمضان اور شوال میں جنگ بدر ہوئی۔ حضرت عائشہؓ سے نکاح اور بی بی فاطمہ کا نکاح بھی اسی سال ہوا۔ تیسرے سال غزوات اور سرایات بہت ہوئے۔ جیسے جنگ احد جو ساتویں شوال سنیچر کے دن ہوئی۔ اس کے بعد دوسری جنگ بدر جس کو غزوہ بدر صغریٰ کہتے ہیں جو ماہ ذی قعدہ کی نوچندی کو ہوئی۔ اور جنگ نضیر' شراب کی حرمت اور حضرت حفصہ و زینب سے نکاح اور حضرت عثمانؓ سے ام کلثوم کا نکاح اور امام حسنؓ کی پیدائش بھی اسی سال ہوئی۔ بعض تاریخ میں بدر صغریٰ کے بارے میں لکھا ہے کہ چوتھے سال کی نوچندی میں ہوئی۔ چوتھے سال میں حضرت ام سلمہ سے نکاح' نماز کا قصر کرنا' تیمم کی آیت کا نزول اور جنگ خندق ہوئی۔ پانچویں سال دومۃ الجندل اور پردے کی آیت نازل ہوئی۔ چھٹے سال جنگ حدیبیہ اور بیعت رضوان اور بنی مصطلق کی لڑائی' سورج گرہن اور ظہار کی آیت کا نزول ہوا۔ ساتویں سال جنگ خیبر واقع ہوئی اور ام حبیبہؓ' میمونہؓ اور صفیہ سے نکاح' ماریہ قبطیہؓ اور دلدل کا آنا' اور حضرت جعفرؓ اور ان کے ساتھیوں کا حبشہ سے آنا' ابوہریرہؓ کا ایمان لانا عمل میں آیا۔ آٹھویں سال جنگ موتہ اور ذات السلاسل اور فتح مکہ' حضرت ابراہیم کی پیدائش' زینبؓ بنت رسولؐ کی وفات اور جنگ حنین اور طائف ہوئی۔ اسی سال اشیاء کی قیمتوں میں یہاں تک گرانی ہو گئی کہ لوگوں نے قیمتوں کے تقرر کا مطالبہ کیا۔ نویں سال میں جنگ تبوک' حج ابوبکرؓ' ام کلثوم اور نجاشی کی وفات ہوئی۔ اس سال وفد بہت آئے۔ (باہر سے کسی آنے والی جماعت کو وفد کہتے ہیں) دسویں سال پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجۃ الوداع کے لئے تشریف لے گئے۔ حضرت ابراہیم کی وفات جریرؓ کا اسلام' سورہ نصر کا نزول اسی سال ہوا۔

۱۔ وہ سفید رنگ مائل بہ سیاہی گھوڑی جو حاکم اسکندریہ نے آپؐ کی خدمت میں بھیجی تھی۔ جسے آپؐ نے حضرت علیؓ کو دے دیا تھا۔

جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجۃ الوداع سے لوٹے تو ایک دن بر سر منبر فرمایا "یقیناً اللہ تعالیٰ نے ایک بندے کو اختیار دیا ہے کہ وہ چاہے دنیا کی زینت اور مال طلب کرے تو اس کو دیا جائے گا۔ خواہ وہ چیز طلب کرے جو بندگی کے مراتب میں اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ پس اس بندے نے اس چیز کو طلب کیا جو خدا کے پاس ہے۔" ابوبکر رضی اللہ عنہ یہ سن کر رونے لگے اور کہا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری مائیں اور ہمارے باپ آپ پر قربان ہو جائیں" (یعنی سب مر جائیں اور آپ زندہ و سلامت رہیں) اس حدیث کے راوی ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ ہم سب متحیر ہو گئے۔ لوگ کہنے لگے "یہ بوڑھا بھی عجیب مرد ہے کہ پیغمبر علیہ السلام تو ایک بندے کی خبر دے رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو دنیا اور عقبیٰ میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کا مجاز فرمایا ہے۔ اور یہ کہتا ہے کہ ہمارے ماں باپ آپؐ پر فدا ہو جائیں"۔ چند روز کے بعد ہم نے جانا کہ وہ اجازت یافتہ بندہ پیغمبر علیہ السلام ہی تھے۔ اور ہم میں ابوبکرؓ سب سے زیادہ سمجھدار تھے۔ اس کے بعد ۲۷ صفر بدھ کے دن آپؐ حضرت میمونہ کے گھر میں تھے کہ مرض کی ابتداء ہوئی۔ جمعرات کے دن پیشانی مبارک پر پٹی باندھے گھر سے باہر تشریف لائے اور منبر پر چڑھنا چاہا' مگر نچلی سیڑھی پر بیٹھ گئے۔ آپؐ کا چہرہ مبارک کسی قدر زرد تھا۔ حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ لوگوں کو پکار دو۔ تاکہ سب لوگ یہاں آکر جمع ہو جائیں۔ خدا کے رسول کی آخری وصیت سننے کے لئے۔ بلال رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو آواز دی۔ فوراً چھوٹے بڑے سب جمع ہو گئے۔ ان کے گھروں کے دروازے کھلے ہوئے اور بازار اسی طرح کھلا ہوا اور سامان اور زیورات اسی طرح بکھرے ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کو سننے کے لئے کنواری لڑکیاں تک گھروں سے باہر نکل آئی تھیں۔ ساری مسجد اندر اور باہر لوگوں سے بھر گئی۔ اس وقت پیغمبر علیہ السلام کھڑے ہو گئے۔ خدا کی حمد و ثنا بیان کی۔ اور ایک نہایت ہی بلیغ خطبہ دیا۔ لوگوں کو موت سے آگاہ کیا۔ گزشتہ انبیاء علیہم السلام کی موت کو یاد دلایا۔ اور اپنی رحلت کی خبر دی۔ اور وصیت میں مہاجروں کی عزت و احترام کی تاکید فرمائی۔

بعض روایت میں آیا ہے کہ آپؐ نے ان کلمات سے وصیت کی ابتداء فرمائی کہ

"اے بنی آدم تم جس طرح چاہو زندگی گزارو لیکن آخر مرنا ہے۔ جیسا چاہو سازوسامان جمع کرو۔ آخر اسے چھوڑ جانا ہے۔ اور جس سے چاہو محبت کرو آخر اس سے جدا ہونا ہے۔" پھر آپ منبر سے اتر کر اپنی قیام گاہ پر تشریف لے گئے تو مرض بڑھنے لگا۔ اس کے بعد آپ خطبہ کے لئے باہر تشریف نہیں لائے۔ آپ چودہ دن تک بیمار رہے۔ اور تریسٹھ (۶۳) سال کی عمر میں ۱۲ ربیع الاول پیر کے دن چاشت کے وقت عالم دنیا سے عالم آخرت کی طرف، کہ وہی مبدا ہے اور وہی معاد، سفر اختیار کیا۔ یہ ہجرت کا گیارہواں سال تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "پس تحقیق کہ اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت مجھ پر یہ ہے کہ پیغمبر ﷺ نے میرے گھر میں، میری باری میں اور میرے سحر و نحر کے درمیان یعنی سینے پر وفات پائی۔ اور اللہ تعالیٰ نے میرے لعاب دہن کو آپ کے لعاب دہن سے ملا دیا۔ آپ علیہ السلام کی رحلت کے وقت اور وہ اس طرح کہ میں رسول اللہ ﷺ کو سہارا دیئے ہوئے تھی۔ (میرے بھائی) عبدالرحمٰن بن ابوبکر اندر آئے ان کے ہاتھ میں مسواک تھی۔ میں نے دیکھا کہ رسول ﷺ اسے دیکھ رہے ہیں۔ میں سمجھ گئی کہ آپ مسواک کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں ان سے آپ کے لئے مسواک لے لوں؟ فرمایا ہاں۔ پھر میں نے وہ مسواک لے لی۔ اور اپنے منہ میں رکھ کر خوب چبائی۔ جب نرم ہو گئی تو میں نے آپ کو دے دی۔ رسول اللہ ﷺ مسواک کرنے لگے۔ اس وقت آپ کے سامنے پانی کا برتن تھا۔ آپ دونوں ہاتھ اس میں ڈالتے اور اپنے چہرہ مبارک پر ملتے تھے۔ اور فرماتے تھے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ یقیناً موت میں بڑی سخت تکلیف ہوتی ہے۔ پھر آپ نے ہاتھ اٹھا کر فرمایا "وہی سب سے بڑا اور اعلیٰ ساتھی ہے" اس کے بعد آپ کی روح پرواز کر گئی۔ اور آپ کے مبارک ہاتھ نیچے آ گئے۔ آپ پر سلامتی ہو۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی تو فرشتوں نے آپ کو چادر اوڑھا دی۔ بعض صحابہ تو ایسے دہل گئے کہ انہوں نے آپ کی موت ہی سے انکار کر دیا۔ بعضوں کی زبانیں بند ہو گئیں چنانچہ دوسرے دن انہوں نے زبانیں کھولیں۔ اسی

طرح ہر ایک پر مختلف اثرات وارد ہوئے۔ لیکن ابوبکرؓ اور عباسؓ اپنے حال پر قائم رہے۔ البتہ فاطمہ رضی اللہ عنہا یہ فرما رہی تھیں۔

ہائے بابا! رب کی مرضی پر ہوئے ہم سے جدا
ہائے بابا! یہ مشیت تھی جو آئی روبرو
آپ کا مسکن ہے بابا جنت الفردوس میں
ہائے جبرئیل اس کو آپ کی تھی آرزو

اور یہ اشعار پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے مرثیے میں فرمائے۔

جس نے سونگھی تربت احمد کی خوشبو ہائے ہائے
اب نہ سونگھے گا کوئی خوشبو ہے جب تک دم میں دم
کیا کہوں مجھ پر جو ٹوٹا ہے مصیبت کا پہاڑ
رات ہو جاتا، اگر دن پر پڑا ہوتا یہ غم

اس کے بعد آپؐ کے غسل کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ حجرے کے دروازے سے کسی نے کہا "غسل نہ دو وہ تو خود ہی پاک و صاف ہیں" اسی وقت ایک اور آواز سنی گئی "آپؐ کو ضرور غسل دو۔ وہ کہنے والا تو ابلیس تھا اور میں خضر ہوں" اس کے بعد خضر علیہ السلام نے صحابہ اور اہل بیت کی تعزیت و تسلی کے لئے چند کلمات کہے۔ پھر یہ اختلاف پیدا ہوا کہ لباس آپؐ کے جسم اطہر سے اتارا جائے یا لباس ہی میں غسل دیا جائے۔ تو پھر ایک آواز سنی "کہ آپ کے لباس ہی میں آپ کو غسل دو" تب رسول اللہ ﷺ کو لباس ہی میں غسل دیا گیا۔ اور کسی عضو کو پلٹنا نہیں چاہتے تھے۔ مگر وہ خودبخود پلٹ جاتا تھا۔ اس وقت لوگوں نے پھر ایک آواز سنی کہ رسول اللہ ﷺ کو غسل دینے میں نرمی اور آسانی سے کام لو۔ کیونکہ تمہارے لئے بھی یہ دن آنا ہے۔ اور علی و عباس و فضل و قثم (صاحبزادگان عباس) اور غلاموں میں اسامہ اور شقران رضی اللہ عنہم نے آپؐ کو غسل دیا۔ اور اویس انصاریؓ بھی ان کے ساتھ تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کے جسم اطہر سے پانی پونچھتے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ "آپؐ پر درود ہو آپؐ نے زندگی اور موت میں خوشبو پھیلائی"۔ پھر آپؐ کو تین بغیر سلے ہوئے کپڑوں میں کفنایا۔ اور تابوت میں رکھ دیا۔

آپؐ کی نماز جنازہ الگ الگ پڑھی گئی تاکہ ہر فرد آپ کی نماز جنازہ خود پڑھے۔ ایک دوسرے کی اتباع نہ کرے۔ اور نماز کا وقت طویل ہو جائے تاکہ اطراف مدینہ کے لوگ بھی اس دولت سے شرف یاب ہوں۔ پھر آپؐ کے دفن میں اختلاف ہوا۔ تو ابوبکرؓ نے فرمایا کہ "میں نے پیغمبر ﷺ سے سنا ہے کہ انبیا علیہم السلام کو وہیں دفن کرتے ہیں جہاں وہ وفات پاتے ہیں"۔ اس لئے حضرت عائشہؓ کے حجرے میں دفن کیا۔ اور وہی لوگ جنہوں نے غسل دیا تھا قبر مبارک میں اترے۔ جب آپ ﷺ کو دفن کر چکے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جو انتہائی درد و مصیبت اور کرب میں مبتلا تھیں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرمایا "اے انس کیا تم کو اچھا لگتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر مٹی ڈالتے ہو؟" حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "اس دن سے زیادہ اچھا اور روشن دن اور کوئی نہیں دیکھا جس دن پیغمبر ﷺ مدینے میں تشریف لائے تھے۔ اس دن ہر چیز (آپ کے انوار سے) روشن ہو گئی تھی۔ اور کوئی دن اس دن سے زیادہ غم ناک اور تاریک نہیں دیکھا جس روز پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی کہ (دنیا کی) ہر چیز تاریک ہو گئی تھی۔ اور ہم جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن میں مشغول ہوئے اور ابھی ہم نے اپنے خاک آلود ہاتھ جھاڑے بھی نہیں تھے کہ ہمارے دلوں کی حالت بدل گئی وہ صفائی اور رقت جو پہلے تھی باقی نہ رہی۔ ہم اللہ کے لئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ جانے والے ہیں

۔

اے حسن تو نہاں لحد خاک ہی میں ہے
خوشبو تری بسی ہوئی پھول اور کلی میں ہے
قربان ایسی قبر کے، ساکن ہے جس میں تو
جنت اسی میں، جود و کرم بھی اسی میں ہے

کہتے ہیں کہ ایک اعرابی نے آپؐ کی تربت پر کھڑے ہو کر یہ دو شعر پڑھے غیب سے آواز آئی اے اعرابی یقین جان ہم نے تجھ کو ان بیتوں کے عوض بخش دیا۔

عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں دو قبروں کی اور جگہ تھی۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عائشہ رضی اللہ عنہا نے ابوبکرؓ کو ایک جگہ دے دی کہ وہ مصطفیٰ صلی

اللہ علیہ وسلم کے قریب دفن ہوں اور ایک قبر کی جگہ اپنے لئے رکھی۔ جب عمر رضی اللہ عنہ کو سفر آخرت پیش آیا تو عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا اور چند کلمات خاندان نبوت کی تعریف اور ان کے ایثار و کرم و احسان کے متعلق فرمایا۔ اور کہلا بھیجا کہ "وہ ایک جگہ قبر کی جو آپ نے اپنے لئے رکھی ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے صدقے میں مجھے بخش دیجئے اور ایثار کیجئے" حضرت عثمانؓ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور حضرت عمرؓ نے جس طرح کہا تھا ویسا ہی پیغام پہنچا دیا۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا اگرچہ وہ جگہ مجھ کو ساری دنیا سے زیادہ عزیز ہے لیکن چونکہ آپ نے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو شفیع کیا اس لئے میں نے عمرؓ کو بخش دیا۔ حضرت عمرؓ بے چینی سے انتظار کر رہے تھے کہ حضرت عثمانؓ نے آکر حضرت عائشہؓ کا جواب حضرت عمرؓ کو پہنچایا اور کہا کہ عائشہ نے ایثار کر کے وہ جگہ آپ کو دے دی۔ حضرت عمرؓ نے کہا اے عثمان مجھے یقین نہیں آتا کہ عائشہؓ ایسا کریں گی۔ آپ پھر جائیں اور تحقیق کریں۔ حضرت عثمانؓ نے ہرچند ان سے کہا مگر وہ یہی کہتے رہے کہ پھر جاؤ۔ حضرت عثمانؓ دوبارہ حضرت عائشہؓ کے پاس آئے اور کہا "اے عائشہ عمر اس جگہ کی بزرگی اور انتہائی عظمت کی کی بنا پر یقین نہیں کرتے کہ آپ ان کو ▪ جگہ دے دیں گی اور مجھ کو دوبارہ بھیجا ہے۔" حضرت عائشہؓ نے فرمایا ہم ایثار و کرم کے خاندان ہیں جو چیز ایک مرتبہ دے دی' دے دی۔ جایئے عمر کو بشارت دے دیجئے۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت عمرؓ کو یہ بشارت پہنچائی۔ تو انہوں نے خدا کا شکر ادا کیا اور رسولؐ اور خاندان رسولؐ کی بہت تعریف کی۔ جب انہوں نے وفات پائی تو ان کو اسی جگہ دفن کیا گیا۔

ابتداء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقبرہ پر قبہ اور احاطہ نہ تھا۔ لوگ زیارت کرنے کے لئے آتے تو روتے روتے قبر کے نزدیک لوٹنے لگتے اور قبر مبارک سے بدن کو ملتے اور اسی طرح کی بے ادبیاں کرتے تھے۔ مدینہ کے بعض بزرگوں نے اس جرات و بے ادبی کو روکنے کے لئے اتنا اونچا احاطہ بنا دیا کہ باہر سے کھڑے ہو کر مزار مبارک کی زیارت کر سکتے تھے۔ پھر بعض نادان گستاخی سے دیوار پر چڑھ کر اندر کود جاتے اور ایسی ہی جراتیں کیا کرتے تھے۔ تب ہارون رشید کی بیگم زبیدہ بانو نے

اس پر ایک قبہ بنوا دیا اور اوپر سے اس قبہ کو کھلا رکھا۔ ایک بار خلیفہ روضہ اطہر کی زیارت کے لئے آیا اور کہا کہ میں قبہ کے اندر جاؤں گا اور تربت مبارک کے دیکھنے کی سعادت حاصل کروں گا۔ لوگوں نے بہت کچھ منع کیا۔ لیکن وہ نہ مانا اور کسی نہ کسی ترکیب سے قبہ کے اوپر چڑھ کر نیچے اتر آیا۔ لیکن تربت مبارک کے انوار فراوانی سے اس کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ جب زیارت کے بعد باہر آیا تو قبہ کے اوپر کے کھلے ہوئے حصہ کو بھی بند کرا دیا۔

خلیفہ منصور کے زمانے تک قبہ مبارک یوں ہی رہا۔ لیکن یہ روضہ منور جس صورت میں آج ہے' اس کی تعمیر کا قصہ یہ ہے کہ خلیفہ منصور نے مصر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرماتے ہیں "اے منصور' چار آدمی آتش پرست زاہدوں کے لباس میں میرے روضہ کی مجاوری کر رہے ہیں۔ انہوں نے میرے قالب کو نکالنے کے لئے سرنگ لگائی ہے۔ نزدیک ہے کہ وہ میرے قالب تک پہنچ جائیں۔ جس قدر جلد پہنچ سکتے ہو پہنچو اور ان کو گرفتار کرو۔" منصور فوراً باہر آیا اور اپنے وزیروں اور امیروں سے کہا "مجھے ایک ضروری کام پیش آیا ہے۔ میں اسی وقت مدینے جا رہا ہوں جو میرے ساتھ آنا چاہتا ہے آئے۔" اور سرعت کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ مصر سے مدینہ تک چالیس رات دن کی راہ تھی جسے سات دن میں وہ طے کر کے مدینہ پہنچ گیا۔ پہلے تو اس نے زیارت کی پھر مدینہ کے علماء اور شرفا کو بلا کر کہا "میں نے نذر مانی تھی وہ لے کر آیا ہوں ۔ روضہ مبارک کے تمام مجاوروں کو بلاؤ میں ان میں تقسیم کروں گا" سب مجاور جمع ہوئے تو اس نے کہا کہ "اب کوئی باقی تو نہیں ہے؟" لوگوں نے جواب دیا "اور تو کوئی نہیں ہے مگر چار زاہدین جو لوگوں سے کم ملتے جلتے ہیں۔ دن بھر کھجور کے باغ میں عبادت کرتے ہیں اور رات اس رباط میں گزارتے ہیں۔" اس نے حکم دیا کہ ان کو بھی بلاؤ۔ ایسے لوگوں سے ملاقات تو ضرور کرنی چاہئے۔ لوگ عزت و احترام کے ساتھ انہیں لے آئے۔ خلیفہ نے کہا کہ ان کی عبادت گاہ کی زیارت بھی ضرور کرنی چاہئے۔ جب وہ وہاں گیا اور حجرہ کا دروازہ کھولا تو دیکھا کہ سرنگ لگائی گئی ہے اور مٹی اور پتھروں کا ڈھیر لگا ہوا ہے۔ لوگوں نے اس سرنگ میں جا کر دیکھا تو تربت مبارک تک پہنچنے میں

ایک یا دو گز کا فاصلہ باقی رہ گیا تھا۔ ان منافقوں کو پکڑ کر تلاشی لی تو وہ اندر زنار باندھے ہوئے تھے۔ خلیفہ نے اپنا خواب بیان کیا۔ جب لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ دیکھا تو ان آتش پرستوں کو قتل کر کے ان کے جسموں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

خلیفہ نے کچھ روز وہیں قیام کر کے اس سرنگ کو اژدھات سے بند کرا دیا۔ اور قبہ مبارک کی از سرنو تعمیر کی۔ آج وہی دو قبریں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی قبے کے اندر ہیں۔ اور قبہ کے باہر ان کی قبروں کے برابر زیارت کے لئے نشان لگا دیا ہے اور لکھ دیا ہے کہ یہ قبر رسول اللہ ﷺ کی ہے۔ اور یہ قبر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اور یہ قبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہے۔

نقل ہے کہ خواجہ جمال موصلیؒ نے سالہا سال روضہ مبارک کی مجاوری کی اور جان و مال لٹایا ہے۔ انہوں نے روضہ مطہرہ کے مجاوروں کو رضامند کر لیا تھا کہ اگر مجھے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پائیں میں دفن کریں تو میری بڑی خوش نصیبی ہوگی۔ اور ساتھ ہی یہ وصیت بھی کی تھی کہ اگر مجھے یہ شرف نصیب ہو تو میری قبر پر لکھ دیا جائے کہ "چوتھا ان کا کتا ہے جو دونوں ہاتھ آستاں باشی کے لئے پھیلائے ہوئے ہے۔"

اے اللہ جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ اور جملہ انبیاء و اولیاء کے وسیلے سے رسول اللہ ﷺ کے قبہ مبارک کی زیارت سے سرفراز فرما اور روضہ مبارک کے قریب کی مٹی نصیب کر۔ سب رحیموں سے زیادہ رحم کرنے والے اور اے کل جہانوں کے مالک مجھے آج کے دن اس سعادت سے محروم نہ کر۔ اور کل ان کے غلاموں کے ساتھ حشر فرما۔ اور اس گلی کے کتوں کے صدقے میں مجھے بخش دے۔ ان کی آل، ازواج اور اولاد و اصحاب، ان کے تمام رشتہ دار اور بزرگان خاندان اور تمام رسولوں اور نبیوں اور ان کی طیب و طاہر اولاد سب پر درود و سلام۔

سید محمد نعیم ندوی

۱۰ جون ۱۹۷۵ء

لطیف آباد حیدرآباد۔ پاکستان

ذکر امیر المومنین سیدنا علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ

وہ نبوی حجت کی دلیل' ملت مصطفوی کے سلطان' اولیا کے قبلہ' اہل ایمان کے امام' صوفیوں کے پیشوا' کرم و احسان کے آفتاب' ذوالفقار اور رسولؐ کے علم کے مالک' وہ برگزیدہ اور تمام مومنوں کے ولی۔ جن کے بارے میں رسول اللہؐ نے فرمایا کہ میں جن کا مولیٰ ہوں علی ان کے مولیٰ ہیں۔ ایسے مقتدا جن کا دربار کل اہل طریقت کا دروازہ ہے۔ وہ پاکیزگی اور وفا کے معدن' وہ مرتضٰی برادر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم' وہ اللہ غالب کے شیر علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ اصحاب میں جلیل القدر' حقیقی چچازاد بھائی اور داماد رسولؐ تھے۔ اصحاب صفہ میں سے ایک' عشرہ مبشرہ میں سے ایک اور چھ اصحاب شوریٰ میں سے ایک تھے۔ جب پیغمبر علیہ السلام نے رحلت فرمائی تو وہ آپ سے خوش تھے۔ آپ خلفائے راشدین اور علمائے ربانیین میں بھی فرد تھے مسیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کسی صحابی نے سلونی نہ کہا مگر علی نے اور ابن عباسؓ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "علی نے علم کے نو حصے پائے۔ اور ایک حصہ علم دوسروں کو ملا۔ اور خدا کی قسم اس ایک حصہ میں بھی علی شریک ہیں۔ اور کہا جب ہم کو علیؓ سے کسی بات کی تحقیق ہو جاتی تو پھر ہم دوسروں سے نہیں پوچھتے" اور ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ ہم سب کا اس بات میں اتفاق تھا کہ اہل مدینہ میں علیؓ سب سے بہتر قاضی ہیں۔ اور اصحاب کبار علمی مسائل ان سے دریافت کرتے اور واقعات میں سب ان کے فتوے کی طرف رجوع کرتے تھے۔ ان کے اقوال اکثر ملکوں میں مشکل مسائل کے حل کے سلسلے میں مشہور ہیں۔ اور یہ جملہ کہ "قضیہ ابا حسن کی مثال نہیں ہے" آپ کی شان میں مشہور ہے۔ وہ زہد کے بلند مقام پر ہیں۔ سفیان عیینہؒ نے فرمایا کہ وہ اینٹ پر اینٹ اور لکڑی پر لکڑی نہ رکھتے تھے۔ کہتے ہیں کہ آپ کے پاس ایک موٹی شلوار تھی جو پانچ درہم میں خریدی تھی وہی پہنتے تھے۔ امام حنبلؒ کی مسند میں منقول ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں بھوک سے پیٹ پر پتھر باندھتا ہوں جبکہ آج میرا صدقہ چار ہزار دینار تک پہنچا ہے۔ ایک روایت میں چالیس ہزار ہے۔ علماء کہتے ہیں کہ اس صدقہ سے زکوٰۃ کا مال مراد نہیں ہے کیونکہ انہوں نے

اپنی زندگی میں اتنا ذخیرہ کبھی نہیں کیا۔ جس کی اتنی زکوٰۃ ہوتی ہو۔ بلکہ اس صدقہ سے وہ وقف زمینیں مراد ہیں جن کو آپ نے۔ صدقہ جاریہ کے طور پر دے دیا تھا۔ ان زمینوں سے جو غلہ حاصل ہوتا تھا ▪ اتنی قیمت کا ہو جاتا تھا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہ طریقت میں تمام سالکوں کے پیشوا ہیں اور جملہ مشائخ آپ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور توجہ رکھتے ہیں ۔ کئی تو کہتے ہیں کہ اصول اور بلا میں علی مرتضیٰؓ ہمارے پیر ہیں۔ یعنی علم اور معاملات میں علیؓ اس راستے کے امام اور سردار ہیں۔ اہل طریقت اس راستے کے علم کو بعض اصول اور معاملات کو مصیبت اٹھانا کہتے ہیں۔ اور چند یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر علی مرتضیٰؓ نے یہ ایک بات نہ کہی ہوتی تو اہل طریقت کیا کرتے۔ اور وہ یہ ہے کہ جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے خدا کو کیسے پہچانا تو فرمایا "اس طرح کہ خود اس نے ہم کو پہنچوا دیا کہ ▪ خدا ہے جس کی کوئی شبیہ نہیں۔ کسی طرح بھی اس کو پا نہیں سکتے۔ کسی جنس سے اس کو قیاس نہیں کر سکتے۔ وہ اپنی دوری میں ہر مخلوق سے نزدیک ہے۔ اور اپنی نزدیکی میں اس سے دور ہے۔ وہ ہر چیز کے اوپر ہے اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس کے نیچے کوئی چیز ہے۔ وہ کسی چیز کی طرح نہیں ہے' وہ کسی چیز سے نہیں ہے' وہ کسی چیز میں نہیں ہے' وہ کسی چیز کے ساتھ نہیں ہے' وہ خدا "ایسا ہے اور ایسا نہیں ہے" کے تصور سے پاک ہے۔ اس کے سوا کوئی چیز نہیں ہے"۔ اگر اس کی شرح کی جائے تو طویل ہو جائے گی۔

نقل ہے کہ کسی نے آپ کے پاس آکر کہا "یا امیرالمومنین مجھے وصیت کیجئے" تو فرمایا "خبردار! زن و فرزند کے ساتھ مشغولیت کو اپنا بہترین شغل نہ بناؤ۔ اس لئے کہ تمہارے بیوی بچے اگر خدا کے دوست ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو ضائع نہیں فرماتا۔ اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں تو خدا کے دشمنوں کا غم کیوں کھاتے ہو۔" (یعنی خدا پر بھروسہ رکھو۔ بیوی بچوں کو خدا کی مرضی کے تابع رکھو۔ اور خود اس کے کام میں لگے رہو)۔

نقل ہے کہ ان سے پوچھا کہ روزی کمانے کا پاکیزہ ترین طریقہ کیا ہے؟ تو فرمایا "اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے دل کو غنی رکھنا" یعنی جو دل انوار خداوندی سے مالا مال ہو

دنیا کی نیستی اس کو فقیر نہیں کرتی۔ اور نہ دنیا کی ہستی اسے خوش کر سکتی ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے کلمات' بیان کی حقیقت اور اشاروں کی باریکی مشہور ہے۔ جیساکہ ان کے بعض کلمات کو رشید الدین وطواط نے بہ زبان فارسی دو دو شعروں میں ترجمہ کر کے ایک کتاب لکھی ہے۔ اور آپ رضی اللہ عنہ کے لطیف کلمات اتنے ہیں جن کا کوئی شمار نہیں۔ اور وہ بلند مقامات میں اعلیٰ منزلت اور بزرگ صدارت پر فائز ہیں۔ اور طریقت میں وہ ایک عظیم شان اور عجیب مقام والے ہیں۔ جس کی تفصیل اس مختصر کتاب میں ممکن نہیں ہے۔ وہ قریشی ہاشمی ہیں۔ ان کی کیفیت ابوالحسن ؓ ہے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کنیت ابو تراب رکھی ہے وہ اس بات کو پسند کرتے تھے کہ انہیں اخی رسول اللہ کہہ کر بلایا جائے۔ اخوت اس معنی سے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو بھائی کہا ہے۔ اس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ آپ کو سب سے زیادہ یہی پسند تھا کہ یا اخا رسول اللہ کہہ کر بلایا جائے۔ آپ کے نسب کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ آپ کا نسب وہی ہے جو رسول اللہ کا ہے۔ آپ کے والد کا نام ابو طالب عبد مناف تھا جو عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف کے بیٹے تھے۔ آپ کی والدہ فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف بن ہاشمیہ تھیں۔ اور وہ پیغمبر علیہ السلام کی بعثت کے بعد حیات تھیں۔ ایمان لائی تھیں اور مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ پیغمبر علیہ السلام کے سامنے وفات پائی۔ پیغمبر علیہ السلام نے نماز جنازہ پڑھی۔ اور خود ہی قبر میں اترے تھے۔ یہی پہلی ہاشمیہ تھیں جن سے ایک ہاشمی یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ پیدا ہوئے۔ وہ بچپن میں کافروں کے درمیان رہیں مگر کبھی بتوں کو سجدہ نہیں کیا۔

■ کہتے ہیں کہ آپ کو دعا میں کرم اللہ وجہہ بھی اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ جب چھوٹے تھے تو ابو طالب نے ان کو وصیت کی تھی کہ محمدؐ کی رائے پر رہنا اور ان کے فرمان پر عمل کرنا۔ علیؓ نے ہمیشہ یہی کیا۔ ایک دن وہ رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نماز میں تھے۔ حضرت علیؓ نے پوچھا "آپ یہ کیا کرتے ہیں؟" اس وقت نماز میں بات کرنا مباح تھا۔ پیغمبرؐ نے فرمایا "اس کو نماز کہتے ہیں۔ خدا کی بندگی اسی

طرح کی جاتی ہے۔ تم بھی کرو۔" علیؓ کو باپ کی وصیت یاد آئی۔ پیغمبر علیہ السلام نے ایمان کی تلقین کی۔ علیؓ نے قبول کیا۔ ان کی عمر دس سال کی تھی۔ ایک روایت سے آٹھ سال' ایک روایت سے بارہ اور ایک روایت سے پندرہ سال۔ اور اس میں بھی اختلاف ہے کہ صحابہ میں کون پہلے ایمان لایا۔ بعضے کہتے ہیں حضرت خدیجہ' ایک روایت سے حضرت ابوبکرؓ اور بعضے کہتے ہیں حضرت علیؓ۔ مگر اکثر روایت میں حضرت خدیجہؓ کی سبقت پر اتفاق ہے۔ اختلاف اس کے بعد پیدا ہوتا ہے کہ۔ کچھ عالموں کا کہنا ہے "بہتر یہ ہے کہ ہم یہ کہیں کہ آزاد مردوں میں پہلے حضرت ابوبکرؓ ایمان لائے۔ لڑکوں میں حضرت علیؓ" عورتوں میں حضرت خدیجہؓ آزاد غلاموں میں زید بن حارثؓ اور بندوں میں حضرت بلالؓ۔

جب سے حضرت علیؓ ایمان لائے ہمیشہ پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ رہے۔ اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی تو ان کو اپنی جگہ مکہ میں چھوڑ دیا تاکہ وہ لوگوں کی ودیعتیں ' امانتیں اور وصیتیں جو آپؐ کے پاس تھیں' ان تک پہنچا دیں۔ ان کاموں سے فارغ ہونے کے بعد اپنے لوگوں میں آکر مل جائیں۔ حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا۔ اور مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر مل گئے۔ پیغمبر علیہ السلام نے اپنے ساتھ ان کے قرب قرابت کی شان میں فرمایا "علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں۔ اور جس چیز کی ادائگی کا مجھ سے تعلق ہے اسے میں خود ادا کروں گا یا میری بجائے علی ادا کریں گے" اس حدیث کی شان ورود یہ تھی کہ جس سال پیغمبر علی السلام نے حضرت ابوبکرؓ کو حج کے لئے بھیجا اسی سال مشرکوں سے معاہدہ کرنا پڑا۔ اور سورہ برات کی یہ آیت نازل ہوئی "یقیناً مشرکین ناپاک ہیں اس لئے اس سال کے بعد وہ مسجد حرام کے قریب نہ جائیں" اسی طرح دوسرے احکام مشرکوں کو پہنچانے تھے' تو حضرت علیؓ کو آمادہ کیا اور یہ حدیث فرمائی۔ کیونکہ عرب کی عادت تھی کہ اگر ان کے درمیان کوئی عہد و معاہدہ کرنا ہوتا تو سوائے سردار قوم کے یا اس کے قریبی رشتہ دار کے اور کسی دوسرے سے وہ بات نہ کرتے اور نہ قبول کرتے تھے۔

سعد ابی وقاصؓ سے بھی ایک طویل حدیث مروی ہے۔ جس کے آخر میں کہا گیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی "آؤ ہم اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بلائیں اور تم اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بلاؤ۔" تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علیؓ فاطمہؓ اور حسنؓ و حسینؓ کو بلایا اور کہا کہ اے اللہ یہی میرے اہل ہیں۔

اور زید ارقم رضی اللہ عنہ سے بھی ایک طویل حدیث مروی ہے۔ جس میں کہا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک کنویں پر جس کا نام حرا ہے قیام فرمایا تھا وہاں کھڑے ہو کر خطبہ میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد نصیحت فرمائی۔ اس کے بعد کہا کہ "اچھی طرح جان لو کہ میں تمہاری طرح بشر ہوں۔ نزدیک ہے کہ خدا کا ہرکارہ آئے اور میں اسے تسلیم کر لوں۔ دیکھو! میں تمہارے لئے دو چیزیں چھوڑتا ہوں۔ پہلی اللہ تعالیٰ کی کتاب جس میں ہدایت اور نور ہے اس پر عمل کرو اور اسے پکڑے رہو۔" اس پر بہت رغبت اور لالچ لائی ۔ پھر فرمایا "دوسرے میرے اہل بیت ہیں جنہیں میں تم میں چھوڑتا ہوں" پھر فرمایا "میں اپنے اہل بیت کے حق میں تم کو اللہ تعالیٰ کی یاد دلاتا ہوں کہ ان کو رنج و تکلیف میں نہ رکھنا" اور اس کی تین بار تکرار فرمائی۔ لوگوں نے راوی سے پوچھا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کون لوگ ہیں۔ کیا دیگر ازواج آپ کی اہل بیت میں نہیں ہیں؟ انہوں نے کہا ہیں۔ لیکن یہاں وہ اہل بیت مراد ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔ پوچھا وہ کون ہیں؟ کہا علیؓ ہیں اور عقیلؓ جعفرؓ اور عباسؓ کی اولاد۔

نیز عمران حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یقین جانو! علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں اور وہ تمام مومنوں کے مولا ہیں۔ یعنی حضرت عزرائیل علیہ السلام ان کے دوست' مالک اور مددگار ہیں" اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ "میں جس کا مولا ہوں علیؓ بھی اس کے مولا ہیں" مولا کے بہت سے معنی ہیں۔ جیسے دوست اور ولی وغیرہ اور اس حدیث کی تاویل و تشریح احادیث کی کتابوں سے معلوم ہو سکتی ہے۔ اس حدیث کی شان ورود یہ ہے کہ اسامہ بن زید نے حضرت علیؓ سے کہا تھا کہ "آپ ہمارے فرمانروا نہیں

ہیں۔ ہمارے فرمانروا تو بس رسول اللہ ہیں" اس وقت پیغمبر علیہ السلام نے یہ حدیث فرمائی۔ اس حدیث کے راوی ابو شریحؓ ہیں یا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ۔ اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسان بن ثابت سے مروی ہے۔ تاہم معین صحابی کے متعلق شک ہونا حدیث کی صحت میں نقص پیدا نہیں کرتا۔ کیونکہ ہر ایک صحابی صالح اور منصف ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سخاوت و ایثار کے متعلق کیا کہا' اور کتنا لکھا جا سکتا ہے ۔ کلام الہی کی آیات آپ کی بہادری و شجاعت کی ناطق اور آپ کے کمال ایثار میں وارد ہیں۔ ایک دن نماز کے درمیان اپنی انگلی سے انگوٹھی اتار کر فقیر کو دے دی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی شان میں یہ آیت نازل کی۔ "وہ تو نماز کی حالت میں زکوۃ دیتے ہیں" اور یہ آیت بھی کہ "وہ اپنی نذر پوری کرتے ہیں۔ اور خدا کی محبت میں مسکینوں' یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں" یہ آیتیں آپ ہی کی جواں مردی اور ایثار کے متعلق ہیں۔ نیز آپ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں دوسری بہت سی آیات و احادیث وارد ہیں۔ جیساکہ تفسیر میں مذکور ہے۔ کہ جب یہ آیت "آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا سوائے اپنے رشتہ داروں کی محبت کے" صحابہؓ نے پوچھا "یا رسول اللہ وہ کون ہیں جس کی محبت ہمارے اوپر واجب کی گئی ہے؟" فرمایا "علی' فاطمہ اور حسن و حسین اور ان کی اولاد۔" حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قسم کھا کر فرمایا پیغمبر ﷺ نے میرے ساتھ عہد کیا ہے کہ مجھے دوست نہیں رکھے گا مگر مومن۔ اور دشمن نہ رکھے گا مگر منافق" اور ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ ہم منافقوں کو علیؓ کی دشمنی سے پہچانتے ہیں۔

اور احادیث میں سے یہ بھی ہے کہ جابر رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ "جس روز پیغمبر ﷺ نے حضرت علیؓ کو طائف بھیجا تو ان کو اپنے پاس بلا کر خلوت و تنہائی میں کچھ رازدارانہ باتیں کیں۔ لوگوں نے کہا پیغمبر ﷺ کو اپنے بھائی کے ساتھ بہت راز ہے۔ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا "میں ان سے کوئی راز نہیں کہتا اللہ تعالیٰ کہتا ہے۔" یعنی جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان سے پوشیدہ کہو وہ میں ان کو پہنچا دیتا

ہوں۔

ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ پیغمبر ﷺ نے ایک لشکر کسی جگہ کے لئے نامزد کیا اور حضرت علیؓ بھی اس لشکر میں تھے۔ میں نے سنا کہ پیغمبر ﷺ نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر فرمایا "اے اللہ جب تک تو علی کو دوبارہ نہ دکھا دے مجھے موت کا منہ نہ دکھانا" اور یہ انتہائی شوق کا تقاضا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ شوق محبت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ حضرت علیؓ کی محبت رسول اللہ ﷺ کے دل میں اتنی تھی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے لوگوں نے پوچھا کہ پیغمبر ﷺ کے نزدیک سب لوگوں میں کون زیادہ دوست ہے۔ کہا فاطمہ۔ لوگوں نے پوچھا "مردوں میں بتایئے" کہا علیؓ

بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر ﷺ نے فرمایا "یقین جانو! اللہ تعالیٰ نے مجھے چار آدمیوں کی دوستی کا حکم دیا ہے اور خبر دی ہے کہ وہ بھی ان کو دوست رکھتا ہے۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ نام بتایئے۔ فرمایا "علی ان میں سے ایک ہیں۔" اور تین بار تکرار کی۔ اور فرمایا ابوذر' مقداد اور سلمان (رضی اللہ عنہم)۔

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر ﷺ کے سامنے گوشت پکا کر لائے تو آپؐ نے فرمایا "اے اللہ! مخلوق میں تو جس کو زیادہ دوست رکھتا ہے' اسے بھیج دے۔ تاکہ وہ میرے ساتھ یہ گوشت کھائے۔" اس وقت علی رضی اللہ عنہ آئے اور انہوں نے آپؐ کے ساتھ گوشت تناول کیا۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے صحابہ میں سے دو دو آدمیوں کو بھائی بنا دیا۔ اس وقت حضرت علیؓ روتے ہوئے آئے اور کہا "یا رسول اللہ ﷺ آپ نے اپنے دوستوں کو بھائی بھائی بنا دیا مگر کسی کو میرا بھائی نہیں بنایا" پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا "تم دنیا اور آخرت میں میرے بھائی ہو۔"

سعد ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر علیہ السلام غزوہ تبوک کے لئے روانہ ہوئے تو علیؓ کو خلیفہ بنا کر اپنے اہل کے درمیان ان کی حفاظت کے

لئے چھوڑ دیا۔ حضرت علیؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہ ﷺ آپ مجھے بچوں اور عورتوں میں چھوڑے جاتے ہیں۔" پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا "اے علی کیا تمہیں یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ تم میرے لئے ایسے ہو جیسے ہارون موسیٰؑ کے لئے تھے۔ یعنی میری جگہ پر رہو۔ بس بات اتنی ہے کہ میرے بعد کوئی اور نبی نہیں ہوگا۔

سہل سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے خیبر کے دن فرمایا "کل ہم یہ علم اس کو دینگے جس کے ہاتھ میں خدا نے فتح رکھی ہے۔ وہ خدا اور رسول خدا کو دوست رکھتا ہے اور خدا اور رسول خدا بھی اس کو دوست رکھتے ہیں۔" جب رات ہوئی تو لوگ آپس میں یہی تذکرہ کرتے رہے اور اس تجسس میں لگے رہے کہ دیکھیے پیغمبر ﷺ کل علم کس کو دیتے ہیں۔ جب صبح ہوئی تو سب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہر شخص کو یہی امید تھی کہ علم اس کو دیا جائے گا۔ اس وقت پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا "علی ابن ابی طالب کہاں ہیں؟ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ان کی آنکھیں آشوب کر آئی ہیں۔ فرمایا "کسی کو بھیجو کہ وہ ان کو بلا لائے۔" علیؓ آئے تو پیغمبر ﷺ نے اپنا لعاب دہن ان کی آنکھوں میں لگا دیا جو اسی وقت اچھی ہو گئیں۔ گویا کہ کوئی تکلیف ہی نہ تھی۔ پیغمبر ﷺ نے علم علیؓ کو دیا۔ علیؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ جب تک وہ لوگ اسلام نہ لائیں ان سے جنگ کرتا رہوں ﷺ نے فرمایا "اسی طرح ان کے سامنے جاؤ اور ان کو اسلام کی دعوت دو۔ اور اللہ تعالیٰ کا جو حق ان پر واجب ہے انہیں بتلا دو۔" اور پیغمبر ﷺ نے قسم کر فرمایا "خدا کی قسم اگر ایک آدمی بھی تمہارے ذریعہ ہدایت پا جائے تو یہ اس سے کہیں زیادہ بہتر ہے کہ تم سرخ اونٹ کو صدقہ دے کر ثواب حاصل کرو۔ جو عربوں کی نزدیک بہت عزیز مال ہے۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جنگ و جہاد کے متعلق جو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے اور ان کے بعد اختیار کئے اتنی احادیث موجود ہیں جن کا کوئی شمار نہیں۔ آپ غزوہ بدر' احد' خندق' بیعت رضوان' خیبر' فتح مکہ اور طائف میں رسول ﷺ کے ساتھ تھے۔ جنگ احد میں حضرت علیؓ کے سولہ زخم آئے تھے۔ اور اہل

تاریخ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ علیؓ ان تمام مشاہدات میں جن کا ذکر اوپر گزرا اور جن سے متعلق احادیث وارد ہیں تمام غزوات میں پیغمبر علیہ اسلام کے ساتھ تھے۔ سوائے تبوک کے جس کا ذکر اوپر گزرا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانے میں بصرہ کی فتح میں آپؓ شریک تھے اور اسی زمانہ میں عاقین کی فتح کا قصہ بھی آپؓ کے متعلق مشہور ہے۔ نقل ہے کہ جب حضرت عمرؓ کو سفر آخرت پیش آیا تو فرمایا "خلافت کے صحیح حقدار ان لوگوں کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے جن سے خوش ہوکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی" اور آپ نے علی' عثمانؓ' طلحہ' زبیرؓ' سعد ابی وقاص اور عبدالرحمٰن عوف کا نام لیا۔ یہی چھ اصحاب شوریٰ ہیں۔ حضرت عمرؓ نے امور خلافت کو شوریٰ کے سپرد کرکے وفات فرمائی۔ ان میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ خلافت کو قبول کرنے سے احتراز کر رہے تھے۔ اس لئے صحابہؓ نے حضرت عثمانؓ کی خلافت قبول کرلی۔ حضرت عثمانؓ کے بعد بھی آپ خلافت کی طرف مائل نہ تھے۔ سعید بن مسدکؓ نے کہا کہ حضرت عثمان کی شہادت کے بعد صحابہ میں سب سے افضل علیؓ تھے۔ چنانچہ سب حضرت علیؓ کے پاس آئے اور کہا کہ ہم آپکو خلافت کے لئے قبول کرتے ہیں آپ ہی کا یہ حق ہے اس وقت تمام صحابہ اور غیر صحابہ سب جمع ہوکر حضرت علیؓ کے پاس آئے حضرت علیؓ نے فرمایا اہل بدر جس کو قبول کریں اسی کا زیادہ حق ہے۔ جب آپ نے یہ دیکھا تو مسجد نبوی میں تشریف لے گئے اور منبر پر بیٹھ گئے سب سے پہلے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بیعت کے لئے منبر کے پاس آئے۔ ان کے بعد سب لوگوں نے بیعت کرلی۔ یہ ماہ ذی الحجہ **۳۵ھ** تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی مدت خلافت پانچ سال رہی۔ اس قلیل مدت میں جو امور خلافت انجام دیئے گئے۔ مثلاً قلعوں کا فتح کرنا' اقلیموں پر قبضہ' خوارج سے جنگ اور کفار سے جہاد وغیرہ یہ سب تاریخ اور مورخین کی مشہور کتابوں میں مسطور ہیں۔ کہتے ہیں کہ جب حضرت علیؓ کوفہ میں تشریف لائے تو عرب کے عالموں اور دانش وروں نے کہا کہ آپ نے خلافت کو آراستہ کیا جب کہ آپ کو اس کی ضرورت نہ تھی بلکہ خلافت کو آپ کی ضرورت تھی۔

پنڈوی حضرت سید محمد گیسو دراز گلبرگہ شریف رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کے علاوہ حضرت بدیع الدین شاہ مدار کے علاوہ حضرت خواجہ احرار سمرقندی رحمتہ اللہ علیہ و حضرت مولانا جامی رحمتہ اللہ علیہ بھی آپ ہی کے زمانے میں ہوئے ہیں۔

حضرت مخدوم رحمتہ اللہ جوان ہو چکے تھے کہ آپ کے نانا حضرت بندگی ابو بکر رحمتہ اللہ علیہ کا انتقال ہو گیا۔ آپ کی جوانی کے ساتھ ساتھ شوق سیر الی اللہ کا جذبہ بھی جوان ہوا۔ عشق و محبت کی آگ سینہ مبارک میں بھڑکی اور رگ رگ میں اسکا اثر ظاہر ہوا۔ سوز عشق کے اضطراب میں آپ گھر سے نکلے اور داناپور تشریف لائے اور خلوت و عزلت میں زاویہ نشین ہو گئے۔ صرف کبھی کبھی حضرت والدہ محترمہ کی پابوسی کے لئے خلوت سے نکل کر کچھ نواں تشریف لے جاتے اور پھر زاویہ نشین ہو جاتے۔ رفتہ رفتہ داناپور اور اس کے قرب و جوار میں حضرت مخدوم کی ولادیت کا شہرہ ہو گیا اور آپ نے معتقدین کے ہجوم سے عاجز آکر داناپور کو بھی خیرباد کہا مگر والدہ محترمہ کے خیال سے قریب ہی گرد و نواح میں عزلت نشین رہے اور چند دنوں بعد حضرت مخدوم جہاں مخدوم الملک بہاری رحمتہ اللہ علیہ کے آستانہ عالیہ راجگیر شریف جا پہنچے اور وہاں جاکر چلہ کش ہو گئے۔ چلہ تمام ہو تو وہاں سے نکل کر موضع اکراوان اور امہرہ کے خونخوار جنگلوں میں جا بیٹھے جو شیخپورہ سے تقریباً ۱۲ میل پر واقع ہے اور اس زمانے میں ایک خوفناک جنگل تھا جہاں کسی انسان کا گزرنا ناممکن تھا اور یاد خدا میں مشغول ہو گئے۔ ایک مدت تک اسی جنگل میں آپ مصروف مجاہدہ رہے اور خلق اللہ کو آپ کا کوئی پتہ نہ چلا زمانہ دراز کے بعد کبھی کبھی اکرانواں سے قریب ایک بڑ کے درخت کے نیچے آکر جلوہ گر ہوتے اور پھر اسی جنگلوں میں چلے جاتے۔

اتفاقاً ایک دن حضرت مخدوم رحمتہ اللہ علیہ اسی درخت کے نیچے تشریف فرما تھے کہ ایک گوالے کی نظر آپ پر پڑی جو اپنے ریوڑ چرانے ان جنگلوں کے قریب آتا تھا۔ حضرت مخدوم کو اسطرح جنگل میں بیٹھا دیکھ کر سمجھا کوئی خدا رسیدہ آدمی ہے۔ پاس آیا اور بڑی عقیدت و محبت کا اظہار کیا اور اکثر و بیشتر حضرت کی خدمت کو اپنے لیئے باعث افتخار سمجھنے لگا۔ کبھی کبھی آپ کی خدمت میں

روح قبض ہو گئی۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک تریسٹھ ۶۳ سال کی تھی۔ پھر حضرت حسن اور حسین اور عبداللہ بن جعفر نے آپ کو غسل دیا۔ اور حضرت علیؓ کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تکفین کی بچی ہوئی تھوڑی سی خوشبو باقی تھی' اس سے معطر کر کے آپ کو تین کپڑوں میں کفن دیا جس میں دستار اور پیراہن نہیں تھا۔ آپ کے فرزند حسن رضی اللہ عنہ نے آپ کے جنازہ کی نماز پڑھائی یہ اتوار کی شب تھی۔ صبح کے وقت ۲۱ رمضان المبارک کو آکو ایک قبر میں دفن کیا گیا۔ یہ ہجرت کا چالیسواں سال تھا۔ کرم اللہ وجہہ۔

لطیف آباد ۔ حیدر آباد

پاکستان ۔ ۱۳ جولائی ۱۹۷۵ء

ذکر امیر المومنین سیدنا امام حسین شہید دشت کربلا رضی اللہ عنہ

وہ نبوت کی انگشتری کے نگینے' کرم و مروت کے دریا کے موتی' جنت کے جوانوں کے سردار' وہ موتی اور مونگے میں سے ایک' اللہ کے قتیل شہیدوں کے سرفہرست' اللہ کی راہ میں قتیل ہونے والوں کے سرلشکر' راز محبت کے خزانے' دربار بلا کے راز دار' فضائے محبت کے ہما اور عشق کے شہباز' قاف معرفت کے سیمرغ اور ناز عشق کے مقتول' گلشن جلالت کے پھول' چمن رسالت کی خوشبو' محبت کی آگ کے حریق و مبتلا امیرالمومنین حسین شہید دشت کربلا' رسول علیہ السلام کے نواسے' وہ جنت کے مشہود اور رسول علیہ السلام کے قول "حسن و حسین جنت کے جوانوں کے سردار ہیں" بشارت دیئے ہوئے۔ ان کے قدم درستی اور حال کی صحت کے متعلق کیا کہا جاسکتا ہے۔ جب کہ اس مذہب کے تمام لوگوں کا اس پر اجماع اور اتفاق ہے۔ جس نے بھی دین و اسلام اور خدا کا راستہ پایا ان کے خاندان سے پایا ہے۔ اس راہ کے معاملات و مقامات میں ان کی بڑی شان ہے۔ اور ان سے اسرار کے بیان اور حقائق کے رموز میں لطیف کلمات منقول ہیں۔ مثلاً فرمایا "تمہارا سب سے مہربان بھائی تمہارا دین ہے" اس لئے آدمی کی نجات دین کی پیروی میں ہے۔ اس کے خلاف ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔

محدثین کہتے ہیں کہ حسین نماز روزہ صدقہ اور تمام نیک اعمال کی کثرت کی وجہ سے افضل ہیں۔

حضرت حسین رضی اللہ نے پچیس ۲۵ مرتبہ قابل احترام کعبہ کا پیدل حج کیا تھا۔ آپ کے اخلاق' اوصاف' اوصاف' ایثار و کرم و وفا اور دوسری اچھی عادتوں کی شرح و بیان کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ وہ رضی اللہ عنہ دسترخوان نبوت کے پرورش یافتہ تھے' اور کان رسالت کے موتی' بلکہ اس معدن کے جوہر تھے۔ آپ تمام پیروں کے مرجع

ہیں۔ کیونکہ ہمارے تمام پیروں کے شجرے سب کے سب آپ سے ملتے ہیں۔ اور یہ بات کہ بعضے پیروں کا شجرہ حسن بصریؒ سے اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے غالباً" حضرت حسین کے واسطے ہی سے ہوگا۔ اور کتابت میں یہ ترک واسطہ دوری کو کم کرنے کے لئے واقع ہوا ہے۔ خدا بہتر جانتا ہے۔ اور یہ کہ بعض کہتے ہیں کہ حسن بصری کی پیدائش زمانہ رسالت میں ہوئی تھی اور انہوں نے حضرت علی کو پایا تھا۔ صحیح ثابت نہیں ہوتا ہے۔ کیونکہ بڑے بڑے علما نے اس کی صراحت کی ہے۔ جیسا کہ شیخ محی الدین نوری نے کتاب تہذیب الاسماء و اللغات میں خواجہ حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کی پیدائش کے متعلق کہا ہے کہ حسن بصری جب پیدا ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دو سال باقی تھے۔ اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ انہوں نے حضرت علی ابن ابی طالب کی صحبت پائی ہے صحیح نہیں ہے" اور حسن بصری کے ذکر مناقب میں کہتے ہیں کہ "میں نے کسی ایسے شخص کو، حسن بصری سے زیادہ اصحاب کے مشابہ نہیں دیکھا۔ جس نے رسول علیہ السلام کی صحبت نہیں پائی"

نقل ہے کہ ایک دن ایک شخص حضرت حسین کے پاس آیا اور کہا اے رسول خدا کے فرزند میں ایک بال بچے والا نادار آدمی ہوں مجھے آج کی رات کھانے کی ضرورت ہے۔ حضرت حسین نے اس سے فرمایا "بیٹھو' میرا رزق راستے میں ہے وہ آ جائے" ایک گھنٹہ سے زیادہ نہیں گزرا تھا کہ معاویہؓ کی طرف سے اشرفیوں کی پانچ تھیلیاں لے کر آئے۔ ہر تھیلی میں ہزار اشرفیاں تھیں۔ قاصد نے کہا کہ معاویہؓ نے آپ سے معذرت چاہی ہے کہ یہ تھوڑی سی رقم اپنے چھوٹوں پر صرف کریں بعد میں اس سے زیادہ خدمت بجا لاؤں گا۔ حضرت حسین نے اس فقیر کی طرف اشارہ کیا۔ اور پانچوں تھیلیاں اسے دے دیں۔ اور عذر کیا کہ بہت دیر ٹھہرے اور تھوڑی رقم پائی۔ اگر میں جانتا کہ اتنی ہی رقم ہے تو تم کو انتظار کی زحمت نہ دیتا۔ مجھے معاف کردو۔ ہم لوگ اہل بلا ہیں اور دنیا کی راحتوں سے بہت دور ہیں۔ اپنی مرادوں کو چھوڑ کر دوسروں کی مرادوں کو پوری کرنے میں زندگی بسر کرتے ہیں۔

حسین رضی اللہ عنہ کے مناقب بہت مشہور ہیں۔ جنہیں اس امت کا ہر شخص

جاتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ قریشی ہاشمی ہیں۔ آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے۔ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں اور آپؐ کے بعد بھی "اے رسول اللہ کے فرزند" کہتے تھے۔ ■ اور ان کے بھائی حسن رضی اللہ عنہما پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو "اے بابا" کہتے تھے۔ اور علی رضی اللہ عنہ کو ان کے نام سے بلاتے تھے۔ یہ اس لئے تھا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کی شان میں فرمایا تھا کہ "یہ دونوں میرے فرزند ہیں (پوری حدیث تک) اور یہ حدیث آخر تک اوپر گزر چکی ہے۔ اور آپ کی والدہ حضرت فاطمہ بنت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنت کی عورتوں کی سردار ہیں۔ حسینؓ کے نسب اور حضرت فاطمہؓ کے فضائل بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ سورج کے لئے شرح و بیاں کی ضرورت نہیں۔ اس کو کسی نشان کی کیا حاجت ہے۔

حسین رضی اللہ عنہ ہجرت کے چوتھے سال پانچویں شعبان کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود اور ان کی شفیق نظروں میں تربیت پائی۔ وہ اور ان کے بھائی رات دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے۔ اگر کبھی ماں کے گھر جاتے تو آپؐ فرماتے۔ "اے فاطمہ میرے فرزندوں کو بلاؤ" پھر ان کو چومتے اور گود میں لے کر فرماتے "یہ دونوں میری دنیا کی خوشبو ہیں۔"

اسامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ ایک رات میں کسی ضرورت سے پیغمبر علیہ السلام کے پاس گیا۔ آپ باہر تشریف لائے اور اپنے ساتھ کچھ لپیٹے ہوئے تھے۔ جب میرا کام ہوگیا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ کیا ہے جو آپ لپیٹے ہوئے ہیں؟ پیغمبر علیہ السلام نے اسے کھول دیا۔ میں نے دیکھا کہ ان کی پشت مبارک پر حسن و حسین تھے۔ آپ نے فرمایا "یہ دونوں میرے فرزند اور میری بیٹی کے فرزند ہیں۔ خداوندا میں ان سے محبت کرتا ہوں' تو بھی ان سے محبت فرما۔ اور جو ان سے محبت رکھے اس سے بھی محبت کر" اکثر اوقات پیغمبر علیہ السلام حسن اور حسین کا ہاتھ پکڑتے اور اسی طرح دعا فرماتے۔

ان کے متعلق اور اہل بیت کے متعلق بہت سی احادیث اور آثار منقول ہیں۔

جیسا کہ ان میں سے بعض حضرت علیؓ کے بیان میں پہلے ذکر کی گئیں۔ اور بہت سی احادیث مشہور ہیں جو خاص طور سے حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق ہیں۔ جیسا کہ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے ہوں۔ جو حسین سے محبت کرے اے اللہ تو اس کو دوست رکھ۔ اور حسین اسباط میں میرا سبط ہے۔ سبط کے بہت سے معنی ہیں۔ جیسا کہ قبیلہ' درخت' امت' فرزند اور خاص اولاد کو بھی کہتے ہیں۔ اور یہ حدیث تمام معنوں پر مشتمل ہے۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ انہوں نے فرمایا "ایک دن میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے دیکھا کہ حسینؓ کو پشت مبارک پر بٹھائے ہوئے ہیں۔ ایک رسی کا سرا اپنے منہ میں اور دوسرا حسینؓ کے ہاتھ میں دیا ہے اور حسینؓ کی خواہش کے مطابق گھٹنوں کے بل چل رہے ہیں۔ جب میں نے کہا اے ابا عبداللہ تمہارا اونٹ تو بہت اچھا ہے تو پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا اے عمر! سوار کتنا اچھا ہے۔" یہ انتہائی محبت کا اظہار تھا۔ ان کے فضائل کے بیان میں اتنا ہی کافی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کے محبوب اور اللہ کے حبیب کے دل کا میوہ تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا "میں نے پیغمبر علیہ السلام سے پوچھا کہ کل اہل بیت میں کون آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہے؟

فرمایا "حسن اور حسین"

اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روت ہے کہ فرمایا "پیغمبر علیہ السلام منبر پر خطبہ فرما رہے تھے۔ اتفاقاً" حسن و حسینؓ لباس پہنے ہوئے سامنے آئے۔ وہ لباس کی درازی کی وجہ سے لڑکھڑا رہے تھے۔ پیغمبر علیہ السلام منبر سے اتر آئے' ان کو اٹھایا اور منبر پر لاکر اپنے سامنے بٹھاکر فرمایا۔ سچ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے کہ "بالتحقیق تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہارے لئے فتنہ ہیں"۔ جب میں نے دیکھا کہ یہ دونوں بچے لڑکھڑا رہے ہیں تو اتنا صبر نہ کرسکا کہ کلام ختم کرتا۔ آخر بات ادھوری چھوڑ کر

انہیں اٹھالایا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ان کے ساتھ اتنی تھی کہ نقل کرتے ہیں کہ جب آپؐ کے دل کا میلان حسنؓ اور حسین علیھماالسلام کی طرف زیادہ ہوا تو جبرئیلؑ آئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کے ساتھ اتنا دل نہ لگایئے۔ ان کے لئے میرا حکم ہو چکا ہے کہ ایک کو زہر قاتل سے شہید اور دوسرے کے جگر کو ملعونوں کے نیزہ و تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے۔ کہتے ہیں کہ جب سے جبرئیلؑ نے قضا و قدر کے ہاتھ سے، دونوں شہزادوں کو نشانہ بناکر، چھوڑے ہوئے تیر کی خبر مصطفیٰ علیہ السلام کو پہنچائی تھی اس وقت سے جب بھی آپ کی نظر مبارک ان شہزادوں پر پڑتی جگر میں چھپا ہوا تیر دل میں پیوست ہو جاتا اور آپؐ فرماتے "میں تیرے حکم پر راضی ہوں۔"

یہ تو معلوم ہی ہے کہ اس اطلاع کے آثار سے ان پر کیا گزری۔ نقل ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ کو کئی مرتبہ زہر دیا گیا لیکن کارگر نہ ہوا۔ آخری مرتبہ زہر نے اثر کیا تو انہوں نے حسینؓ اور گھر کے لوگوں کو بلاکر رخصت کرنا شروع کیا۔ حسین رضی اللہ عنہ نے پوچھا "اے حسنؓ یہ کیا ہوا؟" فرمایا "مجھے زہر دیا گیا ہے۔ کئی مرتبہ پہلے بھی زہر دیا گیا تھا لیکن اس نے اثر نہیں کیا۔ اس مرتبہ زہر نے مجھے رسول خدا سے ملا دیا ہے۔" حسین رضی اللہ عنہ نے پوچھا "اے حسن آپ جانتے ہیں کہ کس نے آپ کو زہر دیا ہے؟" فرمایا "میں جانتا ہوں" کہا "اس کا نام بتائیے" حسنؓ نے کہا "میری والدہ فاطمہؓ غماز نہیں تھیں، میرے والد علیؓ غماز نہیں تھے تو پھر میں کیونکر غمازی کروں۔" اس کے بعد وہ جوار رحمت میں پوشیدہ ہو گئے۔

القصہ حضرت حسینؓ شہادت حسنؓ کے بعد دس سال حیات رہے۔ اور اس مدت میں سوائے رنج و بلا کے اور کوئی کام نہ تھا۔ کہتے ہیں کہ جب معاویہ کا انتقال ہو گیا تو یزید نے ملک و امارت پر قبضہ کرلیا اور سرزمین شام پر غالب ہو گیا۔ یزید کے امیر نے جو مدینہ میں مقرر تھے۔ حسینؓ سے بیعت طلب کی۔ بعض شیوخ صحابہؓ جو مدینہ میں موجود تھے ان میں سے عبداللہ بن عباسؓ نے حسینؓ سے کہا "حسن رضی اللہ عنہ نے

معاویہ سے اس شرط پر صلح کی تھی کہ ان کے انتقال کے بعد خلافت خاندان نبوت کی طرف لوٹا دی جائے گی۔ یزید نے ظلم و زیادتی سے خلافت حاصل کر لی ہے۔ اے فرزند رسول ہم آپ سے بیعت کرتے ہیں۔ اور جب یہ خبر مسلمانوں کے لشکر میں پہنچے گی تو وہ آپ کی مدد کریں گے" چنانچہ شیوخ صحابہؓ نے حسینؓ سے بیعت کرلی۔ اور وہ ازروے شریعت خلیفہ ہوگئے۔ کیونکہ اشراف کی بیعت خلافت و امامت کی صحت کے لئے کافی ہے۔ یزید کو معاویہ نے خلیفہ نہیں بنایا تھا۔ بلکہ کہتے ہیں کہ انہوں نے وصیت کی تھی کہ خلافت خاندان نبوت کے لئے چھوڑ دینا۔ اور اس کو بیعت اشراف بھی حاصل نہ تھی۔ کیونکہ ▪ دمشق میں تھا اور اشراف مدینہ میں۔ یہ توجیہ کتاب تبصرۃ الاولیاء میں تحریر ہے۔ جب امیر مدینہ نے زیادہ مزاحمت کی تو حسین رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کو خط لکھا کہ یزید کی شرارت کو رفع کرنے کے لئے ان کا ساتھ دیں۔ اہل کوفہ نے جواب دیا کہ آپ کے والد امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ کو دارالخلافہ بنایا تھا۔ اے فرزند رسول اگر آپ کوفہ میں آ جائیں تو ہم آپ کا ساتھ دینگے اور یزید کے شر کو ختم کر دیں گے۔

حسین رضی اللہ عنہ نے صحابہ سے مشورہ کیا۔ انہوں نے کہا مدینہ سے باہر جانا مصلحت نہیں ہے۔ کیونکہ مدینہ میں کسی جابر حاکم کا اختیار نہیں چلے گا۔ لیکن خدا کا ارادہ کسی چیز کے متعلق جاری ہوتا ہے تو بالضرور وہی پیش آتا ہے۔ جب حسین علیہ السلام یزید کی بیعت کے لئے حاکم مدینہ کی مزاحمت سے تنگ آ گئے تو کوفہ جانے کا پختہ ارادہ کرلیا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر گئے اور کہا "یا رسول اللہ! میں آپ کی امت کی شکایت لے کر آپ کے پاس آیا ہوں" پھر آپ نے تربت مبارک' صحابہ اور اہل مدینہ سے رخصت ہو کر ام سلمہ اور اپنے اہل بیت کے ساتھ مدینہ سے کوفہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ جب حسینؓ کے روانہ ہونے کی خبر یزید کو پہنچی تو اس نے عبداللہ بن زیاد' عمرو بن سعد اور شمر کو ایک بڑی فوج کے ساتھ روانہ کیا کہ ان کا راستہ روک لیں اور فرات کا پانی ان پر بند کر دیں۔ حسینؓ کربلا کے میدان میں جو سرزمین عراق میں ہے' پہنچ گئے اور وہیں قیام فرمایا۔ اور بے آب و دانہ ان سے

جنگ کے لئے تیار ہو گئے۔ شب عاشورہ کو جو کہ جمعہ کی رات تھی حضرت حسینؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپؐ فرما رہے ہیں۔ "اے فرزند میری امت کے ظالموں نے تمہارے قتل کا ارادہ کیا ہے۔ جلد میرے پاس چلے آؤ کیونکہ میں، علی، فاطمہ اور حسن سب کے سب تم سے ملنے کے متمنی ہیں۔" اسی طرح حسینؓ کے بھائیوں اور اہل بیت نے بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں "جلد کرو، جلدی کرو تمہارا قافلہ میرے قریب آگیا ہے" کہتے ہیں کہ جب حسینؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تو کہا "یا نبی اللہ! مجھے اپنے ساتھ لے جائیے۔ میں آپ کی امت کے ظلم سے عاجز آگیا ہوں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے میرے نور نظر تمہارے لئے جنت میں ایک خاص مقام آراستہ کیا گیا ہے۔ جب تک اپنے سر اور حسین و نازک چہرے پر دشمنوں کی تیغ جفا کا زخم نہ کھاؤ گے اس مقام تک نہیں پہنچ سکتے۔ اور سلمہ رضی اللہ عنہا سے بھی روایت ہے کہ "میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئی وہ رو رہی تھیں میں نے پوچھا آپ کیوں روتی ہیں؟ انہوں نے کہا میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے۔ ان کے سر مبارک اور داڑھی کے بال گرد آلود تھے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کو کیا ہو گیا ہے؟ فرمایا "میں نے دیکھا ہے کہ حسین (خدا) کی فرمانبرداری میں قتل کر دئے گئے ہیں۔"

خبر میں آیا ہے کہ "حسین علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ حضرت بتول کے جگر کے ٹکڑے اور اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کی ٹھنڈک آپ کا خون کیسے مباح ہو سکتا ہے۔ اور آپ کو مٹا دینا کیوں کر جائز ہو سکتا ہے؟ فرمایا میرے والد مظلوم قتل کئے گئے۔ اور میرے نانا زہر کے اثر سے فوت ہوئے اور میرے بھائی مصیبت کے ساتھ موسوم تھے۔ اگر میں ان کے راستے پر نہ چلوں تو قابل ملامت ہو جاؤں گا"

پھر جب دسویں تاریخ کی صبح، صبح قیامت کی طرح طلوع ہوئی تو اہل بیت رسول بھوکے پیاسے اٹھے۔ تیمم کر کے نماز ادا کی، ہتھیار باندھے اور خاندان کے ایک ایک فرد نے میدان میں جا کر خوب خوب داد شجاعت دی۔ اور جگری کے جوہر دکھاتے

ہوئے ایک ایک کرکے سب شہید ہوگئے۔ بعض حکایت میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ کے سات بھائی' تین فرزند اور چھ بھتیجے حسینؓ سے پہلے جاں بازی کی مثال قائم کرکے شہید ہوئے تھے۔ حضرت علی اصغر جن کو امام زین العابدین کہتے ہیں سب سے چھوٹے اور بیمار تھے۔ حسینؓ نے خواتین سے کہا "اگر ہوسکے تو ان کی حفاظت کرنا تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک نشانی تمہارے پاس رہے" پھر آپ نے اپنا گھوڑا میدان میں ڈال دیا اور بلند آواز سے کہا "جو مجھے پہچانتا ہے' پہچانتا ہے اور جو نہیں پہچانتا وہ اب پہچان لے میں حسین بن علی مرتضیٰ ہوں" اور پھر چند کلمات وعظ و نصیحت کے طریقہ پر فرمائے۔ لیکن وہ لوگ اپنی بدی سے باز نہ آئے اور لڑائی شروع کردی۔ جب ایک زخم آپ کے سر مبارک پر لگا آپ گھوڑے سے نیچے گرے اور شہادت کی دولت حاصل کرلی۔ حقیقت یہ ہے کہ وہیں پہنچ گئے جہاں پہنچنا تھا۔ یہ ہجرت کے اکسٹھ ۶۱ سال گزرنے کے بعد باسٹھواں سال لگا تھا۔ پھر تو آپ کے اہل بیت پر جو بپتی سو بپتی۔ اس کی کوئی تشریح نہیں کی جاسکتی۔ وہ تو گزر ہی گئی۔ لیکن ان بیچاروں پر ہزار افسوس ہے جن کی پیشانی پر یہ داغ ہمیشہ کے لئے لگ گیا۔

شافع کو جس نے حیف کہ دشمن بنالیا ✿ جب صور پھونکا جائے گا محشر میں برملا
دیکھو گے فاطمہؓ کو قیامت میں تم ضرور ✿ ہوگا دم حسینؓ میں کرتا رنگا ہوا

آپ کی مشہد و تربت مشہور اور نہایت محترم و معظم زیارت گاہ ہے۔ اس واقعہ کے بعد سارے زمانے کے مسلمانوں میں مصیبت اور درد و غم کا غلبہ ہوگیا بہت مرثیے لکھے گئے۔

حسینؓ کے ساتھ قوم کی مخالفت کا قصہ اور ان کے خاندان پر ظلم و جور کا حال معروف و مشہور ہے۔ جو بڑی بڑی کتابوں میں نہایت تفصیل سے لکھا گیا ہے۔ اس جگہ ان کا ذکر کرنا مناسب نہ تھا۔ لیکن جو بات یہاں لکھنے کے لائق ہے وہ یہ ہے کہ کہتے ہیں "جب حق ظاہر تھا تو مخلوق نے اس کی پیروی کی۔ اور جب حق پوشیدہ ہوگیا تو تلواریں کھنچ گئیں۔ اور آپؓ نے جب تک اس جان عزیز کو خدا کے راستے میں قربان نہ کردیا آسودہ نہ ہوئے۔ یہ سب جو کچھ کہا گیا شریعت کے انداز میں بندگی کے

عالم سے ہے۔

لیکن از روے حقیقت یہ ہو سکتا ہے کہ وہ خدا کے راستے کے پاک باز طالب اور خدا کے عاشق تھے۔ اور عشق میں معشوق کی منشا کے آگے عاشق کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔ بندگی کے عالم میں تو نوازشیں ہیں۔ اور عشق کے عالم میں فقیر کی ساری پونجی اس کا درد جگر ہے۔ بندگی کا عالم ناز ہی ناز ہے اور عشق کا عالم مطلق نیاز' دفعتہ بادشاہ عشق نے بے نیازی کا خنجر غیرت کی نیام سے نکال لیا اور دربار کے عاشقوں کو قتل کرنا چاہا۔ سرِ نیاز کو جھکا دینے والے عاشقانِ جاں باز نے اپنی مراد کے مغفر کو سر سے اتار پھینکا اور اپنی مراد کو محبوب کی مراد بنا کر سرِ تسلیم آگے رکھ دیا۔

قاتل نہیں تھا ان کا مگر تیغ نازِ عشق

شہسوارِ عشق' میدانِ ارادت میں جولاں ہوا اور اپنے شیرہ و تلوار سے ان نازنینوں کا خون بہا کر بزبانِ حال فضول دیکھنے والے کوتاہ نظر اغیار سے فرمایا۔ رباعی

خوں بہتا ہی رہتا ہے مرے کشور میں　　جاں جلتی ہی رہتی ہے مرے مجمر میں

ایسا ہے تو آ' نہیں تو دور ہی رہ　　میں قاتلِ دوست' ہے نہ تاب تیرے سر میں

اور ان ہمت کے بادشاہوں نے' جنہوں نے اپنی مراد پر دوست کی مراد کو چن لیا تھا اس کے حکم کے آگے جاں نذر کر دی۔ اور ان میں کا ہر ایک یہی کہتا تھا۔

واللہ! کہ شکرانے میں جان دے دوں میں　　گر تیغ بلا کا تیری کشتہ ہو جاؤں

انہوں نے اپنی پیاری جان خدا کی راہ میں لٹا دی اور سر کو میدانِ محبت کی گیند بنا دیا اور مشتاق تو ہمیشہ ہی جان لٹانے اور خدا کی راہ میں تن صدقہ کرنے کی آرزو میں رہتے ہیں۔ "یہاں تک کہ تو اپنی راہ میں ایک بار پھر قتل کرے۔"

سو جان بھی ملے کہیں جو مجھ کو　　قدموں پہ ترے نچھاور کر دوں

سید محمد نعیم ندوی

لطیف آباد۔ حیدر آباد

پاکستان

ذکر سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ

وہ اولیائے تابعین کے قبلہ، وہ صوفیائے اربعین کے سرگروہ، وہ خدیجہؓ کی (۸۱)
نتیجہ وہ فاطمہ زہرا کے نور چشم، شریعت و طریقت کے پیشوا، وہ معرفت و حقیقت
کے مقتدا، وہ حم اور طس کے چمن کے طاؤس، وہ طہ اور یس کے باغ کے پھ
مقام قدرت و تونگری کے مقیم، امن اور سنت کے امام، وہ بزم خاندان رسول
شمع، وہ بتول کے گھرانے کے چشم و چراغ، وہ اولاد علیؓ کے مرجع، فرزندان
کے مطلع انوار، وہ زاہدوں کی آنکھ کی ٹھنڈک، علی اصغر زین العابدین رضی اللہ
اصحاب طریقت کے پیش رو اور ارباب حقیقت میں عظیم المرتبت اور اپنے زمانے
سب سے بڑے عابد تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد آپ ہی نے اس گروہ
حالات و مقامات کی تشریح کی اور انکے حالات و کرامات کی خبردی۔ اور انکے
اور علوم کو اپنے قول و فعل سے ظاہر فرمایا۔ "اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو۔"
تابعین میں سے ہیں۔ انہوں نے صحابہ کرام کو دیکھا اور ان سے علم حاصل کیا۔ مثال
کے طور پر اپنے والد حسین ابن علی رضی اللہ عنہ، ابن عباس، مستور، ابورافع اور
سعید بن مسیب سے اور ازواج میں حضرت عائشہؓ، ام سلمہ، صفیہ رضی اللہ عنہم
اجمعین سے۔ حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ رازوں اور حقیقتوں کے انکشاف
مشہور تھے۔ اور لطیف کلمات آپ سے منقول ہیں۔ جیسے نقل کرتے ہیں کہ آپ سے
پوچھا کہ دنیا اور آخرت میں سب سے زیادہ سعید کون ہے؟ تو فرمایا کہ "نیک بخت وہ
ہے کہ جب راضی بہ رضائے الٰہی ہو تو پھر باطل سے راضی نہ ہو۔ جب غصہ سے
مغلوب ہو جائے تو بھی حق سے باہر نہ نکل جائے۔" اور وہ رضی اللہ عنہ حقیقت کے
علم میں اس مقام پر تھے کہ اپنے مرتبے کی طرف خود ان دو شعروں میں اشارہ کیا ہے

کروں ظاہر جو اپنے جوہر علم - کہیں گے تو بتوں کو پوجتا ہے
یہ جاہل قتل کا فتویٰ لگا دیں - اور اچھے کو بھی کہدیں یہ برا ہے

یعنی علم کے جوہر ایسے بہت ہیں کہ اگر میں ان کو ظاہر کروں تو مجھ پر یہ الزام لگایا جائے کہ تو بت پرست ہے۔ اور یقیناً" یہ جاہل لوگ میرے قتل کو جائز قرار دیں۔ اور اس بھلائی کو جو ان کے سامنے آئے برائی قرار دیں۔ یعنی وہ اپنی برائی کو بھلائی جانیں اور مجھے کفر و بت پرستی سے نسبت دیں۔

اکثر صحابہ کرام سے بھی اسی طرح کے کلمات منقول ہیں۔ جیسے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اگر میں اس آیت "تحقیق تمہارا پروردگار وہ ہے جس نے آسمان اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا۔ پھر عرش پر ٹھہر گیا" کی تفسیر کروں تو تم مجھے سنگسار کر دو گے۔ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اگر میں آیت "اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان پیدا کئے۔ اور اسی طرح زمین' ان کے درمیان حکم اترتا ہے تاکہ تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے"۔ کی تشریح کروں تو لوگ مجھے کافر کہنے لگیں گے۔" اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہو۔

نام ان کا علی ابن حسین بن علی ہے۔ رضی اللہ عنہم ' ان کو علی اصغر کہتے تھے۔ ان کی کنیت ابو محمد' ابو الحسین اور ابوبکر تھی۔ اور زین العابدین کے نام سے مشہور تھے۔ ان کو زین العابدین اس لئے کہتے تھے کہ وہ رضی اللہ عنہ اپنے قول' فعل' خلق' خلق اور احوال کی رو سے اہل بیت کے تمام مردوں میں سب سے زیادہ رسولؐ سے مشابہ تھے۔ ان کی والدہ شہربانو' شہریار کی دختر تھیں۔ وہ ہاشمی مدنی ہیں۔ ان کی جائے پیدائش اور وطن مدینہ منورہ ہے۔ آپ کی تاریخ پیدائش میں اختلاف ہے۔ احمد صالح رحمتہ اللہ کہتے ہیں کہ امام زین العابدین اور زہرا رحمہا اللہ ایک ہی سال پیدا ہوئے اور وہ پچاسویں ہجری تھی۔ یعقوب سفیان رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں تینتیسویں ۳۳ ہجری میں پیدا ہوئے ہیں۔ اس قول کے مطابق امام زین العابدین حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے وقت ستائیس سال کے تھے۔ اور اس قول کے مطابق کہ آپ پچاسویں ہجری میں پیدا ہوئے تو پھر آپ گیارہ سال کے ہوں گے۔ صحیح روایت کے مطابق بھی آپ کی روایت و خلافت امیرالمومنین حضرت امام حسینؓ سے درست ہوگی۔ یہ بات ان لوگوں کے لئے ہے جو صغر سنی کی وجہ سے اپنے والد سے

روایت و خلافت کے بارے میں شک کرتے ہیں۔

آپ رضی اللہ عنہ اپنے ہم عصروں میں سب سے زیادہ بزرگ و افضل تھے۔ یحیٰ انصاری کہتے ہیں۔ "میں نے ان کو مدینے کے تمام ہاشمیوں میں سب سے زیادہ افضل پایا" اور زہری نے کہا "میں نے مدینہ منورہ میں کسی کو آپ سے زیادہ بزرگ نہیں پایا" اور حماد بن زید رضی اللہ عنہما نے کہا "میں نے جہاں تک معلوم کیا حضرت زین العابدین ہاشمیوں میں سب سے زیادہ افضل تھے" آپ کی بزرگی اور جلالت پر تابعین کا اتفاق ہے۔ حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ کم سنی ہی میں بڑے شیریں بیان تھے۔ آپ کے کلام کا مرتبہ بہت بلند ہے۔

نقل ہے کہ حضرت امام حسینؓ کے بھائیوں، بھتیجوں اور فرزندوں کی شہادت کے بعد ان کے اہل بیت کو اس حالت میں دمشق لے جایا گیا کہ جس کا بیان کرنا ان سیدوں کی شان کے لائق نہیں ہے۔ اس سے بچنا ہی بہتر ہے۔ ان کے درمیان حضرت زین العابدین کم عمر اور بیمار تھے۔ اور ان کے سوا کوئی مرد نہ تھا جو ان کو سہارا دیتا جب ان کو دمشق لائے تو ایک شخص نے آپ سے پوچھا "اے علی! تم نے اور رحمت کے گھرانے نے کس حالت میں صبح کی" تو آپ نے فرمایا "اس حالت میں صبح کی جیسے موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے فرعون کے مظالم میں صبح کی تھی۔ جو ان کے فرزندوں کو قتل کرتا تھا اور ان کی عورتوں کو بے پردہ کرکے شرمندہ کرتا تھا۔ ایسی حالت میں رات دن (یعنی صبح و شام) کی کیا خبر۔ ہمیں تو دن نظر آتا ہے اور نہ رات۔ بس یہی ہماری مصیبت کی حقیقت ہے۔ (اس سے زیادہ ہم کیا کہہ سکتے ہیں)

حضرت اصمعی سے منقول ہے کہ "میں کعبہ اور روضہ رسولؐ کی زیارت کے لئے آیا تھا۔ ایک رات چاندنی چھٹکی ہوئی تھی میں کعبہ کا طواف کر رہا تھا۔ دفعتہً" رونے کی ایسی مغموم آواز کان میں آئی کہ دل تڑپ گیا۔ میں اس آواز کی طرف بڑھا تو دیکھا کہ ایک پسندیدہ انداز کا نہایت ہی خوبصورت جوان جس پر تمام نیکیاں برس رہی تھیں۔ بال بکھرائے کعبہ کے آستانے کو پکڑے کہہ رہا ہے۔ "اے میرے سردار، میرے مالک۔ آنکھیں سو گئیں۔ ستارے ڈھل گئے اور تو زندہ اور قائم ہے۔ اے

خدا' بادشاہوں نے اپنے دروازے بند کر لئے اور پہرے بٹھا دے ہیں۔ لیکن تیرا دروازہ مانگنے والوں کے لئے ہمیشہ کھلا ہوا ہے۔ ایک محتاج گناہگار' ایک مانگنے والا پریشان حال تیرے دروازے پر آیا ہے۔ اے عاجزوں کے قبول کرنے والے۔ اے رحیم اے کریم میں تیری رحمت کا امیدوار ہوں" اور گریہ و زاری کے ساتھ مناجات کے چند اشعار پڑھے۔ پھر سر اٹھا کر آسمان کو دیکھا اور کہا "الٰہی' میرے سردار میرے مالک' اگر میں مطیع ہوں تو تیری توفیق سے۔ یہ مجھ پر تیرا احسان ہے۔ اور اگر عاصی ہوں تو اپنی جہالت سے' یہ تیری میرے اوپر حجت ہے۔ پس اپنا احسان اور حجت ظاہر کرتے وقت رحمت کی نظر مجھ پر ڈال اور مجھ کو بخش دے۔ اور قیامت میں مجھے اپنے جدبزرگوار کی دیدار سے محروم نہ کر۔ جو میری آنکھوں کی روشنی' تیرے حبیب' اور تیرے نبیؐ ہیں۔ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم" پھر چند تازہ اشعار فصاحت و بلاغت کے ساتھ فرمائے۔ اور کہا "اے میرے سردار' میرے مولا' بندوں کی نیکی تیرے لئے باعث حسرت اور ان کی بدی تیرے لئے کوئی نقصان کا سبب نہیں ہیں۔ اے کریم' میرے حال پر کرم فرما" پھر کمال نیاز کے ساتھ چند اشعار پڑھے اور رو رو کر انھیں کی تکرار کرتے رہے اور روتے روتے بے ہوش ہوگئے۔ پھر گر گئے۔ میں ان کے پاس گیا تو دیکھا حضرت زین العابدین ہیں۔ میں نے ان کے سر کو اٹھا کر گود میں رکھ لیا۔ اور ان کی حالت پر رونے لگا۔ آنسو کے چند قطرے ان کے روئے مبارک پر گرے تو ہوش آگیا۔ آنکھ کھول کر دیکھا اور فرمایا "یہ کون ہے جس نے مجھے اپنے مولا کے ذکر سے روک دیا" میں نے عرض کیا "اے میرے سردار میں اصمعی ہوں۔ آخر آپ کی اس درجہ گریہ و زاری کی کیا وجہ ہے۔ آپ تو اہل بیت پاک اور معدن نبوت و رسالت سے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے فرمایا ہے "اے اہل بیت اللہ نے آپ کو ہر ناپاکی سے دور کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ اور تطہیر کی حد تک پاکیزہ فرمایا ہے" جب میں نے یہ کہا تو اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا "افسوس' یہ تحقیق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کو فرماں برداروں کے لئے بنایا ہے خواہ وہ حبشی ہی کیوں نہ ہو۔ اور دوزخ گنہگاروں کے لئے

بنایا ہے خواہ وہ شریف اور قریشی کیوں نہ ہو۔ اے اصمعی کیا تم نے نہیں سنا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "جب صور پھونکا جائے گا تو ان کے درمیان اس دن کوئی رشتہ باقی نہیں رہے گا اور نہ رشتے کے متعلق ان سے سوال کیا جائے گا۔" صمعی کہتے ہیں جب میں نے آپ سے یہ کلمات سنے تو آپ کو آپ ہی کے حال پر چھوڑ دیا اور چلا آیا۔ یہ مناجات نہایت پیاری، فصیح اور لطیف عربی میں ہے۔ نظم اور نثر دونوں صورتوں میں آپ نے فرمائی ہیں۔ نثر کو فارسی میں منتقل کرلیا ہے۔ اور نظم کا جو حصہ تھا اسے اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے چھوڑ دیا ہے۔

آپ رضی اللہ عنہ کے بلند و بالا اخلاق، پسندیدہ اوصاف، قابل تعریف اخلاق، اور منتخب عادات میں مہربانی، احسان اور مروت و ایثار، بلندی کے اعلیٰ مرتبہ پر تھے۔ کہتے ہیں کہ ہشام بن عبدالملک مروان ایک سال حج کو آیا اور طواف کرنے میں حجر اسود کو بوسہ دینا چاہا تو زیادہ ہجوم ہونے کی وجہ سے وہاں تک نہ پہنچ سکا۔ اور منبر پر آکر خطبہ دینے لگا۔ اسی اثنا میں حضرت امام زین العابدین حرم میں تشریف لائے۔ طواف کیا اور جب حجر اسود کے پاس آئے تو مجمع نے آپ کی تعظیم کی۔ راستے سے ہٹ گئے تاکہ وہ بوسہ دیں۔ شام کے ایک آدمی نے جب یہ حالت دیکھی تو ہشام سے پوچھا "اے امیرالمومنین لوگوں نے آپ کو سنگ اسود تک راستہ نہیں دیا۔ حالانکہ آپ ہی امیرالمومنین ہیں۔ وہ خوبصورت جوان کون ہے جب وہ آیا تو سب راستے سے ہٹ گئے اور ان کے لئے جگہ خالی کر دی۔" ہشام نے کہا میں ان کو نہیں پہچانتا۔ اس کا منشا یہ تھا کہ اہل شام آپ کو نہ پہچانیں اور آپ کی طرف توجہ نہ کریں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کو اپنا امیر بنالیں۔ فرزدق شاعر وہاں موجود تھا اس نے کہا میں ان کو پہچانتا ہوں۔ پوچھا کہ اے ابافراس ہم کو بتاؤ وہ کون ہیں۔ جو ایسے شاندار جوان ہیں اور ان کا چہرہ چاند کی طرح منور ہے۔ فرزدق نے کہا۔ "ملاحظہ فرمایئے میں ان کی ادنیٰ تعریف کرتا ہوں اور ان کا رشتہ بتاتا ہوں۔" اس وقت فرزدق نے ایک طویل قصیدہ فی البدیہہ کہہ کر سنایا۔

یہ وہ ہیں کہ معروف ہے بطحا وطن ان کا   پہچانتے ہیں اہل حرم، غیر حرم بھی

فرزند ہیں یہ اُنکے جو ہیں بندوں میں افضل
مشہور ہے پرہیزی و پاکیزگی ان کی

افسوس ہے تم پر، یہی زہرا کے ہیں فرزند
اور ابن علی، جن پہ فضیلت ہے وصی کی

مٹ جاتی ہے تاریکی شب نور جبیں سے
خورشید سے جس طرح کہ چھٹتی ہے سیاہی

نزدیک ہے عرفاں انھوں آغوش میں لے لے
جھک جائے حلیم آپ جو دکھلائیں ہتھیلی

دین ان کی محبت، عداوت ہے جہنم
لوگوں میں ہیں کم، پکڑیں جو اللہ کی رسی

اس طرح کے بہت سے اشعار آپ کی مدح میں اس نے سنائے اور اہل بیت کی تعریف کی ہشام اس پر ناراض ہوگیا اور حکم دیا کہ اس کو عسفان میں قید کر دیا جائے۔ (یہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک مقام ہے) جب یہ خبر امام زین العابدین کو من و عن پہنچائی گئی تو آپ نے بارہ ہزار درم فرزدق کو بھیجے اور کہلایا کہ "اے ابافرس! ہم کو معاف کرو کہ ہم امتحان میں مبتلا لوگ ہیں۔ تم کو دینے کے لئے اس سے زیادہ ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔ فرزدق نے اس رقم کو واپس لوٹا دیا اور کہلا بھیجا کہ "اے فرزند رسول" میں نے مال کے لئے بہت اشعار کہے ہیں اور دروغ گوئی سے بھی کام لیا ہے یہ اشعار تو میں نے ان کا کفارہ ادا کرنے کے لئے خدا اور رسولؐ کی محبت میں کہے ہیں۔" جب یہ پیغام امام زین العابدین کے پاس پہنچا تو فرمایا "اس رقم کو واپس لے جاؤ اور کہو کہ اے ابافرس اگر تم ہم کو دوست رکھتے ہو تو ہمیں اس بات پر مجبور نہ کرو کہ جو چیز ہم نے ایک مرتبہ دے دی۔ اور اپنی ملکیت سے خارج کر دی اسے پھر واپس لے لیں"۔ اس کے بعد فرزدق نے مجبور ہو کر وہ رقم رکھ لی۔
اس طرح آپ رضی اللہ عنہ کے مناقب و فضائل بہت ہیں اور ان کی گنجائش نہیں۔

حضرت امام حسینؓ کے بعد ان کی اولاد ذکور میں حضرت امام زین العابدین کے

سوا اور کوئی باقی نہ بچا تھا۔ حضرت امام زین العابدین کے آٹھ بیٹے ہوئے بیٹی کوئی نہ تھی۔ انہیں آٹھ فرزندوں سے اتنی اولادیں ہوئیں کہ ساری دنیا میں جتنے بھی شرفائے حسینی ہیں وہ انہیں سے ہیں۔ آپ کی وفات مدینہ منورہ میں ہوئی۔ اور جنت البقیع میں دفن کئے گئے۔ یہ ہجرت کا چورانواں ۹۴ سال تھا۔ جس کو فقہا کا سال کہتے ہیں کیونکہ اس سال بہت سے فقہا نے رحلت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ان سے اور ان کے آباد اجداد سے راضی ہو۔

سید محمد ندیم

لطیف آباد' حیدر آباد پاکستان

۲۶ جولائی ۱۹۷۵ء

بوقت ایک بجے شب

ذکر سیدنا امام باقر رضی اللہ عنہ

وہ عالم باعمل' وہ معرفت میں کامل' وہ علی مرتضیٰ کی اولاد' وہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور چشم' وہ جہان قدس کے برگزیدہ' وہ مقام محبت کے ساکن' وہ فقہائے امت میں افضل' وہ علمائے کتاب و سنت میں سب سے بڑے عالم' وہ شریعت کے رازوں کے واقف' وہ ابرار طریقت کے سردار' ▪ کرم و شجاعت کے سرو چمن' وہ احسان و مروت صدف کے موتی' وہ ایسے کریم کہ جن کے ایثار سے بہت سے فقیر امیر ہوگئے۔ وہ ایسے جواں مرد کہ مخلوق کے لئے تونگری کا دروازہ کھولنا ان کا کام۔ وہ ایسے کریم کہ مفلسی کا راستہ روک دینا ان کا پیشہ۔ وہ بچوں کے امام ابو جعفر محمد باقر رضی اللہ عنہ جو مدینہ کے سب سے بزرگ فقہا میں سے تھے اور ان کے امام ہونے پر سب متفق تھے۔ تقویٰ اور پرہیزگاری میں بلند مرتبہ رکھتے تھے۔ آپ تابعین میں سے ہیں۔ انہوں نے جابرؓ اور انس بن مالکؓ کی صحبت پائی۔ اور بزرگ تابعین اور ان کے اماموں سے علم حاصل کیا ہے۔ جیسے اپنے والد امام زین العابدینؒ اور ابن مسیبؒ اور ابن حنیفہؒ۔ اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہو۔

آپ سے کتاب و سنت میں لطیف اشارات اور بلند کلمات منقول ہیں۔ جیسے اس آیت "جس نے منہ پھیرا بتوں سے اور اللہ پر ایمان لایا" کی تفسیر میں فرمایا کہ "ہر وہ چیز جو تمہیں مطالعہ حق سے روک دے وہی تمہاری راہ کا بت ہے۔ (یعنی جس چیز میں خدا کو بھول کر تم مشغول ہو جاؤ وہ تمہارے لئے بت کا مرتبہ رکھتا ہے) اس طرح بہت سے باریک رموز و اشارات اور لطیف کلمات ان سے منقول ہیں۔

ان کی نشانیاں اور کرامتیں ظاہر تھیں۔ ان میں سے اکثر مشہور ہیں۔ جیسے نقل کرتے ہیں کہ بادشاہ وقت نے آپ کو قتل کرنے کے ارادے سے بلوایا۔ جب وہ بادشاہ کے سامنے آئے تو بادشاہ نے تعظیم کی' معافی چاہی اور تحفہ پیش کرکے آپ کو رخصت کر دیا۔ لوگوں نے کہا اے بادشاہ تو نے تو قتل کا ارادہ کیا تھا۔ لیکن ہم نے

اس کے برخلاف دیکھا۔ اس نے جواب دیا کہ جب وہ سامنے آئے تو ان کے دائیں بائیں دو شیر مجھے نظر آئے۔ جو کہتے تھے کہ اگر تو نے برا ارادہ کیا تو ہم تجھے ہلاک کر دیں گے۔ اسی طرح ان کے فضائل و کرامات بے شمار ہیں۔ ■ محمد بن علی بن حسین بن علی قریشی و ہاشمی اور مدنی ہیں۔ ان کی کنیت ابو جعفر تھی۔ اللہ ان سب سے راضی ہو۔ ان کی والدہ کا نام ام عبداللہ جو امیر المومنین حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی صاحبزادی تھیں۔ ان کی جائے پیدائش اور وطن مدینہ منورہ ہے۔ ان کو باقر کے لقب سے اس لئے یاد کرتے تھے کہ لغت میں باقر کے معنی پھاڑنے والے کے ہیں۔ انہوں نے علم کو پھاڑا' اس کے باطنی انوار کو پہچانا اور پوشیدہ اسرار سے واقف ہوئے' ان کے وسعت علم' سیادت و فضائل اور بزرگی و عادات بیان کے محتاج نہیں ہے۔

بزرگی ان کی کیا اس سے سوا ہو - رسول اللہؐ کے فرزند ہیں ■

جب یہ کہہ دیا جائے کہ ان کے جد بزرگوار اللہ کے رسول تھے تو تمام بزرگیاں ان کی طرف لوٹ آتی ہیں۔

نقل ہے کہ وہ اپنے بزرگوں یعنی امام حسین اور دیگر شہیدان دشت کربلا کی یاد میں راتوں کو رویا کرتے تھے۔ آپ کے ایک خادم خاص نے آپ سے کہا "اے میرے اور میرے سرداروں کے اور بابوں کے سردار آپ کب تک روتے دھوتے رہیں گے" فرمایا "اے دوست یعقوب علیہ السلام کے صرف ایک یوسف کھوئے تو وہ اتنا روئے کہ آنکھیں سفید ہوگئیں۔ میں نے اپنے والد کے علاوہ اٹھارہ یوسف کھو دئے ہیں۔ تو کیا میں ان سے کچھ کم رووں گا۔

نیز ان کے ایک خاص خادم سے روایت ہے کہ جب ایک پہر رات گزر جاتی اور وہ اپنے ورود و وظائف سے فارغ ہوتے تو بلند آواز سے روتے اور اس طرح مناجات کرتے تھے "اے اللہ! اے میرے سردار' رات آگئی' بادشاہوں کی مقبوضہ ولایت ختم ہوگئی۔ آسمان پر ستارے ظاہر ہوگئے۔ ساری مخلوق سو گئی اور ناپید ہوگئی۔ لوگ آرام میں پڑ گئے۔ ان کی آنکھیں بند ہوگئیں بنو امیہ کے دروازے سے لوگ بھاگ گئے۔ ان کی روٹیاں چھن گئیں۔ بنوامیہ نے اپنے دروازے بند کر لئے اور

پاسبان بٹھا دیئے۔ جن لوگوں کو ان سے کوئی ضرورت تھی وہ اپنی ضرورت بھول گئے۔
او نچمن اور سونا تیرے لئے جائز نہیں ہے۔ جو شخص مجھے ان صفتوں سے نہ پہچانے وہ
کسی نعمت کا سزا وار نہیں۔ اے وہ کہ کوئی چیز تجھے کسی دوسری چیز سے روک نہیں
سکتی۔ اور یہ رات دن تیری بقا میں خلل انداز نہیں ہوتے۔ مومنوں میں سے جو شخص
تجھے پکارے اس کے لئے تیری رحمت کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ اور جو تیری تعریف
کرے اس کے لئے تیرا دسترخوان حاضر ہے۔ تو ایسا مالک ہے جو کسی کو اپنے دروازے
سے مایوس نہیں لوٹاتا۔ تو ▪ خداوند ہے کہ مومنوں میں سے جو دعا کرے تو سائل کو
محروم کرنا تیرے شایان شان نہیں۔ تیرے دروازے سے زمین و آسمان میں سائل کو
روکنے والا کوئی نہیں۔ بار خدایا جب میں اپنی موت اور قبر کے حساب کو یاد کرتا ہوں
تو پھر دنیا سے کیوں کر دل شاد کروں۔ اور جب نامہ اعمال کو یاد کرتا ہوں' تو دنیا کی کسی
چیز سے کیونکر دل بہلاؤں۔ اور جب ملک الموت کو یاد کرتا ہوں تو دنیا کی کوئی چیز کیسے
قبول کروں اس لئے تجھ سے وہی چیز طلب کرتا ہوں جس سے تجھے پہچانوں۔ تجھ سے
اسی چیز کی آرزو کرتا ہوں جس سے تجھے پکاروں۔ آرام ہے تو بے تکلیف موت میں۔
عیش ہے تو آسان حساب میں" یہ مناجات نہایت فصیح عربی زبان میں ہے۔ جسے ایک
بزرگ نے فارسی میں ترجمہ کیا ہے۔ اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس جگہ ترجمہ نقل
کیا گیا ہے۔

آپ کے چار بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں۔ مدینے میں وفات پائی۔ یہ محرم کی
ساتویں تاریخ اور پیر کا دن تھا۔ اور ایک سو چودہ ہجری تھی۔ بعضوں نے ایک سو سترہ
اور بعضوں نے ایک سو اٹھارہ کہا ہے۔

سید محمد ندیم
لطیف آباد' حیدر آباد پاکستان
۲۸ جولائی ۱۹۷۵ء

ذکر سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ

وہ اولیاء میں بہتر' وہ اصفیاء کے جوہر وہ امامت میں مقبول' وہ مقام استقامت کے مقیم' وہ درخت رسالت کے ثمر' وہ عظیم شجر کرامت کی شاخ' وہ عزت و جلال کے آسمان کے تارے' وہ بحر سیادت و کمال کے فرد' وہ حکمت ربانی کے معدن' وہ کعبہ سبحانی کے ساکن' وہ بزرگان خاندان کے پیوستہ فرزند' وہ بزرگوں کے گھرانے کے جگر پیوند' وہ استاد حاذق ابو محمد جعفر صادق' اللہ ان سے راضی ہو۔ تمام مشائخ کے رہنما اور پیشوا تھے۔ اس زمانے میں سب کو آپ ہی پر بھروسہ تھا۔ طریقت میں بلند مقام رکھتے تھے۔ ان کی تصانیف بہت لطیف اور فصیح عبارتوں کی حامل ہیں۔ وہ تبع تابعین میں سے ہیں۔ جنہوں نے تابعین کی صحبت پائی۔ اور ان سے علم حاصل کیا۔ جیسے اپنے والد امام محمد باقر' قاسم بن محمد' نافع اور زہری وغیرہ' اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہو۔

ان کی بزرگی و امامت پر تمام مشائخ اور علمائے زمانہ کا اجماع اور اتفاق تھا۔ عمر بن مقدام رضی اللہ عنہ نے کہا "جب میری نظر امام جعفر صادق پر پڑتی تو ایسا محسوس ہوتا کہ آپ نبیوں کے فرزند ہیں۔" آپ کی والدہ کا نام ام فروہ تھا جو قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق (اللہ ان سب سے راضی ہو) کی صاحبزادی تھیں۔ وہ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ یہ ہجرت کا اسیواں ۸۰ سال تھا۔ آپ کی کنیت ابو عبداللہ تھی۔ آپ کو صادق کے لقب سے یاد کرتے تھے۔

نقل ہے کہ خلیفہ منصور کے زمانے میں عرصہ تک آپ گوشہ نشیں رہے اور باہر نہیں نکلے۔ سفیان ثوریؒ ان کے دروازے پر آئے اور کہا کہ لوگ آپ کے کلام کے فیض سے محروم ہیں۔ آپ کیوں گوشہ نشیں ہو گئے؟

آپ نے جواب دیا "زمانہ بگڑ گیا اور اخوان بدل گئے پھر اشعار پڑھے۔

وفا کل کی طرح سے جا چکی ہے   -   جہاں سے لوگ پردہ کر گئے ہیں

وفا اور دوستی جب سے ہے ناپید — دلوں میں ان کے بچھو بھر گئے ہیں

نقل ہے کہ امام جعفر صادق نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ عاقل کون ہے؟ فرمایا "جو خیر و شر کے درمیان تمیز کرے" امام صادق نے فرمایا "چوپائے بھی تمیز کرتے ہیں جو انہیں مارتا ہے اور جو چارہ دیتا ہے اسے پہچانتے ہیں۔" امام ابو حنیفہؒ نے پوچھا "آپ کے نزدیک عاقل کون ہے؟" فرمایا "جو دو خیر اور دو شر میں تمیز کرے۔ اور خیر میں افضل خیر کو اختیار کرے اور دو شر میں آسان شر کو قبول کرے۔"

نقل ہے کہ ایک دن آپ ایک دوست کے ساتھ بیٹھے تھے۔ آپ نے کہا "آیئے ہم دونوں عہد و پیمان کریں کہ ہم میں سے جو نجات پائے دوسرے کی شفاعت کرے۔" انہوں نے کہا "اے فرزند رسولؐ آپ کو ہماری شفاعت کی کیا ضرورت ہے۔ آپ کے جد بزرگوار تو تمام مخلوق کے شفیع ہیں" فرمایا "مجھے اپنے افعال سے شرم آتی ہے کہ قیامت میں اپنے نانا کے چہرہ پر نظر ڈالوں" نیز معاملات' طریقت کے بیان میں بھی آپ سے بہت کلمات لطیف منقول ہیں جیسے:۔

نقل ہے کہ آپ سے پوچھا کہ صبر کرنے والا فقیر افضل ہے یا شکر کرنے والا امیر؟ فرمایا "صابر فقیر۔ کیونکہ امیر آدمی کا دل ہتھیلی میں ہوتا ہے۔ اور فقیر کا دل اپنے خدا کے ساتھ" پھر فرمایا توبہ کے بغیر عبادت صحیح نہیں ہوتی۔ حق تعالیٰ نے توبہ کو عبادت پر اپنے کلام میں مقدم فرمایا ہے کہ (توبہ کرنے والے عبادت کرنے والے) کیوں کہ توبہ ابتدائی مقام ہے اور عبادت اس کی انتہا' اور فرمایا اللہ تعالیٰ کے ذکر کے وقت توبہ کو یاد کرنا خدا کی یاد سے غافل ہو جانا ہے۔ ذکر خدا کی حقیقت یہ ہے کہ اپنے آس پاس کی تمام اشیاء کو بھول جائے۔ اس لئے کہ اس کی غرض و غایت خدا ہے نہ کہ آس پاس کی چیزیں اور فرمایا جو شخص اپنے نفس سے نفس کے لئے جہاد کرتا ہے اسے خدائی کراماتیں حاصل ہوتی ہیں۔ اور جو شخص خدا کے لئے اپنے نفس سے جہاد کرتا ہے وہ خدا تک پہنچ جاتا ہے۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی جنت اور دوزخ دنیا میں بھی ہے۔ جنت عافیت ہے اور دوزخ بلاد مصیبت' بہشت یہ ہے کہ تم اپنا کام خدا

کے سپرد کردو۔ اور فرمایا اگر دشمن کی محبت اولیاء کے لئے مضر ہوتی تو فرعون لعین سے موسیٰ علیہ السلام کو نقصان پہنچتا۔ اور اگر اولیاء کی محبت دشمنوں کو مفید ہوتی تو نوحؑ اور لوطؑ کی بیویوں کی شفاعت کرتی۔

اسی طرح عشق و محبت کے اطوار اور توحید و معرفت کے بیان میں بھی بہت سے کلمات عالیہ ہیں۔ جیسے نقل ہے کہ آپ سے کسی نے کہا کہ آپ میں تمام خوبیاں ہیں۔ زاہد ہیں' مہربان ہیں' اور خاندان نبوت کے چشم و چراغ ہیں۔ لیکن بہت زیادہ متکبر ہیں۔ فرمایا "میں متکبر نہیں ہوں۔ یہ کبریا کا تکبر ہے جب میں اپنے کبر سے باز آیا تو اس کی کبریائی مجھ میں پیدا ہوگئی۔ اپنی بڑائی پر غرور نہیں کرنا چاہیے۔ لیکن اس کی بڑائی پر غرور کیا جاسکتا ہے۔ پھر فرمایا مومن وہ ہے جو اپنے نفس کے ساتھ قائم ہے۔ اور عارف ■ ہے جو اپنے خدا کے ساتھ قائم ہے۔ اور فرمایا کہ دیدار الٰہی اس وقت ثابت ہوا جب مجھے دیوانگی کی سند دی گئی' اور فرمایا کہ جس نے اللہ کو پہچان لیا اس نے ماسوا سے منہ پھیر لیا۔ یعنی عارف خدا کے سوا سب سے روگرداں ہوتا ہے۔

امام جعفر صادق اپنے زمانہ کے تمام مشائخ کے مرجع تھے۔ نقل ہے کہ ایک بار داؤد طائی آپ کے پاس آئے اور عرض کی کہ "اے فرزند رسولؐ خدا مجھے کچھ نصیحت فرمایئے۔ میرا دل سیاہ ہوگیا ہے۔" فرمایا "اے ابا سلیمان تم تو زاہد وقت ہو تمہیں نصیحت کی کیا ضروری ہے" انہوں نے کہا "اے پسر پیغامبرؐ آپ ساری مخلوق میں افضل ہیں آپ پر نصیحت کرنا واجب ہے۔" فرمایا "اے ابا سلیمان' میں اس وقت سے ڈرتا ہوں کہ قیامت میں میرے نانا مجھے طمانچہ ماریں کہ تو نے متابعت کا حق کیوں ادا نہیں کیا۔ یہ صرف نسبت صحیح اور نسبت قوی ہی کا کام نہیں ہے بلکہ دربار خداوندی کے لائق ہونے کا معاملہ ہے۔" حضرت داؤد رونے لگے اور کہا "بارخدایا! جو شخص طینت کا معجون اور نبوت کے پانی سے سیراب ہے۔ اور اس کے مزاج کی ترکیب برہان و دلیل کی بنیاد' اس کے نانا رسولؐ اور اس کی ماں بتولؓ۔ ■ اس حیرانی میں ہے' تو داؤد طائی کون ہے جو اپنے معاملہ میں تعجب کرے۔" اور بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے سالوں آپ کی خدمت کی ہے۔ اور بایزید کا مرتبہ اور مقام مشہور ہے کہ کتنا بلند تھا۔

کہتے ہیں یہ سب امام صادقؑ کی خدمت کی برکت تھی۔ خود انہوں نے فرمایا کہ میں نے چار سو پیروں کی خدمت کی مگر جب تک امام جعفر تک نہ پہنچا مسلمان نہ ہو سکا۔

نقل ہے کہ ایک روز بایزید امام جعفر کی خدمت میں بیٹھے تھے۔ امام نے فرمایا "طاق سے وہ کتاب اتار لاؤ" بایزید نے پوچھا "کون سا طاق" امام نے فرمایا "تم کو یہاں رہتے ہوئے اتنی مدت ہو گئی اور تم نے وہ طاق نہیں دیکھا" کہا "میں یہاں چیزیں دیکھنے کے لئے نہیں آیا ہوں۔ مجھے آپ کے سامنے سر اٹھانے سے کیا کام" امام صادق نے فرمایا "اگر ایسا ہے تو پھر تم بسطام واپس جاؤ۔ تمہارا کام پورا ہو گیا۔

آپ رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب اتنے ہیں کہ ان اوراق میں نہیں سما سکتے۔ آپ کی وفات پیر کے دن مدینہ منورہ میں ہوئی۔ یہ ہجرت کا ایک سو اڑتالیسواں سال تھا۔

سید محمد ندیم

لطیف آباد' حیدر آباد پاکستان

۳ اگست ۱۹۷۵ء

ذکر سیدنا امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ

وہ شریعت کے مقتدا، و طریقت کے امام، وہ حقیقت کے برہان، وہ معرفت کے سلطان، وہ اسرار کریم کے واقف، وہ خلق عظیم کے وارث، وہ اللہ میں فانی، وہ اللہ سے باقی، وہ اولاد بتول میں معظم، وہ فرزندان رسول میں مکرم، وہ بزرگ ترین اولاد ہاشم، امام موسیٰ کاظم ان پر اور (ان کے تمام اتباع کرنے والوں پر اللہ کی رحمت ہو) وہ اپنے زمانے کے تمام عالموں اور عارفوں میں افضل تھے۔ تمام علمائے شریعت اور مشائخ طریقت کا آپ ہی کی طرف میلان تھا۔ علماء اپنے مشکل مسئلے آپ سے حل کرتے، اور مشائخ طریقت کی باریکیاں آپ سے سلجھاتے۔ آپ نے اپنے والد امام جعفر صادقؓ کی صحبت میں طریقت کے منازل طے کئے۔ اور حقیقت کے مراتب میں ترقی حاصل کی، ریاضت و مجاہدہ میں آپ کی بڑی شان تھی۔ آپ وحدت کے سمندر کے غواص اور دریائے کثرت کے سیاح تھے۔ تمام عربی اور عجمی آپ کے مطیع و فرماں بردار تھے۔ لوگوں کی اطاعت و فرماں برداری دیکھ کر ہارون رشید کو اپنی خلافت کے زوال کا خوف دامنگیر ہوا تو اس نے آپ کو تکلیف پہنچانے کی کوشش کی۔

روایت ہے کہ جب ہارون رشید نے امام موسیٰ کاظم کا حال جانا، اور آپ کے امور سے واقف ہونا چاہا تو اس نے علی بن اسمٰعیل بن امام جعفر صادقؓ کو دولت کی لالچ دی، اور اپنے پاس بلا کر امام موسیٰ کا حال پوچھا، تو انہوں نے ایک واقعہ بیان کیا کہ امام موسیٰ نے ۳۰۰۰۰ تیس ہزار درہم میں زیورات خریدے اور قیمت ادا کرنی چاہی تو بیچنے والے نے کہا میں یہ سکہ نہیں لینا چاہتا مجھے فلاں سکہ دیجئے۔ امام موسیٰ اس مال کو اندر لے گئے اور اسی وقت تیس ہزار وہ سکہ جو بیچنے والا چاہتا تھا لا کر دے دیا۔ یعنی اپنی کرامت اور خرق عادت سے سکہ تبدیل کر کے اسی وقت قیمت ادا کر دی۔ رشید نے کہا (معلوم ہوتا ہے) کہ مشرق اور مغرب کے لوگ ان کے پاس اپنے مال کا پانچواں حصہ ہدیہ میں پیش کرتے ہیں۔

حسین بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے موسیٰ سے سوال کیا کہ اس زمانے کا امام

کون ہے؟ آپ نے فرمایا "اگر یقین کرو تو بتاؤں" کہا فرمایئے۔ انہوں نے جواب دیا "میں ہوں" میں نے کہا کیا دلیل ہے؟ انہوں نے ایک ببول کے درخت کی طرف اشارہ کرکے کہا "اس کے پاس جاؤ اور کہو کہ موسیٰ جعفر تجھے بلاتے ہیں" میں نے ایسا ہی کیا۔ اسی وقت درخت چلا اور زمین پھٹنے لگی۔ یہاں تک کہ وہ موسیٰ جعفر کے پاس آگیا۔

سنا گیا ہے کہ جب خلیفہ نے امام موسیٰ کی ہلاکت کے لئے تیغ و تیر کے ساتھ لوگوں کو مقرر کیا تو ہلاک نہ کرسکا۔ تیغ و تیر آپ کے جسم پر کوئی اثر نہ کرتے تھے۔ عاجز آگیا اور لوگوں سے پوچھا کہ اگر کسی کے بدن پر تیرو تلوار کا اثر نہ ہو تو اسے ہلاک کرنے کی کیا صورت ہے؟ کہا قلعی (رانگا) پگھلا کر اس کے حلق میں ڈال دیں تو ہلاک ہو جائے گا۔ قلعی بھی گرم کرکے آپ کے حلق مبارک میں ڈالی۔ پھر بھی ہلاک نہ کرسکا۔ امام موسیٰ نے قلعی کے ٹکڑے باہر نکال کر پھینک دیے اور ظالموں کے ظلم کو برداشت کیا۔ اس کا کوئی بدلہ نہ لیا۔ لہٰذا غصہ کو پی جانے ہی کی وجہ سے آپ کو کاظم کہتے تھے۔ کیونکہ لغت میں کظم کے معنی غصہ پی جانے کے ہیں۔ حقیقت میں آپ رضی اللہ عنہ ہر بات کو حق کی جانب سے دیکھتے تھے۔ آپ کی حق بیں نگاہوں کے سامنے مخلوق کا وجود ساقط ہوگیا تھا۔ بدلہ کس سے لیتے۔

جب نیکی بدی خدا سے دیکھی — منہ پھیر لیا ہے کل جہاں سے

بعضوں کا خیال ہے کہ آپ کو کاظم اس وجہ سے کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ کے خادم سے کھانا کھلاتے وقت گرم شوربہ آپ کے اوپر گر پڑا۔ آپ نے تیز نظر سے خادم کو دیکھا' خادم نے کہا "اور غصے کو پی جانے والے" یہ قرآن کی اس آیت کی یاد دلاتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کا ذکر کیا ہے۔ یعنی جنت آراستہ کی گئی ہے غصہ پی جانے والوں کے لئے۔ آپ نے فرمایا "میں نے غصہ پی لیا" خادم نے پھر اس کے آگے والی آیت پڑھی "میں نے معاف کیا" خادم نے پھر اس سے آگے والی عبارت تلاوت کی "اور اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے" امام رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں نے تجھ کو آزاد کر دیا"۔ بعضے اس حکایت کو امیر المومنین حضرت

عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے خادم کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ لیکن امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کی جو شان اور دبدبہ تھا اس کے سامنے اس طرح کی غفلت اور قرآنی تنبیہہ کرنا ان کے خادم سے ممکن نہیں۔ کیونکہ وہ علماء جو صحابہ کرام میں سے تھے' حضرت عمر کو ان کے دبدبے کی وجہ سے کسی مسئلہ کا جواب دینے کی جرات نہ کرتے تھے۔ خادم کی یہ مجال کہاں کہ آپ کو قرآن کی آیت یاد دلاکر تنبیہہ کرے۔

کتاب عوارف میں منقول ہے کہ امام موسیٰ بن جعفر سے لوگوں نے کہا کہ لوگ نماز میں آپ کے سامنے سے گزر جاتے ہیں اور آپ کی نماز کو فاسد کرتے ہیں۔ حضرت امام موسیٰ کاظم نے جواب میں فرمایا کہ "میں جس کی نماز پڑھتا ہوں وہ ان لوگوں کی نسبت مجھ سے زیادہ قریب ہے جو نماز میں میرے سامنے سے گزرتے ہیں۔

حضرت امام موسیٰ کاظم کے مناقب بیان سے باہر ہیں۔ وہ رحمتہ اللعالمین کے شجرہ نبوت کے ثمر ہیں۔ ان کے قدم کی برکت سے قہر الٰہی کے دریا کا اثر رک جاتا تھا۔ ورنہ ان ظالموں پر ایسا ٹوٹتا کہ جس کی مثال نہ ملتی۔ آپ کی جائے پیدائش مدینہ منورہ ہے۔ ہجرت کا ایک سو اٹھائیسواں سال تھا کہ آپ پیدا ہوئے۔ پچپاس سال کی عمر پائی۔ آپ کی والدہ حمیدہ مغربیہ ام ولد تھیں۔ ان کے بیس لڑکے تھے سب سے چھوٹے علی موسیٰ تھے جو سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ اور اٹھارہ لڑکیاں تھیں۔ آپ کی وفات ہارون رشید کی قید میں ہوئی۔ یہ ایک سو تراسیواں سال ہجری کا تھا۔ بغداد شریف میں قریش کے قبرستان میں دفن کئے گئے۔ "ہم اللہ کے لئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں"

ا۔ سنہ ولادت ۱۲۸ بتایا گیا ہے۔ پھر بتایا کہ پچپاس سال زندہ رہے۔ اس طرح سنہ وصال ۱۷۸ھ ہوتا ہے نہ کہ ۱۸۳ھ نعیم۔

محمد نعیم

۸ اگست ۱۹۷۵ء

لطیف آباد حیدر آباد پاکستان

ذکر سیدنا امام علی موسیٰ رضا رضی اللہ عنہ

وہ شجرہ نبوی کے میوے' وہ بلند اور روشن شاخ کے ثمر' وہ اولیائے عظام میں اشرف' وہ صوفیائے کرام میں اعظم' وہ اہل یقین کے پیشوا' وہ گروہ دیں کے قبلہ' وہ پسندیدہ اعمال کے منبع' وہ فخر و عظمت کے مجمع' وہ صوفیوں کے بادشاہ' وہ عارفوں کے سلطان' وہ حضرت مرتضیٰؓ کے جگر گوشہ' امام علی رضا رضی اللہ عنہ اہل طریقت کے رہنما' اعلیٰ مقام پر فائز اور عجوبہ احوال کے مالک اور اپنے والد موسیٰ کاظم کے خلیفہ تھے۔ ریاضت و مجاہدے میں بلند مرتبہ رکھتے تھے۔ خواجہ معروف کرخی جو سارے عالم کے مقتدا ہیں۔ ان ہی کے پرورش یافتہ تھے۔ اور خواجہ بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ جو عارفوں کے سلطان ہیں وہ بھی ان ہی کے تربیت یافتہ تھے۔

شیخ الاسلام شیخ حسن ابن شیخ حسین بلخی نے اپنی کتاب لطیف المعانی میں تحریر فرمایا ہے کہ سالکوں کی ترقی مقامات کے پانچ درجے ہیں۔ پہلا درجہ نفس ہے۔ یہ تمام ذمیمہ صفتوں کا مقام ہے۔ جب سالک اس سے گزرتا ہے تو دوسرے درجہ یعنی مقام قلب پر پہنچتا ہے۔ اور اہل دل ہو کر صفات حمیدہ سے متصف ہو جاتا ہے۔ جب اس جگہ سے ترقی کرتا ہے تو تیسرے درجہ یعنی مقام روح پر پہنچتا ہے اور جب یہاں سے آگے بڑھتا ہے تو چوتھے درجہ یعنی مقام سر پر پہنچتا ہے۔ یہاں تک تجلیات صفاتی کا ظہور ہے اور شیطان کو یہاں تک رسائی ہوئی ہے۔ بہت سے سالک اور راہ رو اس مقام پر لٹ جاتے ہیں۔ اس مقام سے ترقی کسی پیر کی خدمت کی برکت سے جو اس راہ میں چلا ہو' نشیب و فراز راہ اور اس کی آفتوں کو جانتا ہو اور راستہ کے ڈاکوؤں سے بھی واقف ہو' حاصل ہوتی ہے۔ بایزید نے (ابتدائی) پیروں کی خدمت سے یہ چار مقامات حاصل کر لئے تھے۔ اور مقام سر میں پہنچ چکے تھے۔ جب خاندان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزندوں سے ملے اور ان کی خدمت کی تو امام علی رضا رضی اللہ عنہ کی خدمت نے ان کو اس مقام سے ترقی عطا کی اور اس سے آگے بڑھا کر ذات

حق تک پہنچا دیا اور صفات کی تجلیات سے فارغ کر دیا۔

حکایت نقل کرنے والے یہ بھی کہتے ہیں کہ جب بایزید امام علی رضاؑ کی بیعت میں آئے تو امام نے فرمایا "جن لوگوں کی تم نے صحبت حاصل کی انھیں کیسا پایا" بایزید نے جواب دیا "کوئی نقصان سے خالی نہ تھا" امام نے فرمایا "وہ نقصان ان میں نہیں بلکہ تمھاری بصیرت میں تھا" اور یہ حکایتیں اس کی مخالف نہیں ہیں جو امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے ذکر میں بیان کی گئی ہے کہ خواجہ بایزیدؒ نے کہا "میں نے چار سو پیروں کی خدمت کی۔ اگر امام جعفر تک نہ پہنچتا تو مسلمان نہ ہوتا" ممکن ہے یہ ان کا ابتدائی حال ہو اور اس جگہ جو بیان کیا گیا ہے ان کے کمال کا ذکر ہو۔ کیونکہ صوفی کا انتہائی مقام ذات حق کے ساتھ وصول ہے۔ اور اس جگہ کفر و اسلام کا فرق اٹھ جاتا ہے۔ یہی خالص وحدت کا مقام ہے۔ خواجہ نجم الدین کبریٰ نے فرمایا ہے۔

کفر و اسلام و سنت و بدعت ۔ یہ تو فرقوں کی اصطلاحیں ہیں

اور شیخ الاسلام شیخ حسین مغرشی بلخی نے فرمایا۔

اک خدا آبادہی ہے عاشقوں کا بس وطن
نے حریم کعبہ اس جانے سرائے اہرمن

نقل ہے کہ ایک روز بایزید امام صادق کی خدمت میں حاضر تھے۔ امام نے فرمایا وہ کتاب طاق سے اتار لاؤ۔ بایزید نے کہا "کون سا طاق" امام نے فرمایا "حیرت ہے۔ اتنے دنوں سے تم یہاں ہو اور اس طاق کو نہیں دیکھا!" بایزید نے جواب دیا "مجھے اس سے کیا کام۔ میرا فرض تو یہ ہے کہ آپ کے سامنے سرنگوں رہوں نہ کہ چیزوں کا نظارہ کروں"۔ امام نے فرمایا "اگر ایسا ہے تو بسطام لوٹ جاؤ تمھارا کام پورا ہو گیا۔" امام نے یہ بات سالک کی رغبت اور خصوصیت کے لئے فرمائی۔ یہ نہیں کہ بس اتنا کہہ دینے میں کام پورا ہو جاتا ہے۔ سالکان راہ خدا کی رغبت ریاضت اور مجاہدہ اتنا مختصر نہیں ہے کہ بشر اسے معلوم کر سکے، اور یہ جو "وصیت نامہ" میں فرمایا ہے کہ۔

ان دنوں میں خواجہ صادق تھے امام ۔ سالکوں کے کھولتے تھے بند کام
بایزید آکر ہوئے صحبت میں پاک ۔ اور رہے بن کر ہمیشہ در کی خاک

مرتبے جب تک نہ حاصل ہو سکے ۔ قرب حق سے وہ نہ واصل ہو سکے
دیکھا جب صادق نے ان کو باطام ۔ کہہ دیا لو ہو گئی کوشش تمام
اب خراساں جا کے بے چون و چرا ۔ خلق کو دکھلاؤ تم راہ خدا

اس سے ذات حق کا وصول لازم نہیں آتا۔ بلکہ "کام تمام ہونے" سے یہ مراد ہے کہ "تم پیری اور رہنمائی کے قابل ہو گئے۔ شیخ الاسلام شیخ حسین معز شمس بلخی نے (آپ کا مرتبہ بلند ہو) رسالہ جواہر السلوک میں نقل فرمایا ہے "ولیوں کی ایک قسم وہ ہے جو فنا کے مرتبے پر پہنچ جاتی ہے۔ مگر جب وہ لوگ سلوک کے مرتبے طے کر لیتے ہیں اور ان کے وجود کا شائبہ باقی رہ جاتا ہے تو تجلی صفات کے انوار ان پر غالب آتے اور اس کے کوہ بشریت کو فنا کر دینے میں یہ ایسی فنا ہوگی جو درپردہ واپس لوٹ سکتی ہے۔ یہ گروہ سیرفی اللہ میں کامل نہیں ہوتا۔ دفعتہ" موسیٰ کی طرح اپنی مراد کے طور پر پہنچتا ہے۔ اور کچھ مدت تجلی کے دربار کا نظارہ کرتا ہے۔ اور مقام رشک میں "میں پاک ہوں۔ میرے جامہ میں میرے سوا اور کوئی نہیں" کی آواز اپنے باطن سے سنتا ہے۔ اور دونوں جہان میں میرے سوا کوئی اور ہے" کا دعویٰ کرتا ہے۔ اسی وقت غیرت کا نقیب درگاہ جلال سے اس کے بیکار سر پر دوری کا تازیانہ مارتا ہے۔ تو "تو ہی ہے اور میں تیری طرف لوٹتا ہوں" کہہ کر آپ کو مصیبت و غم میں مبتلا کرتا ہے اور اپنے ظلم اور فسق کا اقرار کر کے زبان حال سے کہتا ہے۔

صورت کی تنگیوں میں معنی سمائے کیوں کر
گھر سے کسی گدا کے شاہوں کو واسطہ کیا

لیکن چونکہ وہ حقائق سے مطلع اور نشیب و فراز راہ سے آگاہ، اور جمال کی شراب اور جلال کے قہر کو چکھ چکے ہوتے ہیں اس لئے پیری اور اقتدا کے لائق ہو جاتے ہیں اور مریدوں کو راستہ دکھا سکتے ہیں" یہاں تک شیخ الاسلام رحمتہ اللہ علیہ کی عبارت ختم ہوئی۔

ولیوں کی یہ قسم جو شیخ الاسلام نے بیان کی زمانے میں بہت کم پائی جاتی ہے۔ اسی زمانے میں نہیں بلکہ پہلے زمانے میں بھی یہ قسم خال خال پائی جاتی تھی۔ ایسے ولی کسی

پیر کے، جو زمانے کا بزرگ ہو، سایہ میں آکر ہی ذات حق سے واصل ہوتے ہیں۔ باقی سب مقامات رسیدہ اور باطن کے آباد کرنے والے ہیں۔ آداب المریدین میں آیا ہے کہ "لوگوں نے ابوبکر واسطی رحمتہ اللہ علیہ سے مالک بن دینار، داؤد طائی اور محمد بن واسع کے مانند عابدوں کے متعلق دریافت کیا تو ابوبکر واسطی رحمتہ اللہ نے جواب دیا کہ (عابدوں) کا یہ گروہ اپنے نفس سے باہر نہ ہو سکا مگر اپنے نفس کی طرف فانی نعمتوں کو ابدی نعمتوں کے لئے ترک کر دیا۔ پھر کہاں ہے فنا سے بقا کا حال۔

شیخ الاسلام شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کے پرانے مکتوبات میں منقول ہے کہ خواجہ منصور حلاج نے خواجہ ابراہیم خواص کو صحرا میں پھرتے ہوئے دیکھا۔ پوچھا کیا کر رہے ہو؟ جواب دیا توکل میں اپنا قدم درست کر رہا ہوں، خواجہ منصور نے فرمایا "تم نے اپنی عمر تو باطن کے آباد کرنے میں ضائع کر دی۔ پھر توحید کے مقام پر کب پہنچو گے۔

یہاں کوئی یہ نہ سمجھے کہ بایزید جو امام صادق رحمتہ اللہ علیہ کے زمانے میں تھے امام علی رضا کے زمانہ میں نہ رہے ہوں گے۔ کیونکہ خواجہ بایزید خواجہ معروف کرخی کے بعد ہوئے ہیں۔ جو امام علی رضا کے تربیت یافتہ تھے۔ ہمارے مخدوم اور مولانا نے جو ایک بلند مرتبہ عالم تھے اپنی تصنیف مسمّی بہ صفی میں جو سیر مصطفیٰ میں ہے۔ طبقات کے بیان میں اس کو نقل کیا ہے اور صاحب قوت القلوب نے شیخ ابوطالب کی تصنیفات میں سے ایک تصنیف کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ پانچویں طبقہ کے زاہد خواجہ معروف کرخی تھے۔ اور چھٹے طبقہ کے زاہد خواجہ بایزید بسطامی تھے اور رسالہ قشیری میں خواجہ معروف کرخی کی وفات ۲۰۰ھ لکھی ہے۔ اور خواجہ بایزید بسطامی کی وفات ۲۶۱ھ لکھی ہے۔ لہٰذا جب وہ خواجہ معروف کرخی کے بعد ہیں تو بالضرور امام علی رضا کے زمانہ میں ہوں گے۔

شیخ الاسلام شیخ حسین معز شمس بلخی نے رسالہ نسب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت امام علی رضا کی وفات ۲۰۳ھ لکھی ہے۔ امام علی رضا کے زمانے میں خواجہ بایزید کے ہونے پر دلیل تحقیقی عبارتوں سے ثابت ہے۔ اور خواجہ بایزید رحمتہ اللہ

علیہ کے بعض متعلقین کے شجرہ میں یہ بات دیکھی گئی ہے جس کی رو سے ان کی صحبت و خلافت امام علی رضا تک اس سند سے پہنچتی ہے کہ قوام الدین محمد ابو الفضل نے اپنے والد جمال الدین عبدالجید سے خرقہ خلافت پہنا۔ انہوں نے نجم الدین فضل سے' انہوں نے اپنے چچا یا (ماموں) شیخ جلال ابن مسعود سے۔ انہوں نے اپنے چچا (یاماموں) محی الدین عبداللہ شاہنشاہ سے۔ انہوں نے جمال ابن علی سے' انہوں نے شیخ عزالدین سے' انہوں نے شیخ جمال الدین سے' انہوں نے امام العارفین ۔سطامی سے' انہوں نے شیخ حسن الروحی ابن ابی بکر سے' انہوں نے ولد استاد ابراہیم الکتابی سے' انہوں نے موسیٰ سے' انہوں نے سلطان العارفین شیخ بایزید طیفور عیسٰی البسطامی سے' انہوں نے امام علی رضا سے۔ انہوں نے امام موسیٰ کاظم سے' انہوں نے امام جعفر صادق سے' انہوں نے امام محمد باقر سے انہوں نے امام زین العابدین سے۔ انہوں نے امام حسین شہید دشت کربلا سے۔ انہوں نے علی ابن ابی طالب سے' اور انہوں نے خاتم النبین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔

رسالہ قشیری سے عربی عبارت میں منقول ہے جس کا ترجمہ فارسی میں کیا گیا ہے کہ معروف کرخی نے فرمایا کہ میں کوفہ میں پہنچا تو ایک مرد' جس کو لوگ ابن سماک کہتے تھے' لوگوں میں وعظ کہہ رہا تھا۔ اس نے اپنے وعظ کے دوران کہا۔ "جس نے خدا سے بالکل منہ پھیرلیا' خدا بھی اس سے بالکل منہ پھیر لیتا ہے۔ اور جو دل سے خدا کو یاد کرتا ہے خدا اپنی رحمت سے اس کو نوازتا ہے' اور جو کبھی کبھی خدا کو یاد کرتا ہے' خدا بھی کبھی کبھی اس پر رحمت بھیجتا ہے۔" یہ بات میرے دل میں بیٹھ گئی' اور میں نے خدا کی یاد میں دنیا کی تمام چیزوں کو سوائے اپنے مولا علی موسیٰ رضا کی خدمت کے' ترک کر دیں۔ اور میں نے ان سے ابن سماک کی بات بیان کی۔ تو انہوں نے فرمایا "تمہیں ابن سماک کا وعظ کافی ہے۔"

اہل طریقت کہتے ہیں کہ معروف میں جو بزرگیاں اور احوال عجیب ظاہر ہوئے وہ امام علی رضا کی خدمت کی برکت سے تھے۔ اور اہل طریقت نے معروف کرخی کے فخر کو اس عبارت سے تعبیر کیا ہے کہ وہ امام علی رضا کے تربیت یافتہ ہیں۔

نقل ہے کہ امام علی رضا رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ خداوند تعالیٰ نے آدمی کے جسم کو ایک سلطنت بنایا ہے۔ اور اس کی بادشاہی دل کو عطا کی ہے۔ اس بادشاہ کا محل جسم ہے۔ معدہ اس کا خزانہ' سینہ اس کا خیمہ گاہ ہے۔ اس بادشاہ کے غلام رگیں' اعضا اور جوڑ ہیں۔ بعضے ظاہر ہیں اور بعضے پوشیدہ' دو ہاتھ' دو پیر' دو کان' دو آنکھ' دو ہونٹ اور ایک زبان اس بادشاہ کے مددگار ہیں۔ یہ دو ہاتھ غلام کی طرح ہیں جو ہر وقت تیار رہتے ہیں کہ بادشاہ جو مانگے اسے حاضر کریں۔ اور جو نہ چاہے اسے دور کر دیں۔ دو پیر سواری کی طرح ہیں' جو بادشاہ کو لے جاتے ہیں۔ دو آنکھیں دو ناظر ہیں کہ سلطنت میں جو ہوتا ہے اسے دیکھتی رہیں۔ دو کان دو مخبر کی طرح ہیں کہ سلطنت میں جو بات ہو بادشاہ کو اس کی خبر کریں اور جو بات سنیں اسی وقت بادشاہ کے گوش گزار کریں۔ اور دل جو بادشاہ ہے بہت صابر ہے۔ کوئی کام اس کا عجلت میں نہیں ہوتا۔ جب یہ دونوں مخبر کوئی بات سنتے ہیں تو ذرا ٹھہر کر بادشاہ کو پہنچا دیتے ہیں' اور زبان جو ترجمان ہے اس کے جواب میں فرمان جاری کرتی ہے' اور یہی زبان جو کہ ترجمان ہے وہ دونوں مخبروں کی مددگار بھی ہے اور دانت کلام میں امتیاز کرنے میں ساتھ دیتے ہیں۔ اور ناک دو دروازے ہیں کہ اگر بدبو آتی ہے تو اسی وقت دو دربان دروازہ بند کر دیتے ہیں کہ وہ بدبو بادشاہ کے حجرے میں نہ جائے' جب تک کہ بادشاہ اجازت نہ دے۔ اس بادشاہ کو آرام و تکلیف کا احساس ہوتا ہے۔ خوشی اس کا آرام اور غم اس کی تکلیف ہے۔ جن کا اثر چہرے پر ظاہر ہوتا ہے۔ آرام سے سرخی اور تکلیف سے زردی نمودار ہوتی ہے۔

حکایت بیان کرنے والے کہتے ہیں کہ پہلے امام علی رضا کا مسکن بغداد تھا۔ جب خلیفہ وقت نے دشمنی اختیار کی تو آدھی رات کو امام کھڑے ہو گئے اور اہلیہ کا ہاتھ تھام کر کہا آنکھیں بند کر لو' انہوں نے آنکھیں بند کر لیں' تو اسی وقت طوس کے قریب ایک بیابان میں پہنچ گئے جسے آج کل مشہد امام علی رضا کہتے ہیں۔ اور چنار کے ایک درخت کے نیچے جو سالوں سے خشک پڑا تھا بیٹھ گئے۔ یہ مقام بغداد سے چار ماہ کی مسافت پر تھا۔ آپ کے قدم مبارک کی برکت سے وہ چنار کا درخت سرسبز و شاداب

ہو گیا اور تر و تازہ پتے نکل آئے' آج بھی وہ چنار کا درخت اسی طرح تر و تازہ اور شاداب ہے۔ ایک چرواہا اس جنگل میں بکریاں چرایا کرتا تھا۔ جب وہ آیا اور سالوں کے خشک شدہ چنار کے درخت کو سبز پتوں سے ہرا بھرا دیکھا اور اس کے نیچے ایک مرد بزرگ کو بیٹھا پایا' جن کی پیشانی کے نور سے سارا بیابان روشن اور خوشبودار ہو گیا تھا۔ حیرت میں پڑ گیا۔ امام کی عظمت کے خوف سے اس کی زبان گنگ ہو گئی۔ کچھ کہنے یا پوچھنے کی تاب باقی نہ رہی۔ امام نے اس سے کہا کہ قیمت لے کر تھوڑا سا دودھ دے دو' چرواہے نے کہا یہ تمام بکریاں بغیر دودھ کی ہیں۔ دودھ والی کوئی نہیں ہے۔ امام نے فرمایا جو بکری تمہاری ہو اسے لے آؤ۔ چرواہا ایک بکری امام کے سامنے لے آیا۔ انہوں نے اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا تو اس کا تھن دودھ سے بھر گیا۔ کوئی برتن نہ تھا جس میں دودھ دوہتے۔ امام کے سامنے ایک پتھر پڑا تھا۔ آپ نے اس کو موم کی طرح مل کر ایک پیالہ بنالیا اور اس میں دودھ دوہ لیا۔ اس میں سے تھوڑا سا دودھ امام نے لے لیا' باقی چرواہے کو دے دیا۔ پھر اس سے پانی مانگا' چرواہے نے کہا اس جگہ پانی نہیں ہے۔ ایک پہاڑ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ البتہ اس پہاڑ میں ایک چشمہ ہے۔ امام نے اپنا دست مبارک اس طرف پھیلایا اور اسے اپنی جانب کھینچ لیا۔ تھوڑی ہی دیر میں اس چشمہ کا پانی آپ کے پاؤں کے نیچے جاری ہو گیا۔ کہتے ہیں آج بھی وہ چشمہ جاری ہے۔ اور تمام مخلوق اس سے سیراب ہوتی ہے۔ جب چرواہے نے یہ کرامتیں دیکھیں تو شہر طوس میں جا کر لوگوں سے اس کا ذکر کیا۔ ساری مخلوق آپ کی قدم بوسی کے لئے آنے لگی۔ شہر کے حکام اور وہاں کے شرفا نے آپ سے التماس کی کہ آپ شہر میں تشریف لے چلیں۔ امام نے فرمایا جو ہمیں چاہتا ہے وہ یہیں آکر آباد ہو جائے۔ پھر تو جو خوش قسمت لوگ تھے انہوں نے امام کے سائے میں آکر پناہ لی۔ جب ان کو شہر سے اپنا سامان لانے میں دقت ہوتی تو وہ امام سے عرض کرتے۔ آپ اپنی کرامت سے ان کا مال و اسباب شہر طوس سے مشہد میں پہنچوا دیتے۔ اس طرح شہر کے بہت سے لوگ مشہد میں آکر آباد ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ شہر طوس کی آبادی مشہد کے مقابلہ میں کم ہو گئی۔ آج کل مشہد ہی ایک آباد شہر ہے۔ خدا جانے اس شہر

کو مشہد اسی لئے کہتے ہیں کہ وہاں امام علی رضا رحمتہ اللہ علیہ کا شہود اور حضور ہے۔

آپ کے مناقب اور طریقت کی باریکیاں اور حقیقت کے راز جو آپ نے بیان کئے بہت ہیں۔ لیکن اس سرزمین تک نہیں پہنچ سکے ہیں۔ زبان اور دل ان کے مناقب کے بیان سے عاجز ہے۔ وہ ذات جو بارگاہ نبوت سے اس درجہ الحاق رکھتی ہو' انسان کو اتنی واقفیت کہاں کہ اس کی تعریف کرسکے۔ انسان کی عقل اور سمجھ میں جو آسکتا ہے آپ کے مناقب اس سے کہیں زیادہ بلند ہیں۔

آپ رحمتہ اللہ علیہ کو اس لئے رضا کہتے تھے کہ آپ عالم کثرت میں محویت کے ساتھ راضی بہ رضائے حق رہتے تھے۔ زمانے کی سختیاں اور حادثات آپ کی نگاہ حق میں شہد و شکر کی طرح تھے۔ آپ کی جائے پیدائش مدینہ منورہ ہے سن ۱۵۱ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے انچاس ۴۹ سال عمر پائی۔ آپ کی والدہ ماجدہ ام البنین تھیں اور ایک روایت سے حیدریہ ام ولد تھیں۔ ان کے صاحبزادے محمد تقی' موسیٰ' حسن اور حسین تھے۔ اور صاحبزادیوں میں فاطمہ اور سکینہ تھیں' آپ کی وفات سن ۲۰۰ھ میں ہوئی۔ آپ کا مشہد طوس میں ہے۔ کہتے ہیں کہ ہارون رشید کے لڑکے مامون نے آپ کو زہر دیا تھا۔ (ہم اللہ کے لئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ جانے والے ہیں۔"

کہتے ہیں امام کی قبر مبارک پر قیمتی لعل و جواہر جڑے ہوئے ہیں۔ زائرین میں سے ایک شخص نے دانت سے پکڑ کر ایک نگینہ لعل کا "اکھاڑنا چاہا۔ اس کی اس بے ادبی سے غیرت الٰہی کو جوش آگیا۔ اس کے دانت لعل سے چپک کر رہ گئے۔ لوگوں نے بہت چھڑانا چاہا۔ مگر اس کے دانت کو لعل سے جدا نہ کرسکے۔ آخر دانت ٹوٹ گیا۔ اس کے بعد آپ کی قبر مبارک کے گرد اشوحات کا کٹہرا لگا دیا گیا ہے۔ جو شخص زیارت کے لئے جاتا ہے ہاتھ بڑھا کر قبر مبارک کی پائینتی کو چھوتا اور چوم لیتا ہے۔ کہتے ہیں جس کی موت اتنا قریب ہوتی کہ ایک سال سے زیادہ وہ زندہ رہنے والا نہیں ہوتا تو اس کا ہاتھ غلاف کے دامن تک نہیں پہنچتا۔ اگرچہ اس کا ہاتھ کتنا ہی لمبا کیوں نہ ہو۔

ایسی کرامتیں جن کا ذکر کیا گیا مردان خدا سے اور بالخصوص فرزندان مصطفیٰ صلی

اللہ علیہ وسلم سے کوئی بعید نہیں ہے اور نہ کوئی تعجب کی بات ہے۔ بلکہ یہ اولیا تو ایسی کرامات کی طرف مائل ہی نہیں ہوتے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے ارادے کے تحت ان سے ظاہر کراتا ہے تاکہ بندگان خدا ان کی دولت کی برکت سے اپنا حصہ اور لطف حاصل کریں۔

یہاں اس شجرہ مبارک میں حضرت امام علی رضا کے ذکر پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزندوں کا ذکر ختم ہوگیا۔ اس شجرہ معظمہ کی ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ اس شجرہ میں چھ فرزندان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ سب تعریف اللہ کے لئے ہے۔ اے اللہ محمدؐ اور آل محمدؐ پر درود نازل فرما۔

سید محمد ندیم
لطیف آباد' حیدر آباد پاکستان
۲۶ اگست ۱۹۷۵ء

ذکر حضرت خواجہ معروف کرخی رحمتہ اللہ عنہ

وہ روضہ رضا کے سرچشمہ' وہ علی ابن موسیٰ رضا کے تربیت یافتہ' وہ گروہ اولیا کے مقبول' وہ بیان لطائف میں مخصوص' وہ نسیم وصال کے ہمدم' ▪ حریم جلال کے محرم' و میدان معنی کے مرد' وہ بارگاہ تقویٰ کے فرد' ▪ "اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے" کے کارخانہ کے عزت یافتہ' وہ نہیں ہے میرے رب کے نزدیک صبح و شام" کے آشیانہ کے شاہباز' وہ گروش صبح و شام کی قیود سے آزاد' خواجہ ابو محفوظ معروف ابن فیروز کرخی "ان پر رحمت و بخشش ہو" بغداد کے سربرآوردہ مشائخ میں سے تھے۔ اور مقبول الدعا تھے۔ بغداد کے ایک محلہ جس کا نام کرخ ہے کے رہنے والے تھے۔ اپنے وقت کے اصحاب طریقت میں باعظمت اور ارباب حقیقت کے پیشوا اور ہمعصر دوستوں کے سردار اور عارفوں کے مقتدا تھے۔ کہتے ہیں کہ اگر معروف نہ ہوتے تو کوئی عارف نہ ہوتا۔ آپ کی کرامات و ریاضات بہت ہیں۔ امام علی موسیٰ رضا رضی اللہ عنہ کے صحبت یافتہ تھے۔ واقعہ یہ تھا کہ ان کے ماں باپ عیسائی تھے۔ جب انہوں نے آپ کو معلم کے پاس بھیجا تو استاد نے کہا کہو "تین میں تیسرا" آپ نے فرمایا نہیں بلکہ وہ اللہ ایک" جتنا بھی استاد کہتا تھا "کہو تین خدا ہیں" آپ فرماتے تھے "ایک" ان کے استاد اور باپ نے ہزار کہا کوئی اثر نہ ہوا تو ایک روز آپ کو بہت مارا۔ آپ وہاں سے بھاگ نکلے۔ انہوں نے بہت تلاش کیا۔ مگر آپ ہاتھ نہ آئے۔ ان کے ماں باپ کہنے لگے کاش وہ آجاتا تو جو دین بھی وہ اختیار کرتا ہم اس کی اس موافقت کرتے۔

آپ وہاں سے آکر حضرت امام علی رضا کے ہاتھ پر مسلمان ہوگئے۔ اور عرصہ دراز تک ان کی خدمت میں رہے۔ وہ آپ سے بہت محبت اور تعریف کرتے تھے۔ کچھ روز کے بعد آپ واپس آئے اور باپ کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ انہوں نے پوچھا کون ہے؟ کہا معروف پھر کہا کس دین پر ہے؟ کہا دین محمدؐ پر ماں باپ اسی وقت مسلمان ہوگئے۔ پھر آپ داؤد طائی کی خدمت میں آئے اور بڑی ریاضتیں اور عبادتیں کیں۔ اور صدق میں وہ مقام حاصل کیا کہ لوگ آپ کی مثال دیتے تھے۔ وہاں آپ متقی

ہو گئے۔

نقل ہے کہ آپ نے فرمایا: جواں مردوں کی تین علامتیں ہیں۔ ایک وفا جس میں مخالفت نہ ہو۔ دوسرے تعریف جو بخشش یا عطیہ کی آرزو کے بغیر ہو۔ تیسرے یہ کہ سائل کے سوال کرنے سے قبل اس کا سوال پورا کر دیا جائے۔ ہاں وفا بے خلاف یہ ہے کہ بندہ اپنی بندگی کے زمانے میں مخالفت و معصیت اپنے اوپر حرام جانے۔ اور روح بے جود یہ ہے کہ جس شخص سے کوئی بھلائی نہ دیکھی ہو اس کو اچھا کہے۔ اور عطا بے سوال یہ ہے کہ جب تک زندگی ہے دینے میں تمیز نہ کرے' جب کسی کا حال معلوم ہوا کہ صاحب ضرورت ہے تو اسے فورا دیدے۔

آپ کے بہت سے مناقب ہیں۔ اور اخلاق میں بڑی شان رکھتے تھے۔ جیسا کہ نقل ہے۔ آپ نے فرمایا میں دریائے دجلہ پر گیا اور وضو تازہ کرنے کے لئے قرآن کریم اور جانماز کنارے رکھ دی۔ ایک بوڑھی عورت آئی اور اٹھا کر چلتی ہوئی۔ معروف اس کے پیچھے چلے۔ جب وہ اپنے دروازے پر پہنچی تو آپ نے سر جھکائے ہوئے تاکہ اس پر نظر نہ پڑے پوچھا "تمہاری کوئی لڑکی ہے جو قرآن پڑھتی ہو؟ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا قرآن مجھے دیدو۔ اور جائے نماز اب تمہاری ہے۔ عورت نے جو آپ کی یہ بردباری دیکھی تو دونوں چیزیں وہیں رکھدیں۔ آپ نے فرمایا جائے نماز میں نے تجھے حلال کی اسے لے لے۔ عورت شرمندہ ہو کر چلی گئی اور شرم کی وجہ سے جانماز بھی نہ لی۔

آپ علم کے مختلف فنون میں ایک بڑے عالم اور قوم کے پیشوا تھے۔ نقل ہے کہ ایک روز مریدوں کی ایک جماعت کے ساتھ جا رہے تھے۔ نوجوانوں کی ایک جماعت آتی ہوئی دکھائی دی جو لہو و لعب میں مشغول تھی۔ جب دجلہ کے کنارے پہنچے تو دوستوں نے کہا اے شیخ دعا فرمائے کہ اللہ تعالی ان سب کو غرق کر دے تاکہ یہ اپنی بدبختی سے چھوٹ جائیں۔ معروف نے فرمایا ہاتھ اٹھاؤ۔ اور دعا کی الہی جیسے تو نے ان کو اس جہان میں اچھا عیش دیا ہے۔ اسی طرح اس جہان میں بھی ان کو اچھا عیش عطا فرما۔ آپ کے اصحاب متعجب ہوئے اور کہا کہ اے خواجہ ہم اس دعا کا راز نہیں

جانتے فرمایا ذرا ٹھہرو ظاہر ہو جائے گا۔ اس جماعت کے لوگوں نے جب شیخ کو دیکھا تو اپنا رباب توڑ ڈالا' شراب انڈیل دی اور روتے ہوئے شیخ کے پاؤں پر گر پڑے اور توبہ کرلی شیخ نے کہا دیکھو بغیر ڈوبے اور بغیر کسی کو تکلیف پہنچے سب کی مراد حاصل ہو گئی۔

نقل ہے کہ سری سقطی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ عید کے دن میں نے معروف رحمتہ اللہ علیہ کو کھجوریں چنتے دیکھا۔ میں نے پوچھا آپ اس کا کیا کریں گے؟ فرمایا کل میں نے ایک یتیم کو روتے ہوئے دیکھا۔ پوچھا کیوں روتے ہو۔ کہا میں یتیم ہوں نہ ماں ہیں نہ باپ' سب لڑکے کپڑے پہنیں گے اور میرے پاس نہیں ہے۔ یہ کھجوریں اس لئے چن رہا ہوں کہ انہیں بیچ کر اس کے لئے کپڑے خریدوں اور اسے اخروٹ دوں تاکہ خوش ہو کر کھیلنے لگے۔ سری سقطی نے کہا میں اس کام کے لئے کافی ہوں آپ زحمت نہ کریں سری سقطی نے کہا کہ میں اس لڑکے کو اپنے ساتھ لے گیا کپڑے پہنائے' اخروٹ خرید کر دیئے اور اس کا دل خوش کیا۔ اسی وقت میرے دل میں ایک نور پیدا ہوا اور میرا حال بدل گیا۔

نقل ہے کہ سری سقطی نے فرمایا۔ ایک دن خواجہ نے میری طرف توجہ فرمائی اور کہا۔ جب تم کو اللہ تعالیٰ سے کوئی حاجت پیش آئے تو اللہ تعالیٰ کو میری قسم دو اور حاجت طلب کرو۔ تمہاری حاجت پوری ہو جائے گی۔

نقل ہے ایک دن روزہ دار تھے۔ ظہر کی نماز کے وقت بازار گئے۔ ایک بہشتی کہہ رہا تھا اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحمت کرے جو یہ پانی پی لے۔ معروف نے اسی وقت بہشتی سے پانی لے کر پی لیا۔ لوگوں نے کہا اے شیخ آپ کیا روزہ سے نہیں ہیں؟ فرمایا ہاں مگر اس بہشتی کی دعا کی طرف میں نے رغبت کی۔ آپ کی وفات کے بعد لوگوں نے آپ کو خواب میں دیکھا تو پوچھا اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ فرمایا اس سقہ کی دعا سے میرے حال پر رحم فرمایا۔

نقل ہے کہ مرض موت میں لوگوں نے عرض کیا کہ کچھ وصیت فرمائیے۔ فرمایا جب میں انتقال کروں تو میرا لباس صدقہ کر دینا۔ میں چاہتا ہوں جس طرح دنیا میں

برہنہ آیا ویسے ہی برہنہ یہاں سے جاؤں' آپ نے بغداد میں وفات پائی اور یہ ۲۰۰ھ تھا۔ آپ کے مزار کی خاک بیماروں کے لئے شفا اور زہر کا آزمودہ تریاق ہے۔ خواجہ سر سقطی رحمتہ اللہ علیہ نے معروف کرخی رحمتہ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا کہ وہ عرش کے نیچے بے ہوش پڑے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی۔ اے فرشتو' یہ کون ہے؟ فرشتوں نے جواب دیا خداوندا تو بہتر جانتا ہے' آواز آئی کہ یہ معروف ہے۔ میری محبت میں بے خود ہوگیا ہے۔ میرے دیدار کے بغیر ہوش میں نہ آئے گا۔ اور میری بقا کے سوا اسے اپنی خبر نہ ہوگی۔ آپ کے کرامات عالیہ اور فضائل بہت ہیں۔ ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش ہو۔

محمد نعیم

۳۰ اگست ۱۹۷۵ء

لطیف آباد۔ حیدر آباد پاکستان

ذکر حضرت خواجہ سری سقطی رحمتہ اللہ علیہ

وہ تحقیق فرمانے والے عالم' وہ عمل کرنے والے صدیق' وہ علم و حکمت کے خزانے' وہ حلم و عصمت میں یگانے' وہ مقامات کے رہبر' وہ کرامات کی نشانی' وہ ملک و ملکوت کے آفتاب' وہ عالم صفات کے رازداں' اور نیکی بزرگوں کے امام' شیخ ابوالحسن سری ابن معلس سقطی (ان کی خاک لحد خوشبودار ہو) بڑے شیخ اور اہل تصوف کے مقتدا تھے۔ تقویٰ اور پرہیزگاری میں بڑا مرتبہ رکھتے تھے۔ مقامات کی تربیت اور احوال سلوک کی کشادگی میں سب سے پہلے آپ ہی نے غور و خوض کیا اور مختلف علوم میں کمال حاصل کیا۔ رموز و اشارات بیان کرنے میں مشہور تھے۔ بغداد میں سب سے پہلے آپ ہی نے حقیقت و توحید کا ذکر کیا۔ آپ حضرت جنید کے ماموں تھے۔ (دونوں پر اللہ کی رحمت ہو) آپ حبیب راعی سے بھی ملے تھے' آپ کو سقطی اس لئے کہتے ہیں کہ ابتداء میں روی بیچا کرتے تھے۔ سقط روی مال کو کہتے ہیں۔ شروع زمانے میں بغداد کے بازار میں آپ کی ایک دکان تھی۔ اس میں ایک طرف پردہ ڈال رکھا تھا اور ہر روز ہزار رکعت نماز ادا کرتے تھے۔ ایک شخص کوہ لبنان سے آپ کی زیارت کو آیا۔ دکان کا پردہ اٹھاکر آپ کو سلام کیا اور کہا کوہ لبنان سے فلاں فلاں شخص نے سلام پہنچایا ہے۔ سری رحمتہ اللہ علیہ نے کہا وہ پہاڑ میں رہتے ہیں یہ کوئی اہم کام نہیں ہے۔ مرید کو چاہئے کہ بازار میں رہ کر اللہ کی یاد میں ایسا مشغول ہو کہ ایک لحظہ بھی اللہ کی یاد سے غافل نہ رہے۔

نقل ہے کہ ایک بار بغداد میں آگ لگی۔ لوگوں نے آپ سے کہا کہ آپ کی دکان بھی جل گئی۔ فرمایا چلو اچھا ہوا میں بھی فارغ ہوگیا۔ جب ادھر دیکھا تو معلوم ہوا کہ دکان نہیں جلی تھی۔ اسی وقت آپ نے سارا مال فقیروں کو دے دیا اور تصوف کی راہ اختیار کرلی۔ لوگوں نے پوچھا آپ کا ابتدائی حال کیا تھا۔

فرمایا ایک روز حبیب راعی میری دکان پر آئے۔ میں نے ان کو کچھ دیا کہ فقیروں کو

دے دیجئے۔ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ تمہیں خوش کرے۔ اسی روز سے دنیا میرے دل میں سرد ہو گئی۔ اور ایک روز معروف تشریف لائے۔ ایک یتیم ان کے ساتھ تھا فرمایا اس کو کپڑے پہناؤ۔ میں نے اسے کپڑے پہنا دیئے۔ معروف نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ تمہارے دل میں دنیا کو دشمن بنا دے اور تمہیں اس مصروفیت سے آرام دے۔ جب آپ نے یہ فرمایا اسی وقت میں آپ کی دعا سے دنیا کی مصروفیتوں سے فارغ ہو گیا۔

آپ نے جتنی سختی ریاضت میں برداشت کی اور کسی نے نہیں کی۔ جنید رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں میں نے کسی کو سریؒ سے زیادہ عبادت میں کامل نہیں دیکھا۔ کہ اٹھانوے ۹۸ سال تک آپ نے زمین سے پیٹھ نہیں لگائی۔ سوائے اس وقت کے جب کہ مرض موت نے غلبہ کیا۔

نقل ہے کہ فرمایا چالیس سال سے میرا نفس گاجر اور شہد مانگتا ہے۔ میں نے اس کو نہیں دیا۔ اور فرمایا روزانہ اس خوف سے کئی مرتبہ آئینہ دیکھتا ہوں کہ گناہ کی بدبختی سے میرا منہ کالا نہ ہو گیا ہو۔ اور فرمایا تیس سال سے میں اس بات کی توبہ کر رہا ہوں کہ ایک بار الحمد اللہ کہا تھا۔ لوگوں نے پوچھا وہ کیسے؟ جواب دیا کہ بغداد میں ایک بار آگ لگی تھی۔ ایک شخص نے آکر کہا کہ تمہاری دکان بچ گئی۔ میں نے الحمداللہ کہا۔ اب میں اس سے پشیمان ہوں کہ میں نے اپنے نفس کی بھلائی چاہی اس نقصان سے جو مسلمانوں کو پہنچی تھی۔ اور فرمایا میں چاہتا ہوں کہ تمام انسانوں کا غم میرے دل میں آ جائے تاکہ ■ سب رنج و غم سے فارغ ہو جائیں۔

وہ درد و غم کے دریا تھے اور محبت میں بلند مرتبہ رکھتے تھے۔ جنیدؒ نے فرمایا ایک دن سریؒ نے محبت کے متعلق مجھ سے پوچھا۔ میں نے کہا ایک گروہ کہتا ہے کہ محبت موافقت کا نام ہے۔ دوسرا کہتا ہے کہ ایثار کو محبت کہتے ہیں۔ کوئی یہ کہتا ہے کہ کوئی وہ کہتا ہے' سری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے بازو کی کھال پکڑ کر کھینچی ■ ہڈی سے ایسی چپک گئی تھی کہ جدا نہ ہو سکی۔ فرمایا خدا کی عزت و جلال کی قسم اگر میں کہوں کہ یہ کھال اس کی محبت میں ہڈی سے چپک گئی ہے تو غلط نہ ہو گا۔ اس کے بعد بے ہوش ہو گئے' آپ کا چہرہ مبارک جو گندمی رنگ کا تھا اس وقت چودھویں کا چاند معلوم ہو رہا

تھا۔

جنید نے یہ بھی فرمایا کہ ایک رات میرے سر نے تقاضا کیا کہ مسجد شونیزیہ چلو' گھر سے نکل کر روانہ ہوا۔ مسجد کے دروازے پر ایک خوف ناک شخص کو دیکھ کر ڈر گیا۔ اس نے کہا اے جنید مجھ سے ڈرتے ہو۔ میں نے کہا ہاں۔ اس نے کہا اگر تم خدا کو پہچانتے ہوتے تو اس کے سوا کسی سے نہ ڈرتے۔ میں نے پوچھا تو کون ہے؟ کہا ابلیس' میں نے کہا میں تجھے دیکھنا چاہتا تھا۔ اس نے کہا جب سے آپ نے مجھے یاد کیا ہے خدا کی یاد سے غافل ہوگئے ہیں۔ اور آپ کو اس کی خبر تک نہیں۔ آخر آپ مجھے کیوں دیکھنا چاہتے تھے۔ میں نے کہا یہ پوچھنا چاہتا تھا کہ تجھ کو فقیروں پر اختیار ہوتا ہے؟ کہا نہیں۔ میں نے پوچھا کیوں کہا اس لئے کہ جب میں ان کو دنیا میں الجھانا چاہتا ہوں' عقبیٰ میں چلے جاتے ہیں۔ اور جب عقبیٰ میں پھنساتا ہوں تو وہ دربار الٰہی میں بھاگ جاتے ہیں اور وہاں میری گذر نہیں۔ میں نے پوچھا کیا تو ان کو دیکھ سکتا ہے؟ فقرا خدا کے نزدیک اس قدر عزیز ہیں کہ حضرت جبرئیل کو بھی ان کی خبر نہیں۔ پھر اس دشمن پر کیسے ظاہر ہوسکتے ہیں۔ اور یہ بھی جنیدؒ نے فرمایا کہ ایک دن سریؒ نے ارشاد فرمایا کہ میں جنت کا قریبی راستہ جانتا ہوں۔ میں نے عرض کیا کہ وہ کیا؟ فرمایا کسی سے کچھ نہ مانگو۔ اگر کوئی دے تو نہ لو۔ اور اپنے پاس کسی کو دینے کے لئے کچھ نہ رکھو۔ اور حضرت جنیدؒ نے یہ بھی فرمایا کہ میں سریؒ کے پاس گیا تو ان کو پریشان پایا۔ اور تھوڑا سا پانی سامنے رکھا ہوا دیکھا میں نے اس کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا ایک جوان پری نے آکر حیا کے متعلق سوال کیا۔ جب میں نے اس کا جواب دیا تو وہ پانی ہوگئی۔

نقل ہے کہ ایک بار صبر کے متعلق تقریر فرما رہے تھے ایک بچھو نے کئی مرتبہ ڈنک مارا' آپ نے التفات نہ کی۔ لوگوں نے پوچھا آپ نے بچھو کو جھٹک کیوں نہ دیا۔ فرمایا مجھے شرم آئی کہ میں صبر کی بات کر رہا تھا اور فرمایا میں یہ مناجات کرتا ہوں کہ الٰہی تیری عظمت اور معرفت نے تیری محبت عطا کی۔ اگر تو نے یہ حکم نہ دیا ہوتا کہ "مجھے زبان سے یاد کیا کرو" تو میں یاد نہ کرتا۔ یعنی تیری یاد میری زبان میں نہیں

جا سکتی۔ وہ زبان جو لہو لعب میں آلودہ ہو اسے تیرے ذکر میں کیسے ہلاؤں۔ اور فرمایا بار خدایا اگر مجھے چیزوں سے عذاب دے تو حجاب کی ذلت کا عذاب نہ دینا۔ کیونکہ اگر میں محجوب نہ ہوں گا تو وہ عذاب و مصیبت تیری یاد اور دیدار میں مجھ پر آسان ہو جائے گی' اور اگر محجوب ہوں گا تو تیرے حجاب کی ذلت سے ہلاک ہو جاؤں گا۔ یعنی وہ مصیبت جس میں مشاہدہ کی طرف میلان ہو مصیبت نہیں رہتی بلکہ وہ بلا ایک نعمت ہوتی ہے جس میں مشاہدہ کی طرف رجحان ہو۔ اور دوزخ میں کوئی عذاب حجاب سے بڑھ کر نہیں ہے۔ اگر دوزخ میں اہل دوزخ اللہ تعالیٰ کا دیدار پاتے تو گنہگار مومنین کو جنت ہرگز یاد نہ آتی۔ کیونکہ دیدار حق سے روح کو ایسی مسرت ہوتی ہے کہ جسم کے عذاب کی تکلیف کا احساس بھی نہیں ہوتا۔

نقل ہے کہ خواجہ سریؒ نے فرمایا۔ میں نہیں چاہتا کہ بغداد میں مروں' اس خوف سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ زمین مجھے قبول نہ کرے اور میں رسوا ہو جاؤں۔ لوگ نیک گمان رکھتے ہیں ایسا نہ ہو کہ انہیں صدمہ پہنچے۔

حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ جب سریؒ بیمار ہوئے تو میں ان کی عیادت کو گیا۔ اور پنکھا اٹھا کر جھلنے لگا' فرمایا اے جنیدؒ رکھ دو کہ ہوا سے آگ اور بھڑکتی ہے۔ میں نے عرض کیا وہ کیسے؟ فرمایا "بندہ مملوک کو کسی بات پر قدرت نہیں ہوتی۔" میں نے عرض کیا مجھے وصیت کیجئے۔ فرمایا "مخلوق کی وجہ سے خدا کی محبت سے دور نہ ہونا" جنیدؒ نے کہا اگر یہ بات آپ نے پہلے کہی ہوتی تو آپ کی صحبت سے بھی پرہیز کرتا۔ اس کے بعد حضرت سریؒ نے وفات پائی۔ یہ ۲۵۷ھ تھا۔ ان پر اللہ کی رحمت ہو۔

محمد نعیم

۳ ستمبر ۱۹۷۵ء

لطیف آباد۔ حیدر آباد پاکستان

ذکر حضرت خواجہ جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ

وہ مقتدائی کے بانی مبانی' ■ طریق رہنمائی کے حالات کے مجتہد' وہ مخلوق کے واعظ' وہ حقیقت کے ناطق' وہ عشق و محبت کے ریگزاروں کے سیاح' وہ توحید و معرفت کے سمندروں کے غواص' وہ سب کے مانے ہوئے قطب' وہ تسلیم شدہ شیخ' وہ فنون شیخی و استادی کے ماہر خواجہ ابو القاسم جنید بن محمد بغدادی اللہ تعالیٰ ان کے مرقد کو منور کرے۔ مشائخ عالم کے شیخ اور متفق علیہ امام تھے۔ اہل تصوف ان کو سید الطائفہ کہتے اور سید المشائخ لکھتے تھے۔ وہ ریاضات اور اشارات میں کامل اور کلمات عالی میں سب پر فوقیت رکھتے تھے۔ ■ تمام اہل دل اور اصحاب طریقت میں مقبول تھے۔ ان کو لسان القوم اور سلطان المحققین کہتے تھے۔ وہ مختلف علوم ظاہر کے اصول و فروع میں کامل تھے۔ اور منفرد لوگوں کو ان کے مذہب کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔ ان کی امامت اور فتوے پر علمائے ظاہر کا اجماع تھا۔ اس لئے انہیں طاؤس العلماء بھی کہتے تھے۔ آپ کی بلند پایہ تصانیف' اور مقامات و احوال کے بیان میں کلمات بہت ہیں۔ اپنے زمانے کے تمام علماء اور مشائخ کے مرجع تھے اور اول سے آخر تک سب کے پسندیدہ اور مقبول تھے۔ طریقت میں آپ کا کلام حجت ہے۔ اور کسی کو ان کے کلام پر اعتراض نہیں۔ آپ کے بعد اکثر مشائخ بغداد آپ کے مذہب پر تھے۔ چنانچہ شیخ علی عثمان جلابی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں "وہ اپنے مذہب میں فرقے فرقے ہوگئے" کے باب میں لکھا ہے کہ جنیدیوں کی ابوالقاسم جنید بن محمد کے ساتھ محبت ہی جنیدیت ہے۔ ان کے زمانے میں ان کو

خداوندا بذوق شاہ نکویں ۔ جنید آں قدرۃ بغداد تمکیں

طاؤس العلماء کہتے رہے ہیں۔ اور انہیں سید الطائفہ اور اماموں کے امام بھی کہتے تھے۔ آپ کا طریقہ طیفوریوں کے برخلاف صحو (ہوشیاری) پر مبنی تھا۔ جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ سب سے زیادہ معروف و مشہور و مذہب آپ ہی کا مذہب ہے۔ اور تمام مشائخ جنیدی ہیں۔ (یہاں تک کشف المحجوب کی عبارت ہے)

طریقت میں سب سے زیادہ معروف طریقہ انہیں کا ہے۔ قبولیت عالم میں جو شہرت آپ کے مذہب نے پائی وہ دوسرے کو نہیں ملی۔ اور سب سے پہلے جس نے توحید کے رموز کو ظاہر اور اشارات کے علوم کو واضح اور عام کیا وہ جنید تھے۔ آپ ہی کی خانقاہ سے علم وحدت و توحید کا آوازہ بلند ہوا۔ لوگوں نے یہ خبر خلیفہ وقت کو پہنچائی کہ ایک قوم پیدا ہوئی ہے جو کفریات بکتی ہے۔ ان کا قتل بڑے ثواب کا موجب ہوگا۔ چنانچہ خواجہ جنیدؒ، خواجہ شبلیؒ، خواجہ ابوالحسن نوریؒ اور دوسرے صوفیوں کو پکڑ کر لے گئے۔ خلیفہ نے ان سب کے قتل کا حکم دے دیا۔ جب انہیں قتل کرنے کے لئے لے گئے اور قاتل نے ان میں سے ایک کی گردن مارنی چاہی تو دوسرا کود کر اس کے سامنے آگیا کہ پہلے میری گردن مارو۔ قاتل نے کہا ارے! تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تلوار کے سامنے دلیری کرتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے نزدیک یہ دلیری نہیں، یہ اپنے بھائی کے ساتھ ایثار ہے۔ ہم نے جو کچھ پایا ہے ایثار ہی سے پایا ہے۔ قاتل ان کا حال اور طریقہ دیکھ کر متعجب ہوا اور خلیفہ کے پاس جاکر ان کا حال بیان کیا کہ وہ لوگ اس طرح کے ہیں لہٰذا ان کو بغیر تحقیق اور بغیر فتوے کے قتل نہ کیا جائے۔ خلیفہ نے حاکم کو طلب کیا تاکہ الزام عائد کرنے کے بعد انہیں قتل کیا جائے۔ حاکم آیا اور ان میں سے ایک سے پوچھا کہ دوسو درہم پر کتنی زکوۃ ہوتی ہے؟ ان بزرگ نے فرمایا عوام کی زکوۃ پوچھتے ہو یا خواص کی؟ حاکم نے تعجب کیا اور پوچھا کہ عوام کی زکوۃ کیا اور خواص کی زکوۃ کیا؟ فرمایا عوام کی زکوۃ یہ ہے کہ دوسو درہم پر پانچ درہم ادا کریں اور خواص کی زکوۃ یہ ہے کہ پانچ درہم رکھ لیں۔ باقی سب زکوۃ دے دیں۔ اور ہمارے نزدیک یہ ہے کہ سب کا سب دے دیں اور پانچ درہم اور بھی قرض لے کر دیں اس پاداش میں کہ وہ دو سو درہم کا مالک کیوں بنا۔ حاکم نے پوچھا یہ کس نے کہا ہے۔ جواب دیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہ گھر میں جو کچھ تھا سب دے دیا۔ پھر فرمایا درہم و دینار کے بارے میں کیا پوچھتے ہو۔ اللہ تعالٰی کی معرفت کے متعلق کچھ سوال کرو۔ حاکم حیران رہ گیا۔ ■ خلیفہ کے پاس گیا اور عرض کیا کہ اگر یہ لوگ کفریات بکتے ہیں تو پھر دنیا میں موحد کون ہے؟ خلیفہ اپنی جرات پر پشیمان

ہوا۔ معافی چاہی اور عزت و احترام کے ساتھ رخصت کیا۔

نیز طریقت کے راستے میں آپ کو اجتہاد کا مرتبہ حاصل تھا۔ وہ تمام مشائخ عالم میں مقبول ہوئے۔ جیسا کہ مریدوں کو طاقیہ (ایک لباس) پہنانا اور ان کے سروں پر قینچی چلانا (یعنی بال تراشنا) طریقت میں انہیں کا اجتہاد ہے۔

نقل ہے کہ بزرگوں میں سے ایک نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں بیٹھے ہوئے دیکھا جنیدؒ وہاں حاضر تھے۔ ایک شخص فتویٰ لایا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنیدؒ کو دو یہ جواب دیں گے۔ اس نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی موجودگی میں دوسرے کو کیوں دیں؟ فرمایا جیسے نبیوں کو ساری امت پر فخر ہوتا ہے مجھے جنید پر فخر ہے۔

وہ حارث محاسی سے بھی ملے تھے۔ خواجہ جنید سری سقطی رحمتہ اللہ علیہ کے مرید اور ان کے بھانجے تھے۔ ان کی اصل نہاوند تھی۔ ان کے والد کو خراز کہتے تھے۔ خراز ٹکرے بیچنے والے کو کہتے ہیں۔ ان کی جائے پیدائش عراق تھی اور جائے قیام بغداد، بچپن ہی سے مبتلائے حال تھے اور درد و غم و اندوہ کے طلب گار تھے۔ ادب و تفکر میں بہتر اور عجیب فہم و فراست کے مالک تھے۔ آپ کی کمال فراست اور عقلمندی کی وجہ سے حضرت سریؒ آپ کی طرف کامل میلان رکھتے اور پوری توجہ کے ساتھ آپ کو قبول فرماتے تھے۔ اور اپنے دل میں جگہ دیتے اور ہمیشہ ساتھ رکھتے تھے۔

نقل ہے کہ جنیدؒ ابھی سات سال کے تھے کہ سریؒ آپ کو حج کے لئے اپنے ساتھ لے گئے۔ مسجد حرام میں چار سو پیروں کے درمیان شکر کے مسئلے پر گفتگو ہو رہی تھی۔ شکر کے معنی میں چار سو قول بیان کئے گئے۔ سریؒ اور جنیدؒ سے فرمایا تم بھی کچھ کہو۔ جنید نے کہا شکر یہ ہے کہ جو نعمت خدا نے تجھ کو دی ہے اس نعمت میں خدا کا گنہگار نہ ہو اور اس کی نعمت کو گناہ کا سبب نہ بنائے۔ جب خواجہ جنیدؒ نے یہ فرمایا تو ان چار سو پیروں نے کہا اے صدیقوں کی آنکھ کی ٹھنڈک تم نے بہت خوب کہا اور سب نے اتفاق کیا کہ اس سے بہتر شکر کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ پھر کہا اے بچے! جلدی کرو ایسا نہ ہو کہ خدا کے ساتھ تمہارا یہ ذوق کم ہو جائے۔ پھر بغداد آکر

شیشہ کا سامان بیچنے لگے۔ کہتے ہیں کہ ان کے والد بھی کانچ کا سامان بیچتے تھے۔ اسی لئے ان کو جنیدی قواری بھی کہتے ہیں۔ وہ روزانہ دکان پر جاتے اور پردہ گرا کر چار سو رکعت نماز ادا کرتے تھے۔ اسی طرح ایک عرصہ گزر گیا۔ پھر دکان چھوڑ کر حضرت سریؒ کی دلیز خانہ میں قیام کیا اور اس جگہ بیٹھ کر دل کی پاسبانی میں مشغول ہو گئے۔ چالیس سال اسی طرح گزر گئے۔ تیس سال تک عشاء کی نماز پڑھ کر کھڑے ہو جاتے اور صبح کی نماز اسی وضو سے ادا کرتے تھے۔

اور یہ بھی آپ سے منقول ہے کہ جب چالیس سال گزر گئے تو آپ نے کہا کہ مجھے گمان ہوا کہ مقصود حاصل ہو گیا۔ اسی وقت ہاتف نے آواز دی کہ اے جنید اب وقت آیا ہے کہ تیرے باطن کا زنار تجھے دکھا دوں۔ جب میں نے یہ سنا تو پوچھا کہ جنید نے کیا گناہ کیا ہے؟ ندا آئی کہ اس سے زیادہ کیا گناہ چاہتا ہے کہ "تو ہے"۔ جنیدؒ نے ایک آہ کھینچی اور سانس روک کر اس گھر کا دروازہ بند کر لیا۔ آخر ان کا کام بلند ہو گیا اور ان کی شہرت ساری دنیا میں پھیل گئی۔

لوگوں نے جن باتوں میں ان کا استحقاق لیا اس سے ہزار درجہ زیادہ پایا۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ اس مرتبہ پر کیسے پہنچے؟ فرمایا میں چالیس سال تک مجاہدہ کے ایک قدم پر کھڑا رہا ہوں۔ یعنی سری سقطیؒ کے آستانے پر' ایک روز میرا دل گم ہو گیا۔ میں نے کہا الٰہی میرا دل لوٹا دے۔ میں نے آواز سنی کہ اے جنیدؒ ہم نے اس لئے تیرا دل لیا ہے کہ تو ہمارے ساتھ رہے۔ اب تو واپس مانگتا ہے تاکہ دوسروں کے ساتھ رہے۔ پھر وقت کی گرمی اور حال کے غلبے سے بلند کمالات ان سے صادر ہونے لگے۔ پھر گفتگو کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا میں نے یہ تصوف قیل و قال یا جنگ و جہاد سے حاصل نہیں کیا ہے بلکہ بھوک اور بے خوابی سے حاصل کیا ہے۔ اور محبوب و پسندیدہ چیزوں کو ترک کرنے سے پایا ہے۔ پھر فرمایا میں اولیں اور آخرین کے گناہوں میں ماخوذ ہوں۔ ابوالقاسم کو کم و زیادہ ہونے والے زمانے سے نکل آنا چاہئے۔ اور یہ نشان کلیت ہے' جب کوئی شخص اپنے کو کل دیکھتا ہے اور مخلوق کو اپنے اعضا سمجھتا ہے اور "کل مومن نفس واحد کی طرح ہیں" کے مقام پر پہنچتا ہے تو اس کا کلام یہ

ہوتا ہے کہ "کسی نبی کو اتنی اذیت نہیں دی گئی جتنی مجھے دی گئی۔"

پھر آپ مقامات کی شرح اور توحید کے رموز میں بال کی کھال نکالنے لگے۔ جیسا کہ نقل ہے کہ جب آپ توحید میں تقریر کرتے تو ہر بار نئی عبارت سے شروع کرتے اس طرح کہ کسی کی عقل وہاں تک نہیں پہنچتی۔ چنانچہ نقل ہے کہ ابن شریح ان کی مجلس میں آئے لوگوں نے ان سے کہا جنیدؒ جو کچھ کہتے ہیں اسے اپنے علم سے بیان کرو' جواب دیا وہ تو میں نہیں جانتا لیکن اتنا جانتا ہوں کہ ان کا کلام اتنا صحیح ہے گویا خدا ان کی زبان سے بولتا ہے۔

نقل ہے کہ جنیدؒ ایک روز تقریر کر رہے تھے ایک مرید نے نعرہ مارا۔ شیخ نے اس کو منع کیا اور فرمایا اگر اب نعرہ کیا تو تجھے نکال دوں گا۔ پھر تقریر شروع کی۔ وہ مرید ضبط کرتا رہا آخر اس نوبت کو پہنچ گیا کہ ضبط کی طاقت نہیں رہی۔ چنانچہ ہلاک ہوگیا۔ لوگوں نے اس کے پاس جاکر دیکھا تو وہ اپنے لبادے میں خاک ہو چکا تھا۔

آپ سے نقل ہے کہ فرمایا عارف وہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کے "سر" سے کلام کرتا ہے۔ اور خود وہ خاموش رہتا ہے۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ تیس ۳۰ سال تک جنید کی زبان سے جنید سے گفتگو کرتا رہا اور جنید درمیان میں نہ تھا۔ اور مخلوق کو اس کی خبر تک نہ ہوئی۔ پھر فرمایا بیس ۲۰ سال تک اس علم کے متعلقات پر میں گفتگو کرتا رہا لیکن اس کے باریک معنی بیان نہیں کئے کیونکہ اس کے بیان سے زبانوں کو روک دیا گیا ہے اور دل اس کے ادراک سے محروم ہیں۔

جب جنیدؒ کے کلام کو عظمت حاصل ہوئی تو سری سقطیؒ نے فرمایا کہ وعظ کہا کرو۔ جنیدؒ متردد ہوئے اور اس کی طرف رغبت نہیں کی۔ مریدوں نے گریہ و زاری کی' بغداد کے مشائخ نے منت سماجت کی کہ لوگوں کو نصیحت کیجئے۔ قبول نہ کیا ور فرمایا شیخ کی موجودگی میں کلام کرنا خلاف ادب ہے۔ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ فرما رہے ہیں "تقریر کرو" صبح اٹھ کر سریؒ سے بیان کرنے چلے۔ ان کو دروازے پر منتظر دیکھا۔ انہوں نے فرمایا کہ تمہارے کلام کو عالم کے لئے نجات کا سبب بنایا ہے۔ مریدوں کے کہنے سے اور مشائخ بغداد کی سفارش سے بھی تم

نے زبان نہ کھولی۔ ہم نے کہا پھر بھی تقریر پر آمادہ نہ ہوئے۔ اب پیغمبر علیہ السلام فرماتے ہیں تو وعظ کہنا چاہئے۔ جنیدؒ نے تسلیم کیا اور پوچھا آپ نے یہ کیسے جانا کہ میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے۔ فرمایا میں نے خواب میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ ارشاد ہوا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا ہے کہ جنیدؒ کو سر منبر تقریر کے لئے کہیں۔ جنید نے عرض کیا کہ میں اس شرط پر تقریر کروں گا کہ چالیس ۴۰ آدمی سے زیادہ نہ ہو۔ ایک روز مجلس میں چالیس آدمی تھے جب جنیدؒ نے تقریر شروع کی تو اٹھارہ ہلاک' اور بائیس آدمی بے ہوش گئے۔ لوگوں نے آواز بلند کیا۔ چند مجلسوں کے بعد آپ نے اس سلسلہ کو ترک کر دیا اور گھر میں گوشہ نشین ہوگئے۔ بہت درخواست کی مگر قبول نہ کیا۔ فرمایا میری بات تم کو اچھی نہیں لگتی۔ میں اپنے آپ کو ہلاک نہیں کر سکتا۔

پھر ایک عرصہ کے بعد منبر پر تشریف لائے اور بغیر درخواست کے تقریر شروع کی۔ لوگوں نے پوچھا اس میں کی حکمت تھی؟ فرمایا میں نے ایک حدیث دیکھی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آخر زمانے میں قوم کے سردار وہ ہوں گے جو سب سے بدتر ہوں گے۔ اور وہی ان کو نصیحت کریں گے۔ میں اپنے آپ کو بدترین خلق سمجھتا ہوں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے مطابق تقریر کرتا ہوں تاکہ آپ کی پیش گوئی سچ ثابت ہو۔

آپ نے مریدوں کو تنبیہہ اور طالبوں کے ارشاد میں نہایت موثر اور مفید کلام فرمایا ہے اور اس معنی میں بہت سے کلمات آپ سے منقول ہیں۔ جیسے فرمایا سچا مرید دنیا والوں کے علم سے بے نیاز ہوتا ہے۔ اور فرمایا حق تعالیٰ جس مرید کو نیکی دیتا ہے اسے صوفیوں کے پاس پہنچا دیتا ہے۔ اور قریبوں سے روک لیتا ہے۔ اور فرمایا کہ مریدوں کو کچھ نہیں سیکھنا چاہئے مگر صرف اتنا کہ نماز اس کا محتاج ہو۔ اور اس کے لئے سورہ فاتحہ اور قل ہو اللہ کافی ہے۔ اور جو مرید کہ نکاح کرتا ہے اور علم نقل کرتا ہے اسے کچھ حاصل نہیں ہوتا اور فرمایا نفس کسی طرح اللہ سے الفت نہیں کرتا۔ نفسانی خطرات اور شیطانی وسوسوں میں یہ فرق ہے کہ نفس جب کسی چیز کے لئے

خوشامد کرتا ہے تو اگر تم اسے روک بھی دو تو اصرار کرتا رہتا ہے۔ خواہ کتنا ہی زمانہ گذر جائے یہاں تک کہ اسے حاصل کر کے چھوڑتا ہے۔ لیکن شیطان جب کسی غلط کام کی طرف بلاتا ہے۔ اگر اس کے خلاف کرو تو اس سے باز آجاتا ہے۔ اور فرمایا جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس پر بندگی آسان ہو جاتی ہے۔ اور کہا کہ اگر بندگی کا حق تمہارے اوپر کچھ باقی ہے تو تم آزادی کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتے۔ اور فرمایا اگر کوئی صادق ہزار سال حق تعالیٰ کو یاد کرتا رہے اور ایک لحظہ غافل ہو جائے تو اس ایک لحظہ میں اتنی دولت لٹ جائے گی جتنی ہزار سال میں اس نے نہ پائی ہوگی اور فرمایا خدا سے غافل ہونا آگ میں گر جانے سے زیادہ سخت عذاب ہے۔

نقل ہے کہ آپ کی مجلس میں ایک شخص نے کھڑے ہو کر پوچھا کہ دل کس وقت خوش ہوتا ہے۔ آپ نے جواب دیا اس وقت جب کہ وہ دل میں ہوتا ہے۔ پھر فرمایا کہ جو شخص بغیر مشاہدے کے اللہ کہتا ہے ▪ جھوٹا ہے۔

مقامات کے بیان میں آپ کے کلمات بہت بلند ہیں اور ہر مقام کی کافی تشریح فرمائی ہے۔ جس کے بیان کے لئے اس مختصر کتاب میں جگہ نہیں ہے۔ جیسے فرمایا کہ چار ہزار پیران طریقت اس پر متفق ہیں کہ ریاضت کا کمال یہ ہے کہ جب بھی اپنے دل کو ٹٹولے خدا کی معیت میں پائے۔ پھر فرمایا کہ رضا کے یہ معنی ہیں کہ ▪ بلا کو نعمت جانے اور فرمایا کہ وجود کی معرفت خود شناسی کے وقت چالیس (مرتبے پر) ہوتی ہے۔ لوگوں نے کہا کچھ اور فرمائیے کہا کہ عارف وہی اور معروف بھی وہی ہے۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی توحید حادث کے ذریعہ اس کا قدم جاننا ہے۔ یعنی جانو کہ دریا کی موج دریا میں، دریا کی امانت ہے۔

محبت کے بیان میں بھی آپ کے لطیف کلمات موجود ہیں۔ جیسا کہ فرمایا کہ محبت خدا کی امانت ہے۔ جو محبت کہ بدلے کی نیت سے ہو (وہ بے سود ہے) اس لئے کہ جب بدلہ مل جاتا ہے تو محبت بھی ختم ہو جاتی ہے۔

نقل ہے کہ خواجہ شبلیؒ نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ قیامت میں مجھے جنت دوزخ قبول کرنے کا اختیار دے، تو میں دوزخ قبول کروں، کیوں کہ جنت میرے اختیار کی مراد

ہے اور دوزخ دوست کی مراد۔ جو شخص دوست کے اختیار کو اپنے اختیار کے مقابلے میں قبول کرتا ہے تو یہ محبت کی علامت ہے۔ جب خواجہ جنیدؒ کو اس بات کی خبر ہوئی تو فرمایا کہ شبلی بچپنے کی باتیں کرتے ہیں۔ اگر مجھے اختیار دیں تو میں اختیار نہ کروں۔ میں کہتا ہوں کہ بندے کو اپنے اختیار سے کیا سروکار۔ جہاں بھیج دیں چلا جاؤں' جہاں رکھیں رہوں۔ میرا اختیار وہی ہے جو تو چاہے۔ اور فرمایا کہ محبت دو شخصوں میں درست نہیں ہوتی سوائے ایسے دو شخصوں کے جو ایک دوسرے کو "میں" کہتے ہوں۔ اور فرمایا جب محبت درست ہو جاتی ہے تو شرط ادب اٹھ جاتا ہے۔ پھر فرمایا کہ کسی سے تعلق رکھنے والے پر اللہ تعالیٰ نے محبت حرام کر دی ہے۔ اور فرمایا کہ اہل محبت جب تنہائی میں مناجات کرتے ہیں تو ایسی باتیں کہتے ہیں جو عوام کے نزدیک کفر ہے۔ اگر عوام سنیں تو ان کو کافر کہہ دیں۔ اور وہ اپنے احوال میں اسی گفتگو کو بالا رادہ پائیں اور وہ جو کچھ بھی کہیں اسے برداشت کریں۔

نقل ہے کہ آپ سے توحید کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ "یقین ہے" لوگوں نے پوچھا ■ کیسے؟ فرمایا کہ یہ جاننا کہ مخلوق کے حرکات و سکنات اللہ کے پیدا کئے ہوئے افعال ہیں۔ کسی کو اس کے ساتھ شرکت نہیں' جو ان کو پیدا کر سکے۔ اور بندگی میں بندے کی تحقیق کے متعلق پوچھا تو فرمایا کہ جب بندہ چیزوں کو خدا کی ملک جانتا ہے اور سب کا پیدا ہونا خدا سے دیکھتا ہے اور ہر چیز کے قیام کو خدا سے یقین کرتا ہے اور ہر چیز کا مرجع خدا کو سمجھتا ہے۔ جیسا کہ خدا نے فرمایا ہے۔ "پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ ہر شے کا ملکوت ہے اور اسی کی طرف لوٹنا ہے۔" ان سب باتوں کی اس کو تحقیق ہو چکی ہو تو وہ بندگی کی ہر صفت سے متصف ہو جاتا ہے۔

نقل ہے کہ ایک رات ایک مرید کے ساتھ راستے میں جا رہے تھے ایک کتا بھونکا۔ جنیدؒ نے کہا لبیک لبیک۔ مرید نے کہا اے شیخ یہ کیا حالت ہے؟ شیخ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ کتے کے بھونکنے کو میں نے خدا کا قہر سمجھا اور اس کی آواز کو خدا کی قدرت کی آواز جانا اور کتے کو درمیان میں نہیں دیکھا۔ چنانچہ میں نے جواب میں لبیک کہا۔ شیخ جنیدؒ توحید میں بلند مرتبہ رکھتے تھے۔ آپ کے زمانے میں آپ کے

مقام پر کوئی اور نہیں تھا۔ بغداد اور عراق کے اطراف میں جو بھی توحید کے مقام پر پہنچا آپ کی صحبت میں رہ کر پہنچا' اور دنیا کے ہر حصے میں جہاں کوئی اہل دل تھا خود کو آپ کے سایہ میں پہنچاتا تھا اور آپ کی خانقاہ میں قیام کرتا تھا۔

حسین منصور حلاج ؒ بھی آپ کی خانقاہ کے پروردہ تھے۔ نقل ہے جب حسین منصور حلاج سہیل عبداللہ تستری رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت سے نکلے تو شیخ عمرو بن عثمان مکیؒ سے ملے اور اٹھارہ مہینے ان کی صحبت میں رہے۔ جب ان سے الگ ہوئے تو شیخ جنید رحمتہ اللہ کی خانقاہ میں آئے۔ شیخ نے انہیں خلوت کا حکم دیا۔ انہوں نے شیخ کی خدمت میں کچھ روز صبر کیا۔ ایک بار شیخ کے پاس آئے اور صحو و سکر کے متعلق باتیں کرنے لگے۔ شیخ نے فرمایا اے پسر منصور تمہاری باتیں فضول اور عبارت بے معنی ہوتی ہے۔ اس کے بعد ■ حجاز چلے گئے۔ اور ایک سال تک کعبہ کی مجاورت کی۔ پھر بغداد واپس آئے۔ اور صوفیوں کی ایک جماعت کے ساتھ شیخ کی خدمت میں پہنچے اور توحید کی باریکیاں پوچھنے لگے۔ شیخ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اور فرمایا جلد ہی لکڑی کے ٹکڑے کو سرخ کرو گے۔ شیخ جنیدؒ کو منصورؒ کے واقعہ میں تامل تھا۔ جیسا کہ نقل ہے کہ جس روز ائمہ نے قتل کا فتویٰ دیا تو شیخ جنیدؒ نے فتوے پر لکھا کہ ہم ظاہر پر حکم لگاتے ہیں۔ فتویٰ ظاہر پر ہے ان کے باطن کو خدا جانتا ہے۔ اور ان کے پیرو شبلیؒ نے کہا۔ میں اور حلاجؒ ایک ہی چیز ہیں۔ مجھے میری دیوانگی نے بچالیا اور اس کو اس کی عقل نے ہلاک کیا۔ اور یہ شبلی رحمتہ اللہ علیہ حضرت جنید قدس سرہ کے مرید تھے۔ چونکہ حسین اور وہ ایک ہی دسترخوان کے پروردہ تھے اور ایک ہی جام سے شراب پی چکے تھے۔ جو کچھ ملا دونوں کو جنیدؒ ہی کے دولت خانہ سے ملا۔ اس لئے یہ کہنا صحیح تھا۔

نقل ہے کہ جب خواجہ جنیدؒ بیمار ہوئے اور ان کی وفات کا وقت قریب ہوا تو اصحاب کو وصیت کی۔ جب نزع کا عالم شروع ہوا تو فرمایا مجھے وضو کراؤ۔ مگر وضو میں خلال کرنا بھول گئے۔ فرمایا خلال کرو۔ پھر سجدے میں چلے گئے اور رونے لگے۔ لوگوں نے کہا۔ اے طریقت کے سردار اتنی عبادتیں پہلے بھیجنے کے باوجود سجدے کا یہ کون سا

وقت ہے۔ فرمایا جنیدؒ کے لئے اس وقت سے زیادہ محتاجی کا کوئی اور وقت نہیں ہے۔
اسی وقت قرآن تلاوت کرنا شروع کیا۔ اور پڑھتے ہی رہے۔ ایک مرید نے پوچھا آپ
قرآن پڑھ رہے ہیں؟ فرمایا اس وقت میرے لئے اس سے بہتر اور کیا ہوگا جب کہ
میری عمر کے صحیفہ کو بند کر دیں گے۔ پھر فرمایا کہ اپنی ۷۰ ستر سال کی عبادت کو میں
ایک بال سے بندھا ہوا فضا میں لٹکتا دیکھ رہا ہوں۔ اور ہوا کا جھونکا اسے ہلا رہا ہے۔
میں نہیں جانتا کہ یہ فراق کی ہوا ہے یا وصال کی۔ ایک طرف پل صراط ہے اور
دوسری جانب ملک الموت' اور قاضی جس کی صفت عدل ہے توجہ نہیں کرتا۔ ایک
راستہ سامنے ہے میں نہیں جانتا کہ مجھے کس راستے سے لے جائیں گے۔ اس کے بعد
قرآن پڑھنا ختم کیا اور سورہ بقرہ کی ۷۰ آیتیں پڑھیں۔ یہ روز جمعہ کی آخری ساعت
تھی۔ جب کہ آپ کی حالت غیر ہوئی۔ لوگوں نے کہا۔ اللہ کہئے۔ فرمایا میں بھولا نہیں
ہوں۔ پھر انگلیوں پر تسبیح پڑھنی شروع کی۔ اور چار انگلیاں بند کیں۔ پھر فرمایا قسم ہے
اس کی عظمت کی کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم پر خاتمہ ہوگیا۔ پھر آنکھ کھولی اور جان
دے دی۔

نقل ہے کہ نہلانے کے وقت غسال نے آنکھوں میں پانی پہنچانا چاہا تو ہاتف نے
آواز دی' میرے دوست کی آنکھوں سے ہاتھ ہٹالے۔ جو آنکھ میرے نام پر بند ہوئی
ہے میرے دیدار کے سوا نہ کھلے گی۔ پھر چاہا کہ بندھی ہوئی انگلیوں کو کھولے۔ آواز
آئی کہ جو انگلی میرے نام پر بند ہوئی ہے سوائے میرے حکم کے نہ کھلے گی۔ پھر
کفنانے کے بعد جنازہ پر رکھا۔ نماز جنازہ ان کے فرزند نے پڑھائی' جب جنازہ اٹھایا گیا
تو ایک سفید کبوتر آکر جنازے کے ایک کونے پر بیٹھ گیا۔ اس کو بہت اڑایا' نہیں اڑا
اور ایک آواز آئی۔ مجھے اور اپنے آپ کو تکلیف مت دو۔ میرے پنجہ کو عشق کی
کیلوں سے جنازے کے گوشے پر جڑ دیا ہے۔ اسی لئے میں بیٹھا ہوں تم کیوں رنج
کرتے ہو۔ آج ان کا قالب فرشتوں کا نصیب ہے۔ اگر تمہارا شوروغوغا نہ ہوتا تو ان
کا جسم سفید باز کی طرح میرے ساتھ ہوا میں اڑ جاتا۔ یہ سنیچر کا دن' شوال کا مہینہ
۲۹۷ھ تھا۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ کو بغداد کے قبرستان میں دفن کیا۔ اور بعض جگہ کہا

گیا ہے کہ آپ کی وفات ۲۹۷ھ میں ہوئی۔ لیکن قول صحیح ہے۔

نقل ہے کہ کسی نے کہا کہ میں نے خواجہ جنیدؒ کو خواب میں دیکھا۔ پوچھا اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ فرمایا رحمت کی۔ وہ اشارات و عبادات تو سب ہوا ہوگئے' البتہ وہ دو رکعت نماز کام آئی جو آدھی رات کو پڑھا کرتا تھا۔

دوسرے نے بھی آپ کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ منکر نکیر کا جواب کیسے دیا؟ فرمایا درگاہ عزت کے وہ دو مقرب عجیب ہیبت کے ساتھ آئے اور پوچھا کہ تیرا رب کون ہے۔ میں نے ان کو دیکھا اور ہنس دیا پھر جواب دیا کہ روز ازل میں اس نے مجھ سے خود پوچھا تھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ اور میں نے ہی جواب دیا تھا کہ ہاں! اب تم آئے ہوئے اور پوچھتے ہو کہ تیرا رب کون ہے؟ جو بادشاہ کو جواب دے چکا ہے وہ غلام سے کیا ڈرے گا۔ آج بھی اسی کی زبان سے کہتا ہوں کہ "جس نے مجھے پیدا کیا اور اسی نے مجھے ہدایت دی"۔ وہ عزت کے ساتھ میرے سامنے سے چلے گئے اور کہا یہ ابھی تک محبت کے نشے میں ہے۔

محمد نعیم

بروز جمعہ ۱۹ رمضان المبارک ۹۵ھ

مطابق ۲۶ ستمبر ۱۹۷۵ء

لطیف آباد حیدر آباد' پاکستان

ذکر حضرت خواجہ ممشاد علوی دینوری رحمتہ اللہ عنہ

وہ تجربہ کار عارف' وہ بوجھ اٹھائے ہوئے صادق' وہ بیابان طریقت کے سیاح' وہ دریائے حقیقت کے غواص' وہ اہل عرفاں کے محترم' وہ صاحبان احسان و مکارم کے محتشم' وہ محبت والوں کے پیشوا' وہ معرفت والوں کے معظم' وہ میدان مجاہدہ کے سپاہی' وہ مشاہدہ کے دروازوں کے مجاہد' وہ سقطی اور ثوری کے طریقوں پر چلنے والے' حقیقت کے شیخ مشاد علوی دینوری' اللہ تعالیٰ ان کی لحد کو ٹھنڈا رکھے۔ بڑے مشائخوں میں تھے۔ اس گروہ کے بہت سے بزرگوں سے ملے اور ان کی صحبتیں دیکھی تھیں۔ بغداد کے بڑے بڑے مشائخ نے ان کی اقتدا کی۔ وہ طریقت میں بڑی شان اور بلند مرتبہ رکھتے تھے۔ وہ ظاہری اور باطنی علوم سے آراستہ تھے۔ اور کسبی علوم کو بڑی محنت سے حاصل کیا تھا۔ شروع میں عرصہ تک اس میں مشغول رہے۔ "ممشاد" میں پہلی میم کو زیر اور دوسری میم کو سکون ہے۔ اور دینوری اس لئے کہتے ہیں کہ دینور میں ان کی سکونت تھی۔ رسالہ قشیری میں کسی جگہ خواجہ احمد سیاہ دینوری کا ذکر آیا ہے رحمتہ اللہ علیہ۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ دینور سکونت کی جگہ ہے۔ لیکن یہ معلوم نہیں کہ وہ دیہات ہے یا شہر۔ آپ سے راہ طریقت کے بیان میں لطیف عبارت کے ساتھ بہت سے کلمات و ارشادات منقول ہیں۔

جیسا کہ نقل ہے فرمایا کہ مرید کا ادب اس وقت ثابت ہوتا ہے جب وہ چند باتیں اختیار کرے۔ یہ کہ پیر کے احترام کو اپنے اوپر لازم جانے' بھائیوں اور دوستوں کی خدمت کرے۔ اسباب و تعلقات سے آزاد ہو جائے۔ توکل کی راہ اختیار کرے۔ اور ان کے ساتھ ساتھ شریعت کے آداب بھی ملحوظ رکھے۔ اور فرمایا کہ میں کسی پیر کے پاس نہیں گیا اور ان میں کسی سے ملاقات نہیں کی مگر یہ کہ اپنی تمام آرزوؤں سے خالی ہو کر۔ یعنی اپنی تمام مرادوں کو کنارے رکھ کر پیروں کے پاس گیا ہوں۔ اور منتظر رہا ہوں کہ ان کی نظر توجہ سے مجھ پر کیا وارد ہوتا ہے۔ اور ان کی صحبت کی برکت سے مجھے کیا ملتا ہے۔ اور ان کے کلام سے مجھے کیا حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ جو

شخص اپنے ذوق کے لئے پیر کے سامنے آتا ہے اور اپنی مراد لے کر اس سے ملتا ہے وہ اس کے مشاہدے کی دولت سے محروم ہو جاتا ہے اور اس کی صحبت و کلام کی برکت سے بھی محروم رہتا ہے۔ اور آپ توحید کے بیان و عمل میں مستقل مقام رکھتے تھے۔ ہمیشہ سکون کی حالت اور ماسوائے اللہ سے گریز کے مقام پر فائز تھے۔ اور یہی ان کے بلند کلمات کا انداز تھا۔

نقل ہے کہ جب وہ بیمار ہوئے تو ایک جماعت ان کی عیادت کو آئی۔ ان لوگوں نے پوچھا کہ اللہ کا آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہے۔ فرمایا تیس ۳۰ سال سے بہشت اور جو کچھ اس میں ہے یعنی حور و قصور اور ولدان و غلمان کو میرے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ مگر میں ان کی جانب آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ اسی بیماری میں ایک شخص نے پوچھا کہ آپ کی بیماری کیسی ہے؟ فرمایا کہ مجھ سے بیماری کے بارے میں نہ پوچھو بلکہ بیماری سے میرے بارے میں پوچھو۔

نقل ہے کہ نزع کی حالت میں لوگوں نے آپ سے کہا کہ لا الہ الا اللہ کہئے۔ آپ نے دیوار کی طرف منہ پھیر لیا اور فرمایا کہ میں نے اپنا سب کچھ تیری راہ میں لٹا دیا ہے۔ تو جو تجھے دوست رکھتا ہے کیا اس کی جزا یہی ہے؟

نقل ہے کہ نزع کے وقت لوگوں نے پوچھا آپ اپنے دل کو کیسا پاتے ہیں؟ فرمایا کہ تیس ۳۰ سال ہوئے کہ دل گم گیا ہے اور میں اسے نہیں پاتا۔ یعنی سارے عالم کو اور اپنی ہستی کو ذات حق کے مطالعہ میں گم کر دیا ہے۔ اس حالت میں آپ سے جو کچھ پوچھتے آپ فنائے توحید میں جواب دیتے۔ آپ کی وفات ۲۹۱ھ میں ہوئی۔

ذکر حضرت خواجہ احمد سیاہ دینوری رحمتہ اللہ علیہ

▪ شریعت کے امام' وہ طریقت کے بزرگ' وہ معرفت کی کان' وہ حقیقت کے خزانے' وہ دین کے رہبر' وہ اہل یقین کی دلیل' وہ پیر واصل' وہ شیخ کامل' ▪ پاکیزہ احوال کے مالک' وہ مقامات بلند کے ہادی' وہ معانی کے خزانوں کی کنجی۔ وہ "ہائے! مجھے اپنے بھائیوں کے دیدار کی تمنا ہے" کے قول کو سچا کرنے والے۔ وہ جبین سرداری کے مالک' خواجہ احمد سیاہ دینوری بڑے مشائخ اور نامدار بزرگوں میں سے تھے۔ اہل طریقت کا مرجع اور اہل شریعت کا ملجا تھے۔ معرفت میں کامل اور حقیقت میں واصل تھے۔ تصوف میں آپ کا بیان عمدہ اور شافی ہوتا تھا۔ آپ کے ہمعصر مشائخ آپ کے قول و فعل کی پیروی کرتے تھے۔ اور آپ ریاضت و مجاہدہ میں عالی مرتبہ تھے۔ آپ خواجہ ممشاد دینوری کے خلیفہ اور ایک برگزیدہ بزرگ تھے۔ انہیں سے معرفت کے رموز' حقیقت کی باریکیاں اور طریقت میں ثابت قدمی حاصل کی تھی۔ شیخ عبدالکریم ابن ہازن القشیری کے ہم عصر تھے۔ قشیریؒ نے آپ کا ذکر اپنے رسالہ میں اپنے زمانے کے مقتدیٰ لوگوں میں کیا ہے۔ دینور آپ کی رہائش گاہ ہے۔

محمد نعیم

۲۷ رمضان المبارک ۹۵ھ

مطابق ۴ اکتوبر ۱۹۷۵ء روز شنبہ

خداوندا بحق مرد چالاک ۔ بنی دش احمد دینوری پاک

کہ اشمس احمد دینوری پاک

ذکر حضرت خواجہ محمد ابن عبداللہ المعروف بہ عمویہ رحمتہ اللہ علیہ

وہ علم ظاہر کی شرافت سے مشرف' وہ علم ولایت کی بزرگی سے مکرم' ■ شریعت مصطفیؐ کے پیشوا' وہ طریق مرتضیٰ کے مقتدا' وہ خدا کے راستے کے مجاہد' وہ راہ ہدایت کے وسیلہ' وہ عارفوں کے گروہ کی دلیل' ■ صوفیوں کے فرقوں کے بادشاہ' وہ بزرگ احوال پانے والے پیروں کے پیر۔ خواجہ محمد ابن عبداللہ جو عمویہ مشہور تھے۔ عظیم بزرگوں میں نادر زمانہ تھے۔ ریاضت و مجاہدہ میں اپنے زمانہ کے بے مثال اور خواجہ احمد سیاہ ریوری کے خلیفہ تھے اور انہیں کی خدمت میں سند طریقت حاصل کی تھی۔ ان کی شان بلند تھی۔ بہت سے مشائخ کبار سے ملے تھے۔ ان کی ایک ظاہری ریاضت یہ تھی کہ چالیس روز کے بعد افطار کرتے تھے۔

علمائے ظاہر بے افطار روزے کو مکروہ کہتے ہیں۔ لیکن مشائخ طریقت نے اس ممانعت کو شفقت کی ممانعت پر محمول کیا ہے۔ اور بے انقطاع روزے کو وہ کرامت سمجھتے ہیں۔ عزت و جاہ میں گرفتار بعض درویش بھی روزانہ افطار کو بے افطار روزے پر ترجیح دیتے ہیں۔ کشف محجوب میں درج ہے کہ روزے میں وصال کی نہی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ جب آپ روزہ وصال رکھتے تو صحابہ نے بھی آپ کی موافقت شروع کر دی۔ تو آپ نے فرمایا کہ "تم وصالی روزے نہ رکھا کرو"۔ میں تمہاری طرح نہیں ہوں۔ میں تو اپنے رب کا مہمان ہوں۔ وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ یعنی میں تم جیسا نہیں ہوں۔ مجھے حق تعالیٰ کے یہاں سے ہر رات کھانا اور پانی پہنچتا ہے۔ اس ممانعت کو مجاہدہ والے نہی شفقت کہتے ہیں۔ یہ نہی تحریمی نہیں ہے۔

کشف محجوب میں جو عبارت درج ہے اسے ہم یہاں نقل کرتے ہیں تاکہ شبہات کا ازالہ ہو جائے "جانو! کہ روزے کو روزے سے ملا دینا بغیر اس کے کہ اللہ عزوجل

کے کسی فرمان میں کوئی خلل پڑے ایک کرامت ہے۔ کرامت عوام کا نہیں خواص کا مقام ہے۔ اور چوں کہ اس کا حکم عام نہیں ہوتا اس لئے اس پر حکم لگانا درست نہیں ہے۔ اور اگر کرامت کا اظہار عام ہوتا تو ایمان کے لئے جبر ہو جاتا۔ اور عارفوں کو معرفت پر ثواب نہ ملتا۔ پس چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صاحب معجزہ تھے وہ اعلانیہ روزے میں وصال فرماتے تھے۔ لیکن اہل کرامت کو اس کے اظہار سے منع فرمایا۔ کیونکہ کرامت کے لئے چھپانا شرط ہے۔ اور معجزے کے لئے ظاہر کرنا"۔ یہاں کشف محجوب کی عبارت ختم ہوئی۔

اب جاننا چاہئے کہ جو چیز کرامت سے ہوتی ہے فضیلت رکھتی ہے۔ کیونکہ کرامت خواص کے لئے مخصوص ہے۔ جیسا کہ بعضے مجذوب دوبارہ سلوک حاصل کرنے کیلئے کھانا پینا چھوڑ دیتے ہیں۔ اور عوارف میں ذکر ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور بعضے صحابہؓ روزوں کو طے فرماتے تھے۔ اس لئے یقین ہوتا ہے کہ روزوں کے وصل کی ممانعت ضعیفوں پر شفقت کی بنا پر ہے۔

عموبہ بروزن علوبہ مشہور اور سننے میں آیا ہے۔ شیخ الاسلام کے مریدوں میں سے شیخ حسین مغز شس بلخیؒ ان کا مرتبہ بلند ہو، سید السادات سید ظہیر الدین مرحوم والے عوارف کے نسخہ میں جس کو لوگ صحیح مانتے ہیں عموبہ عین کو زبر میم کو پیش واو کو سکون، بے کو زیر اور ہ کو سکون لکھا ہے اور فتاویٰ صوفیا میں میم کو خفیف اور ہ کو ساکن لکھا ہے اور یہ دونوں طرح صحیح ہے۔ ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں۔"

محمد نعیم

۲۸ رمضان المبارک ۹۵ھ

مطابق ۵ اکتوبر ۱۹۷۵ء روز یکشنبہ

ذکر حضرت خواجہ قاضی وجہ الدین ابو حفص رحمتہ اللہ علیہ

وہ عالم ربانی' وہ عامل حقانی' وہ اہل تصوف کے مشائخ کے پیشوا' وہ اہل تصرف ولیوں کے مقتدا' ■ مقامات پر سالکوں کو پہنچانے والے' وہ مریدوں کو عذاب سے نجات دلانے والے' وہ بزرگ عارفوں میں شریف' وہ بڑے واصلوں میں اکرم' وہ کریم فرزند کریم' وہ شیخ فرزند شیخ عظیم' وہ طالبان صراط مستقیم کے ملجا خواجہ قاضی وجہ الدین ابو حفص (۱)' ان پر اور ان کے والد پر رحمت ہو' طریقت کے عظیم پیروں میں سے تھے۔ اپنے زمانہ کے معتمد اور مقتدا تھے اور ریاضت و مجاہدہ میں عظیم مرتبہ رکھتا تھے۔ طریقت میں اپنے والد خواجہ محمد بن عبداللہ المعروف بہ عموبہ سے تربیت پائی تھی۔ اور دین کا کمال اور اہل یقین کے درجات کا وصول بھی انہیں کی خدمت میں حاصل کیا تھا۔ آپ کا نام عمر ہے۔ ابو حفص کنیت اور وجہ الدین لقب ہے۔ خزانہ جلالی میں منقول ہے کہ شیخ وجہ الدین عمر کو ان کے والد شیخ محمد بن عبداللہ المعروف بہ عموبہ اور اخی فرخ (۲) ریحانی نے مل کر خرقہ پہنایا تھا۔ لیکن شیخ محمد بن عبداللہ المعروف عموبہ نے شیخ احمد اسود دینوری سے پہنا اور انہوں نے شیخ ممتاز دینوری سے پہنا۔ انہوں نے شیخ ابو القاسم جنید سے پہنا تھا۔ لیکن اخی فرخ ریحای نے ابی العباس نہاوندی سے' انہوں نے عبداللہ بن خفیف سے' انہوں نے ابی محمد رویم سے' اور انہوں نے شیخ ابوالقاسم جنید سے پہنا تھا انہوں نے اپنے ماموں سری سقطی کی تربیت و صحبت پائی۔

انہوں نے معروف کرخی کی' انہوں داؤد طائی کی' انہوں نے حبیب عجمی کی اور انہوں نے حسن بصری کی' انہوں نے امیرالمومنین علی کرم اللہ وجہ کی' اور انہوں

۱۔ مطبوعہ نسخہ میں وجیہہ الدین اور قلمی نسخہ میں وجہ الدین لکھا ہے۔

۲۔ قلمی نسخہ کے حاشیہ پر نفحات الانس کے حوالہ سے اخی فرخ ریحانی کا سال وفات ۵۷ھ درج ہے۔

نے رسول رب العالمین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پائی تھی۔

خواجہ قاضی وجیہ الدین ابو حفص کی بزرگی اور مرتبے کے لئے اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ خواجہ ضیاء الدین ابوالنجیب سہروردی، جو جنید ثانی ہیں جن کی تصنیفات پر تمام پیران طریقت کا اعتقاد ہے۔ انہیں کی خدمت و تربیت میں پرورش پائے ہوئے ہیں۔

محمد نعیم

۳ شوال المکرم ۱۳۹۵ھ

مطابق ۹ اکتوبر ۱۹۷۵ء روز پنجشنبہ

ذکر حضرت خواجہ ضیاء الدین ابوالنجیب سہروردی رحمتہ اللہ علیہ

وہ راہموں کے بادشاہ' ▪ عارفوں کی دلیل' وہ دین محمدؐ کے امام' وہ طریقہ احمدؐ کے بزرگ' وہ اہل شریعت و طریقت کے بزرگوں کے مقتدا' وہ اہل معرفت و حقیقت کے پیشوا' ▪ باریکیوں میں صادق صوفیوں کے مرشد' وہ حقائق میں حاذق پیروں کے مقصود' ▪ علم طریقت کے عقدوں کو کھولنے والے' ▪ حقیقت کی تفصیلات کو ظاہر کرنے والے' وہ کثرت میں جلال وحدت کے مشاہدہ کرنے والے وہ وحدت میں جمال کثرت کو دیکھنے والے' وہ میدان یکتائی کے شاہ مردان' خواجہ ضیاء الدین ابوالنجیب سہروردی۔ ان پر اور ان کے احباب پر اور ان کے اسلاف پر اور خلفا پر اللہ کی رحمت ہو۔ جو زمانے کے مشائخ کے مقتدا تھے اور ہر انداز میں ایک عظیم شان رکھتے تھے۔ علماء شریعت مشکلات کے حل میں ان سے رجوع کرتے تھے۔ مشائخ طریقت مشکلات کو کھولنے کے لئے ان کی طرف توجہ کرتے تھے۔ زمانے کے محقق معرفت کی حقیقتیں ان سے پوچھتے اور بڑے بڑے دقیق حقیقت کی باریکیوں کو ان سے حاصل کرتے تھے۔ راہ خدا کے سالک منازل کو طے کرنے میں ان سے برکت حاصل کرتے تھے۔ رنگے ہوئے حضرات بھی حصول دین کے لئے آپ کی خدمت میں آتے تھے۔ موحد لوگ اضافات کے سقوط کے لئے ان کی صحبت اور مدد حاصل کرتے تھے۔ وہ بڑے بزرگانہ احوال اور عجیب اوقات رکھتے تھے۔

ان کے بارے میں ایک حکایت مشہور ہے جو خزانہ جلالی میں بھی مسطور ہے کہ ایک وقت آپ حجرے میں مشغول تھے۔ اپنے بھتیجے حضرت شیخ العالم شیخ شہاب الدین سہروردی کو حجرہ کے باہر بٹھا دیا تھا۔ حضرت خضر علیہ السلام' جو مشکل سے کسی کو نظر آتے ہیں اور اولیا اللہ ان کے دیدار کی تمنا کرتے ہیں' آئے۔ فرمایا "جاؤ اور کہو کہ خضر آیا ہے" شیخ شہاب الدین سہروردی حجرے کے اندر آئے اور عرض کیا کہ "خضر

علیہ السلام تشریف لائے ہیں۔" شیخ نے اشارہ کیا کہ لوٹا دو۔ شیخ شہاب الدین واپس آئے مگر ان کی ہیبت کی وجہ سے جواب نہ دے سکے۔ خضر علیہ السلام نے فرمایا۔ "اچھا کسی دوسرے وقت آؤں گا۔" پھر جب حضرت ضیاء الدین حجرے سے باہر تشریف لائے تو شیخ شہاب الدین کا کان زور سے پکڑا اور فرمایا "خضر پھر آئیں گے اور چلے جائیں گے۔ لیکن وقت کہاں سے پائیں گے"۔ سبحان اللہ یہ محمدی رسول اللہ علیہ السلام کی متابعت میں وہاں پہنچ جاتے ہیں جہاں پہنچ کر زبان حال سے یہ کہتے ہیں۔ میرے لئے اللہ کے ساتھ ایک وقت خاص ہوتا ہے جس میں کوئی مقرب فرشتہ یا رسول و نبی وہاں نہیں پہنچ سکتا۔

آپ کے کرامات اور خوارق عادات بہت ہیں۔ شیخ عبداللہ یافعی کی کتاب ترجمہ تکملہ میں جس میں حضرت محبوب قطب ربانی غوث صمدانی شیخ عبدالقادر جیلانی اور دوسرے بزرگوں کے مناقب تالیف کئے ہیں۔ چھبیسویں ۲۶ حکایت میں نقل کیا ہے کہ شیخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں ایک وقت اپنے چچا اور پیرو مرشد حضرت شیخ ابو النجیب عبدالقاہر کی خدمت میں حاضر تھا ایک شخص گائے کا ایک بچھڑا شیخ کے پاس لایا۔ اور عرض کیا یا سیدی اس کو آپ کی نذر کرتا ہوں اور واپس چلا گیا۔ وہ بچھڑا شیخ کے سامنے لایا گیا تو شیخ نے فرمایا یہ بچھڑا کہتا ہے کہ میں وہ بچھڑا نہیں ہوں جو آپ کی نذر کیا گیا ہے وہ بچھڑا دوسرا ہے۔ مجھ کو تو شیخ علی بن ہیتی کی نذر کیا ہے۔ ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ وہ شخص پھر آیا اور اسی بچھڑے کی طرح ایک دوسرا بچھڑا پیش کیا اور شیخ سے کہا کہ اے سردار یہ بچھڑا آپ کی نذر ہے اور وہ بچھڑا شیخ علی کی نذر کیا گیا ہے۔ مجھے ان دونوں میں شبہہ ہو گیا تھا۔

شیخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک وقت تین یہودی اور تین نصرانی شیخ کی مجلس میں حاضر ہوئے۔ شیخ نے ان کو اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے سختی سے انکار کر دیا۔ پھر شیخ نے ان کو ایک ایک گھونٹ دودھ پلایا۔ ابھی دودھ حلق سے نیچے نہیں اترا تھا کہ اسی وقت وہ چھ آدمی مسلمان ہو گئے۔ اور کہا کہ جوں ہی دودھ ہمارے پیٹ میں پہنچا تو سوائے دین اسلام کے ہر دین ہمارے دلوں سے

مٹ گیا۔ شیخ نے فرمایا کہ معبود کی عزت کی قسم' تم اسلام نہیں لائے جب تک کہ تمہارے شیطانوں نے ہمارے سامنے اسلام نہیں لایا۔ اور میں نے اللہ تعالٰی سے درخواست کی کہ ان کو میرے حوالے کر دے۔ اللہ تعالٰی نے مجھے دے دیا۔ اس کے بعد اپنا دست مبارک ان کی آنکھوں پر رکھ دیا۔ اسی وقت کشف باطن ہو گیا۔ پھر وہ لوگ اپنے عزیزوں میں گئے اور ان کو اسلام کی دعوت دی۔

ستائیسویں ۲۷ حکایت میں شیخ ابو محمد مسعود رومی رحمتہ اللہ علیہ سے منقول ہے۔ فرمایا کہ ایک دن اپنے پیر شیخ ابو النجیب سہروردی رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ بغداد کے شاہی بازار سے گذر رہا تھا۔ دفعتہ آپ کی نظر قصاب کی دکان پر ایک بکری پر پڑی جس کو کھال اتار کر لٹکا دیا گیا تھا۔ وہیں کھڑے ہو گئے اور قصاب سے فرمایا یہ بکری مجھ سے یہ کہہ رہی ہے کہ میں مردار ہوں۔ قصاب یہ سن کر اسی وقت بے ہوش ہو گیا۔ جب ہوش میں آیا تو شیخ کے قول کی تصدیق کی اور پھر شیخ کے ہاتھ پر توبہ کی۔

یہی راوی کہتے ہیں کہ میں اپنے پیر کے ساتھ ایک راستے سے گزر رہا تھا۔ ایک شخص بہت سے تازہ میوے لے جا رہا تھا۔ شیخ نے اس سے کہا کہ ان پھلوں کو میرے ہاتھ بیچ دو۔ اس شخص نے کہا کیوں بیچ دوں؟ شیخ نے فرمایا کہ یہ پھل مجھ سے کہتے ہیں کہ ہم کو اس مرد کے ہاتھ سے چھڑا لو کیونکہ یہ مجھے شراب پینے کے بعد کھانے کے لئے لے جا رہا ہے۔ یہ سنتے ہی وہ آدمی بے ہوش ہو گیا۔ اور گر پڑا۔ پھر جب ہوش میں آیا تو کہا کہ خدا کی قسم سوائے اللہ تعالٰی کے اور کوئی شخص یہ بات نہیں جانتا تھا۔ پھر شیخ کے ہاتھ پر توبہ کی۔

یہی راوی بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں اپنے پیر کے ساتھ کرخ سے گزر رہا تھا (یہ بغداد کا ایک محلہ ہے) کہ ایک گھر سے مستوں کی آواز اور ان کا شور سنائی دیا۔ اور تیز بدبو دماغ میں آئی۔ شیخ اس گھر کی دہلیز میں داخل ہوئے اور دو رکعت نماز پڑھی۔ اسی وقت گھر میں جتنے آدمی بھی تھے سب فریاد کرتے ہوئے باہر نکل آئے۔ اور کہا مٹکے میں جتنی بھی شراب تھی وہ پانی ہو گئی۔ پھر ان سب نے شیخ کے ہاتھ پر توبہ کی۔

ستائیسویں حکایت میں آپ ہی رحمتہ اللہ علیہ کا کلام منقول ہے کہ تصوف کی ابتداء علم ہے۔ اور بخشش امید کے نتیجے تک پہنچاتی ہے۔ اور اہل دین کے بھی تین مرتبے ہیں۔ مرید طلب' متوسط چلنے والا اور منتہی واصل' مرید صاحب وقت ہے۔ متوسط صاحب حال اور منتہی صاحب یقین۔ ان کے نزدیک سب سے بہتر عمل سانسوں کا گننا ہے۔ اور مرید کا مقام مجاہدہ ہے اور اپنے نفس سے مکر کرنا ہے مرادات کو ترک کرنا اور لذت و خواہش کی مخالفت کرنا ہے اور متوسط کا مقام انہی مراد اوصاف و عادات کو چھوڑنا اور اس پر ثابت قدم رہنا ہے اور حق کو قبول کرنا ہے۔ وہ جہاں سے چاہے مقامات طے کرکے تمکین کے مقام پر پہنچے' مگر اس کی حالت متغیر نہ ہو۔ اور خوف اس میں اثر نہ کرے۔ یاس و امید منع و عطا اور جفا و وفا اس کے لئے برابر ہو جائے اس کا کھانا بھوکے رہنے کی طرح ہے اس کا سونا جاگنے کی طرح اس کی لذتیں فنا ہو جاتی ہیں اور حقوق باقی رہ جاتے ہیں۔ اس کا ظاہر خلق کے ساتھ اور باطن خدا کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور اس پر یہ اشعار صادق آتے ہیں۔

حقیقت نے بخشی یہ اس کو غنا ہے ۔۔۔ ظہور حقیقت کا پردہ فنا ہے
یہ عالم ہے باقی ترے ایک دم سے ۔۔۔ سمندر کی گہرائی سب کی بقا ہے
اسی کی نظر سے ہے فیوز مندی ۔۔۔ کہ ہر ایک اشارے میں ذوق ولا ہے
فنا ہجر ہے اور بقا وصل اس کا ۔۔۔ یہ علم طریقت کی بس انتہا ہے

حضرت شیخ ابوالنجیب رحمتہ اللہ علیہ محقق بزرگوں اور عارف علماء کے نشانوں میں صاحب کشف ظاہر' صاحب کرامت و خوارق' عمدہ احوال' بلند مقام' صادق انفاس اور روشن معارف تھے۔ آپ مدرسہ نظامیہ میں درس فرماتے اور فتویٰ دیتے تھے۔ آپ نے علم شریعت و حقیقت میں بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ آپ کا لقب مفتی العراقین و قدوۃ الفریقین تھا۔ وہ اس راہ کے آزاد مرد' سیدوں کے امام' دل والوں کے بزرگ' تھے اور راہ سلوک کی حقیقتوں میں اعلیٰ مرتبہ' معراج کے معنی میں بلند مقام اور قرب میں رفعت قرار تھے۔ مقام تمکین پر قائم' اخلاص کی شرافت اور اعراق کی خوشبو میں طویل ہاتھ رکھتے تھے۔ جملہ مشائخ اور علماء آپ کے احترام کے پابند تھے۔

اور بزرگوں کے دل آپ کی قبولیت کے گواہ تھے۔ وہ جب اس گروہ کے احوال کی تشریح فرماتے تو علما کا لباس پہنتے۔ اونٹ پر سوار ہوتے اور اس پر پالان ڈالتے۔ نہایت خوبصورت اور روشن پیشانی تھے۔ اور چادر اوڑھتے تھے۔ (یہاں تک تکملہ کی عبارت ختم ہوئی۔)

خزانہ جلالی میں منقول ہے کہ ایک آدمی سلطان المشائخ شیخ ضیاء الدین ابو النجیب سہروردی قدس سرہ کی خدمت میں روتا ہوا آیا اور عرض کیا کہ اے مخدوم! جوانی میں تو فاسد خیالات نہیں آتے تھے۔ لیکن اس بڑھاپے میں برے اور فاسد خیالات دل میں گزرتے ہیں کہ میں نے کیوں ایسا نہیں کیا۔ شیخ نے فرمایا کہ پہلا زمانہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ اور صلحا کے زمانے سے قریب تھا۔ اب زمانہ ہی فاسد ہو گیا ہے اس وجہ سے فاسد خیالات دل میں پیدا ہوتے ہیں۔

نظامی سے، جو شیخ نظام الدین رحمتہ اللہ علیہ کے ملفوظ ہیں، نقل ہے کہ کسی وقت شیخ ابو النجیب سہروردی کی خدمت میں کسی دنیا دار نے قیدیوں کے سر پر کھانا رکھ کر بھیجا۔ جب کھانا اتارا گیا تو شیخ نے ان قیدیوں کو ایک صف میں بیٹھنے کا حکم دیا۔ اور خود اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے درمیان میں آ بیٹھے اور کھانا کھایا۔ کیونکہ حدیث میں آیا ہے "بیشک یہ بلند تواضع ہے کہ جس سے تم ملو پہلے سلام کرو۔ اور جو تم کو سلام کرے اس کو جواب دو۔ مجلس میں کمتر جگہ پر بیٹھنا پسند کرو۔ اور یہ کہ اپنی تعریف، پاکیزگی اور بھلائی کو پسند نہ کرو۔

عوارف سے نقل ہے کہ فرمایا کہ میرا کھانا بھی نماز پڑھنا ہے۔ یعنی جب میں کھانا کھاتا ہوں تو حالت یہ ہوتی ہے کہ کھانے ہی میں نماز پڑھتا رہتا ہوں۔

آداب المریدین سے نقل ہے کہ فرمایا کہ کسی سے صفات بشری زائل نہیں ہوتے البتہ نفس کی بندگی سے صدیقوں کو آزادی حاصل کرنا جائز ہے۔ اور برے صفات عارفوں سے فانی ہو جاتے ہیں اور مرید سے مغلوب ہو جاتے ہیں اور فرمایا جس نے ادب کا دامن تھام لیا وہ مردان خدا کے مقام پر پہنچ گیا۔ اور فرمایا کہ فصاحت و بلاغت اور دیگر علوم کا یاد کرنا، شاہی خبروں اور عربی اشعار کا یاد کرنا، اہل دنیا کا ادب

ہے' اور علم کے ساتھ ساتھ ریاضت نفس' اعضاء کی تادیب' مزاج کی تہذیب' خواہشات کے ترک' شبہات سے پرہیز اور بھلائی کی طرف دوڑنے کی حدیں قائم رکھنا دین کا ادب ہے۔ اور دل کی حفاظت کرنا' اور اسرار کی مراعات اور ظاہر کا استوار کرنا اہل خصوصیت کا ادب ہے۔ اور فرمایا اہل تصوف کی سب سے بڑی خصلت اخلاق ہے۔ اور فرمایا مقصود سب کا ایک ہے البتہ سالکوں کے اختلاف حال کی وجہ سے راستے مختلف ہوگئے ہیں۔ بعضے سالک عبادت کا طریقہ اختیار کرتے ہیں' پانی اور محراب کو لازم جانتے ہیں اور ذکر و نوافل کی کثرت اور اوراد کی پابندی کرتے ہیں۔ بعضے سالک ریاضت اور نفس کی مخالفت کرکے اس پر قہر کرنا اختیار کرتے ہیں۔ بعضے سالک سفر و سیاحت اور غربت و گمنامی اختیار کرتے ہیں۔ سالک اپنے دینی بھائیوں کی خدمت' ان کی فلاح و بہبود اور ترقی و خوش حالی کے لئے جدوجہد کرنے کے طریقے اختیار کرتے ہیں۔

بعضے سالک سخت مجاہدہ کرتے اور دشواری و محبت کا راستہ اختیار کرتے اور اسی میں زندگی گزار دیتے ہیں۔ بعضے سالک مخلوق کے سامنے اپنا مرتبہ گرانے اور ان کی طرف کم متوجہ ہونے اور ان کے خیر و شر میں پوری مشغولیتوں کو ترک کرنے کا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ بعضے سالک عاجزی اور انکساری کے طریقہ کو اپناتے ہیں۔ بعضے سالک تعلیم' علما کی صحبت' احادیث و علوم کے یاد کرنے کا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ اور فرمایا ہر طریقے میں سالک ایک موصل یا دلیل (رہنما) کا محتاج ہوتا ہے کہ اس کا ہاتھ پکڑے تاکہ وہ حیرت اور فتنہ سے سلامت رہے۔ اور فرمایا کہ اپنے مذہب کے مخالف کی صحبت نہ اختیار کرے' خواہ وہ اپنا عزیز ہی کیوں نہ ہو۔ اور فرمایا جاہلوں سے ملیں تو صبر جمیل' حسن خلق' اور مہربانی سے پیش آئیں۔ اور جب وہ کوئی خلاف بات کریں تو برداشت سے کام لیں۔ جو شخص اپنے جہل میں قوی ہو اس کے ساتھ حلم بہتر ہوتا ہے۔ اور فرمایا پہلی صحبت تعارف ہے' پھر دوستی' پھر الفت' پھر عشرت' پھر محبت اور پھر خوف' اور فرمایا اگر صحبت اپنے شرائط کے ساتھ درست ہو تو بہت بڑا کام ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ جو علم' فقہ' عبادت' زہد' توکل اور رضا

میں تمام لوگوں سے افضل تھے۔ وہ محبت کے سوا کسی اور صفت سے متصف نہ ہوئے۔ اس لئے محبت سب سے زیادہ افضل ہے۔

حکایت کرتے ہیں کہ علی ابن بندار صوفی اور عبداللہ ابن خفیف ساتھ ساتھ جا رہے تھے عبداللہ نے ان سے کہا کہ آپ آگے چلیں۔ علی ابن بندار نے پوچھا کہ کس عذر کی بنا پر؟ کہا کہ آپ نے جنیدؒ کو دیکھا ہے اور میں نے نہیں دیکھا۔ اور فرمایا کہ محبت اس کی اختیار کرو جس کی عقل دین کے معاملہ میں کامل ہو۔ کیونکہ دین صرف اس کے لئے ہے اور عقل تم دونوں کے لئے اور ایسے شخص کی محبت نہ اختیار کرو جو دنیا اور خواہش نفسانی میں مبتلا ہو۔ اور فرمایا کہ ایسا ساتھی جس سے نہ تم کو کوئی فائدہ ہو اور نہ تم سے اس کو اس سے دور بھاگو۔ اور فرمایا کہ انسان کا غرور اپنے نفس کے ساتھ اس کی عقل کے فساد کی وجہ سے ہے۔ جب فقرا آ جائیں تو بغیر تکلف ان کی خدمت کرو۔ جب تم بھوکے ہو تو وہ بھی بھوکے رہیں۔ جب تم سیر ہو تو وہ بھی سیر ہوں۔ اور فرمایا کہ بدوں کی محبت اختیار کرنا ایسا ہی ہے جیسے دریا کا سفر کرنا کہ اگر آدمی ہلاکت سے بچ بھی جائے مگر دل تو خوف سے نہیں بچتا۔ اور فرمایا کہ کھانے کا زیادہ ذکر نہ کریں کیونکہ یہ حرص کی زیادتی کی علامت ہے' نفس کو اس کا حق دیں مگر لذت نہ دیں۔ پھر فرمایا کہ کھانے میں عیب نہ نکالیں اور نہ کھانے کی تعریف کریں۔ فاسقوں اور ظالموں کے کھانے سے پرہیز کریں۔ خواہ وہ ان کے کسب ہی سے ہو۔ اور فرمایا سماع میں وجد کا ہونا صفات باطن کا جوہر ہے۔ جیسے صفات ظاہر کا جوہر بندگی ہے۔ اور فرمایا صدقہ دینے والا صدقہ لینے والے سے جو محتاج ہو' بھلائی میں افضل نہیں ہے۔ اور فرمایا کہ جو شخص خواہش اور توجہ سے بلا کا مشاہدہ کرتا ہے تو توجہ کے مشاہدے میں بلا کی تلخی اور سختی غائب ہو جاتی ہے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر خدا کے جائز کردہ امور ادا کئے جائیں تو وہ انہیں اتنا ہی پسند فرماتا ہے جتنا اس کے فرائض ادا کئے جائیں۔ اور فرمایا رخصت کی مثال منزل پر اتر کر پانی پینے کی طرح ہے جہاں مبتدی ٹھہر جاتا ہے' متوسط متحیر ہو جاتا ہے' عارف وہاں آرام نہیں پاتا' اور محقق اس کو جائے قیام نہیں بناتا' مگر

حالت اضطرار میں آگے روانہ ہونے کی نیت سے۔ اور فرمایا جو اتر کر قیام کرتا ہے وہ رخصت میں حقیقت کے درجہ سے گر جاتا ہے۔ اور جو رخصت سے گرتا ہے وہ جہالت و گمراہی میں پڑ جاتا ہے۔ اور فرمایا جس نے رخصت پر عمل کیا اور رخصت کے آداب بجا لایا اور اصول ثلاثہ (تین اصول) کو لازم جانا وہ سچا متشبہ (سنت کی پیروی کرنے والا) ہے۔ مشائخ رضوان اللہ علیہم کا اس پر اتفاق ہے کہ جو شخص اصول ثلاثہ میں سے کسی ایک کو ترک کرتا ہے۔ وہ احکام مذہب سے باہر ہو جاتا ہے۔ اور دین سے خالی ہو جاتا ہے۔ اور ▪ اصول ثلاثہ فرائض کی ادیگی' ممنوعات سے پرہیز کرنا اور ضرورت کے مطابق دنیا کا ترک کرنا ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرورت کو دنیا سے الگ کر لیا ہے۔ پھر فرمایا کہ دنیا کی چار چیزیں دنیا نہیں ہیں۔ یعنی بھوک دور کرنے کے لئے روٹی کا صرف ایک ٹکڑا' ضرورت کے مطابق لباس جس سے چھپانے کی جگہوں کو چھپا سکیں۔ ایک گھر جو گرمی اور سردی میں سکون دے سکے۔ اور ایک صالحہ بیوی جس سے تسکین نصیب ہو۔ اور جو اس کے علاوہ ہے اس میں کوئی تیرا حق نہیں ہے۔ لیکن ان میں بھی آداب اور رخصتیں ہیں۔ ہر رخصت کے لئے ایک علیحدہ ادب ہے۔ ان سب کا ذکر کرنا یہاں ممکن نہیں۔ اگر دیکھنے کی خواہش ہو تو ادب المریدین میں ملاحظہ کریں۔

حضرت خواجہ ضیاء الدین ابوالنجیب سہروردی سے کہیں زیادہ بلند و برتر ہیں کہ کوئی شخص ان کے مناقب بیان کر سکے۔ وہ حضرت جنیدؒ کے مرتبے پر ہیں۔ تمام مشائخ کے مرجع تھے۔ ان کے بعد تمام مشائخ طریقت کا اعتماد ان کی تصانیفات اور ان کے متبعین پر ہے۔ چنانچہ یہ کتاب آداب المریدین آپ ہی کی ایک خاص تصنیف ہے۔ اور عوارف حضرت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی کی تصنیف ہے جو آپ کے مرید اور خلیفہ تھے اور سلوک طریقت کے بیان میں تبصرہ رسالہ اور دیگر تصنیفات خواجہ نجم الدین کبریٰ کی تصنیف ہے جو ان کے مرید اور خلیفہ ہیں۔ اور مرصاد شیخ نجم الدین بغدادی کی تصنیف ہے۔ جو خواجہ نجم الدین کبریٰ کے مرید اور خلیفہ ہیں۔ ایک اور رسالہ بھی جو شیخ برہان الدین سمرقندی کے مرید و خلیفہ کی ہے جو شیخ

عبدالرحمن کبریٰ کے مرید و خلیفہ تھے۔ وہ شیخ احمد احمد کوریانی کے مرید و خلیفہ تھے وہ شیخ علی لالا کے مرید و خلیفہ تھے اور وہ شیخ مجدالدین بغدادی کے مرید و خلیفہ تھے جن کا ذکر کیا جا چکا ہے۔

شرح آداب المریدین جو حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کی تصنیف ہے۔ جن کی نسبت' ارادت اور خلافت پیروں کے اس شجرہ سے ثابت ہے۔ اور حضرت شیخ شرف الدین منیری قدس اللہ اروا حہم کے مکتوبات سے روایت ازروے سماع ہے کہ بعض لوگوں نے حضرت شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب سہروردیؒ سے التماس کی کہ آداب المریدین کی شرح لکھی جائے۔ فرمایا کہ اس کی شرح میرے فرزندوں میں سے ایک فرزند کرے گا۔ واللہ اعلم ■ فرزند یہی شیخ شرف الدین ہیں۔ مشائخ اہل طریقت چونکہ اہل معنی ہوتے ہیں اس لئے اپنے مریدوں کو فرزند کہتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کے مرید ان کے معنوی فرزند ہوتے ہیں۔

آپ کا اسم گرامی خواجہ ضیاء الدین عبدالقاہر بن عبداللہ بن محمد سہروردی ہے۔ ضیاء الدین آپ کا لقب اور ابوالنجیب آپ کی کنیت ہے۔ آپ نے اپنے زمانہ کے شیخ خواجہ وجیہہ الدین ابوحفص رحمتہ اللہ علیہ سے خرقہ طریقت پہنا۔ خزانہ جلالی میں ذکر ہے کہ انہوں نے صحبت اور طریقت کا حصول شیخ احمد غزالیؒ سے بھی کیا' اور شیخ احمد غزالی نے ابوبکر نساج سے' انہوں نے عثمان مغربی سے' انہوں نے ابو علی رود باری سے اور انہوں نے حضرت جنید بغدادیؒ سے حاصل کیا۔ اور اس خرقہ کی نسبت سے قاضی عین القضات ان کے ہم خرقہ ہوتے ہیں کیونکہ قاضی عین القضات نے رسالہ بیدارنامہ میں وضاحت کی ہے کہ ان کے پیر شیخ احمد غزالی تھے۔

یہ بات ہم پہلے ہی سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی کے ذکر میں کہہ چکے ہیں کہ جملہ مشائخ بالاتفاق جنیدی ہوئے ہیں۔ جو شہرت ان کے مذہب نے قبولیت عامہ میں حاصل کی وہ کسی دوسرے کو حاصل نہ تھی۔ جملہ متاخرین جن میں صاحب فصوص ابن عربی اور شیخ سعدی شیرازی اور شیخ فرید الدین عطار اور خواجہ حمید الدین ناگوری اور شیخ شرف الدین پانی پتی رحمتہ اللہ علیہم شامل ہیں' سب کے سب جنیدی تھے اور ان

سب کا مذہب صحو ہے۔ جیسا کہ ان کی کتابوں کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے۔ لہذا جب یہ لوگ جنیدی ہیں تو سب کو اس شجو سے نسبت ہوگی۔ اس لئے ہر ایک نسبت کا الگ الگ بیان کرنا ضروری نہیں ہے۔ غالب امر یہی ہے کہ حضرت جنیدؒ سب کے مرجع ہیں۔

حضرت خواجہ ضیاء الدین ابو النجیب سہروردی رحمتہ اللہ علیہ کی وفات سنیچر کی رات کو ۲ جمادی الثانی ۵۴۳ھ میں بغداد میں ہوی۔ ان پر اور ان کے متبعین پر اللہ کی رحمت ہو۔

محمد نعیم
۲۹ شوال المکرم ۱۳۹۵ھ
مطابق ۴ نومبر ۱۹۷۵ء روز شنبہ
لطیف آباد حیدر آباد پاکستان

ذکر حضرت خواجہ نجم الدین کبریٰ رحمتہ اللہ عنہ

وحدت کے سمندر کی تہ کے گھڑیال' وہ صحرائے کثرت کے شہسوار' وہ فردیت کی ولایت کے سلطان اور تجربہ میں محقق' وہ ملک توحید میں زوجی ممالک کے بادشاہ' وہ رندان خرابات کے پر' وہ پیران مناجات کے واصل کرنے والے رہنما' وہ مشائخ طریقت کے تحقیقی امام' وہ معرفت کے عقدوں کی باریک گتھیوں کو سلجھانے والے' وہ حقیقت کے حقائق کو بے شک و یقین کھولنے والے' وہ اصحاب صحو اور ارباب تمکین کے لئے باعث فخر وہ بلند ہمت رکھنے والے جن کی ہمت افلاک سے زیادہ بلند ہے۔ ابوالجناب احمد بن عمر صوفی جو خواجہ نجم الدین کبریٰ کے نام سے مشہور و معروف ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے اور ان کے متبعین کے اسرار کو مقدس فرمائے اور ان کے آثار کے برکات سے ہمیں فیضیاب کرے۔ مشائخ میں عظیم اور گروہ صوفیہ میں بڑے بزرگ تھے۔ ریاضت و مجاہدہ میں بلند مراتب رکھتے تھے۔ طریقت کے راستے میں مقصود تک پہنچنے کا سریع الوصول طریقہ کی بنیاد رکھی۔ ان کے طریقے کی اصل اور بنیاد "مرنے سے پہلے مرجاؤ" پر مبنی ہے۔ ان کے راستے کا اہم مقصد فنائی التوحید ہے۔ جو طریقہ وحدت میں مغلوب ہو جاتا ہے۔ وہ اخص الخواص کی توحید میں نت نئی شان رکھتے اور طریقہ کثرت کے تصرف میں یکتائے زمانہ تھے۔ عجوبہ کرامات اور نادر خوارق آپ سے صادر ہوتے۔ عام لوگ آپ کی تاثیر نظر سے ولی ہو جاتے' اور ولی انسانیت کے معراج کمال پر پہنچ جاتے۔ آپ کے فیض عام سے ناقابل قابل ہو جاتے۔ توحید و معرفت اور طریقت و حقیقت کے بیان میں انوکھا انداز کلام اختیار فرماتے۔ عربی' فارسی' نظم و نثر میں آپ کی بہت سی تصنیفات ہیں۔ جن میں تبصرہ اور رسالہ' سلوک طریقت کے بیان میں ہندوستان بھر میں مشہور ہے۔ شیخ اوحدی رحمتہ اللہ علیہ نے (ان پر اللہ کی رحمت اور بخشش ہو) اپنی تصنیف کتاب مستجاب میں مناجات کے چند اشعار جو خواجہ نجم الدین رحمتہ اللہ علیہ کے مناقب میں شامل ہیں نقل کئے ہیں وہ یہ ہیں۔

نظم

خدا یا بحق ولی ساز مطلق شہ نجم دین و مہ ملت و حق

خدا یا طفیل ان کے رتبے کے ہردم کہیں پیر کبریٰ جنہیں اہل عالم

خدا یا بحق دم پیر خوارزم جو تھے وارث ہمت و صاحب عزم

جو بخشیں کمال عامیوں کو بلا رنج جو واصل کریں مہرے کو پہ شطرنج

تو صدقے میں ان کے جو رمز آشنا تھے کھلے تبصرے میں معانی کے تصے

تھی بالائے نطق و بیاں جن کی ہربات کھلا جس سے ہر عقدہ محو و اثبات

طفیل اس سکوں کے، دم رہ نمائی جو تھے ذات میں دعوئی دار سلونی

طفیل ان کی طرفہ ولی سازیوں کے طفیل ان کی پیہم ضیا پاشیوں کے

دم صبح ملے جن کے فیض نظر سے سگ خوار کو بھی ولایت کے درجے

زہے اس نظر کی اثر آفرینی جو کتے کو بخشے نظر آفرینی

ان اشعار کے مضمون کے بیان میں حاشیہ پر خود ہی لکھا ہے۔ کہتے ہیں کہ شیخ نجم الدین کبریٰ قدس اللہ سرہ بازار سے گزر رہے تھے۔ شیخ مجدالدین بغدادی رحمتہ اللہ علیہ جو مرصاد کے مصنف ہیں، نہایت ہی خوبصورت جوان تھے۔ بازار میں بیٹھے ایک شاطر کے ساتھ شطرنج کھیل رہے تھے۔ شیخ نجم الدین کی نظران پر پڑگئی۔ آپ نے اپنے خادم کو بھیجا اور کہا اس جوان سے کہو کہ اگر شطرنج کھیلنا ہے تو آکر نجم الدین کے ساتھ کھیلو۔ خادم گیا اور اس نے اسی طرح عرض کیا۔ شیخ مجدالدین رحمتہ اللہ علیہ نے بساط لپیٹی اور خادم کے ساتھ ہولئے۔ جب شیخ کے سامنے آئے تو شیخ نے فرمایا بساط بچھاؤ۔ جب بساط بچھائی گئی تو شیخ نے سفید مہرے ان کے سامنے اور سیاہ اپنے سامنے رکھے۔ کھیل شروع ہوا۔ آپ جو مہرہ بھی چلتے تھے اس میں ان کو مقامات طریقت میں سے ایک مقام طے کرا دیتے تھے۔ جب ان کو مات دی تو واصل کر دیا اور خلافت عطا کی۔ یہی وجہ ہے کہ خواجہ نجم الدین کبریٰ کو ولی تراش کہتے ہیں کہ بس ایک نظر ڈالتے ہی ولی بنا دیتے تھے۔

دوسروں کا بیان ہے کہ تبصرہ شیخ نجم الدین قدس سرہ کی تصنیفات میں سے ایک مختصر رسالہ ہے۔ دوسرے نے ایک نقل بیان کی ہے کہ شیخ نجم الدین جب بغداد پہنچے تو شیخ

الشیوخ اور امام فخرالدین رازی وہیں تھے۔ خلیفہ نے ایک محفل آراستہ کی۔ شیخ نجم الدین' شیخ الشیوخ اور دوسرے مشائخ و علماء کو دعوت دی مگر امام فخرالدین رازی کو مدعو نہیں کیا۔ اس خیال سے کہ وہ بہت بحث کرنے والے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ اپنی بحث سے مشائخ کی خاطر جمعی کو پراگندہ کریں۔ جب امام فخرالدین نے سنا تو بے بلائے پہنچ گئے اور مجلس میں حضرت شیخ نجم الدین رحمتہ اللہ علیہ کے سامنے بے ادبی اور خود نمائی کے ساتھ بیٹھ گئے۔ اگرچہ فقراء ظاہری تفوق کی پروا نہیں کرتے۔ لیکن خلیفہ کے دل میں شیخ کے باطن نے اثر کیا تو انہوں نے امام فخرالدین کو اس جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ بٹھا دیا۔ امام فخرالدین بہت شرمندہ ہوئے۔ اپنی اس شرمندگی کو دور کرنے کے لئے شیخ الشیوخ سے ایک مسئلہ پوچھا اور چاہا کہ بحث میں مشائخ پر الزام تراشی کر کے اپنی علمی فوقیت کو ثابت کریں تاکہ خلیفہ ان کے مرتبہ کو فوقیت کو جانے اور نادم ہو۔ شیخ الشیوخ نے اس مسئلہ کا شافی جواب دیا۔ مگر انہوں نے اس پر اکتفا نہیں کیا اور حضرت نجم الدین کبریٰ سے بھی وہی سوال کیا۔ شیخ نے اس خیال سے کہ ہم لوگ درویش ہیں اگر بحث کا جواب بحث سے دیں گے تو ہم میں اور ان میں کیا فرق رہے گا۔ بہ ظاہر خاموش رہے۔ لیکن ان کے باطن پر ایسی نظر ڈالی کہ آدھا علم ان کے دل سے محو ہو گیا۔ لیکن امام فخر کچھ ایسے حیران تھے کہ معلوم نہ کر سکے۔ کہ نصف علم غائب ہو چکا ہے۔ چنانچہ جواب کا تقاضا کیا۔ شیخ نے فرمایا کہ کیا پورا پورا جواب چاہتے ہو۔ پھر دوبارہ ایسی نظر ڈالی کہ تمام علوم یک لخت بھول گئے۔ امام فخرالدین رازی نے خود اپنے رسالہ میں تحریر کیا ہے کہ میں جتنا بھی غور کرتا تھا کچھ یاد نہ آتا تھا حتیٰ کہ ابجد کے حروف بھی ذہن سے محو ہو گئے تھے۔ آخر علم کی برکت نے رہنمائی کی اور خلیفہ کے سامنے استغفار کیا۔ شیخ نے فرمایا جاؤ اپنے حال پر قائم رہو۔ امام فخر کہتے ہیں کہ جیسے ہی شیخ نے فرمایا "جاؤ اپنے حال پر قائم رہو"۔ میں نے اپنے دل میں وہ علم پایا جو اس سے پیشتر نہ تھا۔ اسی لئے پہلے ان کو سلونی تحت العرش کہتے تھے اور خلیفہ کی اس محفل سے آنے کے بعد سلونی فوق العرش کہنے لگے۔ لوگوں نے پوچھا اس کی کیا وجہ ہے؟ تو کہا کہ پہلے میں عرش کے نیچے کی چیزوں کو جانتا تھا اور اب آج سے عرش کے اوپر کی چیزوں کو جاننے لگا ہوں۔

اور دوسرے کہتے ہیں کہ شیخ کو صبح کے وقت ایک مخصوص فیض حاصل تھا۔ یعنی جس پر بھی پہلی نظر پڑتی' ولی ہو جاتا تھا' چنانچہ ایک دن صبح کے وقت خلوت سے باہر آئے تو کوئی نہ تھا جس پر نظر ڈالتے۔ خانقاہ سے باہر آئے تو ایک کتا آپ کے سامنے سے گزرا شیخ کی نظر اس کتے پر پڑی' ولی صفت ہو گیا۔ چنانچہ لوگ امتحان کے لئے اگر حرام لقمہ اس کے سامنے ڈالتے تو وہ نہیں کھاتا تھا۔ اور جو شخص صبح کے وقت اس کتے کی نظر کے سامنے آ جاتا تو ولی ہو جاتا۔ چنانچہ ایک گروہ صوفیوں کا وہ ہے جن کو کلبیہ کہتے ہیں۔ ■ اسی وجہ سے کلبیہ کہلاتے ہیں کہ شیخ کے کتے کی نظر پائے ہوئے ہیں۔

شیخ اوحدی مذکور نے مراتب السالکین میں یہ بھی نقل کیا ہے کہ شیخ نجم الدین کبریٰ قدس سرہ نے فرمایا ہے۔

نظم

تصوف میں خرقہ نہیں کچھ ہنر — وفور زکوٰۃ اور نہ سیر و سفر
نہ خیرات مال اور تہجد قیام — نہ حج حرم اور نہ روزہ دوام
ولیکن بہ باطن مراقب بہ رب — سدا یاد اس کی' بڑوں کا ادب

اور اسی میں لکھا ہے کہ شیخ نجم الدین کبریٰ قدس سرہ نے فرمایا۔

رباعی

دردیں جاتری دوا میں ہوں — دور سب سے ہو آشنا میں ہوں
قتل ہو تو جو میرے کوچے میں — شکر کر تیرا خوں بہا میں ہوں

شیخ الاسلام شیخ حسین معز شمس بلخی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے ملفوظ گنج لاتخفی میں نقل کیا ہے کہ ایک دن شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین کی مجلس میں شیخ نجم الدین کبریٰ تشریف فرما تھے۔ امام فخرالدین رازی آئے اور دونوں کے درمیان میں بیٹھ گئے۔ پھر شیخ الشیوخ

سے پوچھا کہ اے مخدوم زادے یہ عامی شخص کون ہے جو آپ کے برابر بیٹھا ہے۔ حضرت شیخ الشیوخ نے فرمایا کہ یہ بندگی خواجہ ضیاء الدین ابوالنجیب سہروردی کے خلیفہ ہیں۔ پھر امام فخرالدین نے شیخ نجم الدین سے پوچھا کہ آپ نے اللہ کو کیسے پہچانا۔ آپ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کے ان غیبی واردات کے ذریعہ جن کا عقل ناقص میں آنا محال ہے۔ جب حضرت شیخ نے یہ فرمایا تو مولانا رازی متحیر ہوئے۔ اور محسوس کیا کہ ان کا سارا علم غائب ہو چکا ہے۔ جب مجلس برخاست ہوئی تو مولانا موصوف حضرت شیخ کے مکان پر حاضر ہوئے۔ شرمندگی کے ساتھ معذرت چاہی اور پوچھا کہ آپ میرے ایسے انسان کو کتنی مدت میں خدا تک پہنچا سکتے ہیں۔ حضرت شیخ نے فرمایا بیس سال میں۔ مولانا نے پوچھا کیا اس سے بھی کم مدت میں پہنچا سکتے ہیں؟ فرمایا دس سال میں۔ کہا اس سے کم میں بھی؟ فرمایا ایک سال میں۔ پھر پوچھا کہ کیا اس سے کم مدت میں بھی پہنچا سکتے ہیں؟ فرمایا ایک دن میں کہا ٹھیک ہے۔ آپ جو کچھ بھی فرمائیں گے میں بجا لاؤں گا۔ فرمایا تم نہ کر سکو گے۔ کہا میں کروں گا۔ فرمایا ایک گھڑا سر پر اٹھا کر شراب خانہ تک جاؤ اور شراب خانہ سے پانی بھر کر لے آؤ۔ کہا میں یہ نہیں کر سکتا۔ شیخ نے فرمایا کہ میں کہتا نہ تھا کہ تم جیسوں کو خدا تک پہنچنے کے لئے بیس سال چاہئے۔ اس حکایت میں اور شیخ اوحدی کی حکایت میں راویوں کے اختلاف بیان کا فرق ہے۔ کسی نے اس طرح نقل کیا ہے کہ جیسا کہ شیخ اوحدی نے لکھا ہے اور کسی نے اس طرح بیان کیا ہے جو گنج لاجیخی میں مذکور ہے۔ اور لمعات کی شرح لمعات میں نقل ہے کہ شیخ کامل و مکمل نجم الدین کبریٰ نے امام رازی کے اس سوال کہ آپ نے اپنے رب کو کیسے پہچانا کے جواب میں فرمایا کہ ایسے واردات سے جو دلوں پر اترتے ہیں اور نفوس ان کو جھٹلانے سے عاجز آجاتے ہیں۔

شیخ نظام الدین رحمتہ اللہ علیہ کی کتاب فوائد الفوائد سے منقول ہے کہ شیخ سیف الدین باخرزی اپنے عنفوان شباب میں مشائخ طریقت اور فقرا کے بڑے دشمن تھے۔ وہ اپنے ذکر و بیان میں اس گروہ کی بہت برائی کرتے تھے۔ جب یہ خبر حضرت شیخ نجم الدین قدس اللہ سرہ تک پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ مجھے ان کے وعظ کی مجلس میں لے چلو۔ موجود خادموں نے عرض کیا کہ یہ مصلحت نہیں ہے کہ شیخ ان کے بیان میں تشریف لے

جائیں۔ وہ فقیروں اور درویشوں کو بہت کچھ برا بھلا کہتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ حضور کی شان میں بھی کوئی گستاخی کریں۔ ان لوگوں کے بہت کچھ کہنے کے باوجود آپ نے اصرار فرمایا کہ مجھے ان کے بیان میں لے چلو۔ جب زیادہ اصرار کیا تو لوگ آپ کو شیخ سیف الدین رحمتہ اللہ علیہ کے وعظ کی مجلس میں لے گئے۔ شیخ نجم الدین مجلس میں آکر بیٹھ گئے۔ جب شیخ سیف الدین نے آپ کو دیکھا تو پہلے سے زیادہ بزرگوں اور درویشوں کو برا کہنے لگے۔ وہ جس قدر نازیبا کلمات کہتے، شیخ نجم الدین سرہلاتے اور آہستہ آہستہ فرماتے سبحان اللہ! کس قدر قابل ہے۔ غرض جب سیف الدین باخرزی ممبر سے اترے تو شیخ نجم الدین کھڑے ہوگئے اور باہر کی طرف چلے۔ جب مسجد کے دروازے پر پہنچے تو مڑ کر دیکھا اور فرمایا کہ ابھی تک وہ صوفی نہیں آرہا ہے۔ اسی وقت شیخ سیف الدین رحمتہ اللہ علیہ نے لوگوں کے درمیان نعرہ مارا۔ کپڑے پھاڑ ڈالے اور آکر شیخ نجم الدین کے پائے مبارک پر گر پڑے۔ شیخ شہاب الدین کو زہ پشت بھی وہیں موجود تھے۔ وہ بھی آکر قدموں پر گرے۔ جب شیخ نجم الدین رحمتہ اللہ علیہ مسجد سے گھر آرہے تھے تو شیخ سیف الدین باخرزی پیدل داہنی جانب اور شیخ شہاب الدین کو زہ پشت حضرت شیخ کے بائیں جانب ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ اس روز دونوں شیخ نجم الدین رحمتہ اللہ علیہ کے مرید ہوکر حلوق ہوئے (سرمنڈوائے) اس وقت شیخ نجم الدین کبریٰ نے شیخ سیف الدین رحمتہ اللہ علیہم سے فرمایا کہ تم کو دنیا سے وافر حصہ ملے گا اور آخرت میں اس سے بھی زیادہ۔ اور شیخ شہاب الدین کو زہ پشت کو کہا کہ تم کو بھی دنیا اور آخرت میں راحت ملے گی۔ لیکن شیخ سیف الدین باخرزی رحمتہ اللہ علیہ کو زیادہ۔ اس کے بعد شیخ نجم الدین نے شیخ سیف الدین باخرزی رحمتہ اللہ علیہ کو حکم دیا کہ تم بخارا جاؤ اور وہاں قیام کرو، ہم نے بخارا تم کو دے دیا۔ شیخ سیف الدین رحمتہ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ وہاں عالم بہت ہیں۔ اور فقیروں کے ساتھ تعصب میں مشہور ہیں۔ میرا کیا حال ہوگا؟ شیخ نجم الدین نے فرمایا کہ تمہارا کام وہاں پہنچنا ہے۔ باقی ہم جانیں۔

راویان حکایت سے سننے میں آیا ہے کہ خواجہ نجم الدین کبریٰ کی مجلس میں چار سو ۴۰۰ مرد صوفی کامل اور منتہی حاضر رہتے تھے۔ جن میں شمس تبریز جیسے آفتاب حقیقت،

مجلس کی قدم گاہ میں جگہ پاتے تھے۔ نقل کرتے ہیں کہ ایک دن خواجہ نجم الدین نے عشاء کی نماز کے بعد فرمایا کہ قاضی بچہ رومی بہت قابل ہو گیا ہے۔ کوئی جائے اور اسے قابو میں کر کے لائے۔ شمس تبریز رحمتہ اللہ علیہ نے پائیں مجلس سے اٹھ کر کہا اگر آپ حکم دیں تو میں جا کر انہیں لے آؤں۔ فرمایا جاؤ' یہ تمہارا ہی کام ہے۔ جب روانہ ہوئے تو راستہ میں ان کو خیال آیا کہ وہ بڑے عالم بلکہ عالموں کے مقتدا ہیں۔ ان کو قابو میں لانا مشکل ہے اسی فکر میں تھے کہ خواجہ نجم الدین ظاہر ہوئے اور فرمایا کیوں فکر کرتے ہو میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اس کے بعد انہوں نے وہاں جا کر جو کچھ کیا وہ مشہور قصہ ہے۔

قابل اعتماد لوگوں سے سنا گیا ہے کہ خواجہ فرید الدین عطار رحمتہ اللہ علیہ خواجہ نجم الدین کبریٰ سے نسبت مریدی رکھتے تھے۔ خواجہ نجم الدین کبریٰ رحمتہ اللہ علیہ عظیم بزرگ اور بے نظیر شیخ تھے۔ ان کے احوال و مقامات سمجھ میں نہیں آتے۔ اپنے احوال میں سے تھوڑا سا اس نظم میں بیان کیا ہے۔

ایسے دریا میں ڈال دی زورق — دونوں عالم ہیں جس میں مستغرق
بحر و زورق میں فرق کچھ بھی نہیں کشتی — کہ کہیں بحر اس کو یا زورق
سربسر آب ہوتا کشتی کا — یہ معانی ہیں مشکل و مغلق
درحقیقت یہی ہے اصل وجود — جو بدلتا نہیں کسی بھی نسق
کفر و ایمان و سنت و بدعت — اصطلاحیں فقط میں ہیں فرق
حق پرستی میں ما و من کہکر — راستہ بھولتا ہے اے احمق
ماو حق مل کے بنتا ہے احق — ما نکالو رہے گا باقی حق
نجم کو سمجھو عالم کلمات — رگیں سیراب میں عمن غرق

غزلیات

گم ہوا اپنے میں، کیا جانوں میں کیا یا کون ہوں
جسم ہوں، عقل و حیات و جان گویا کون ہوں

آدمی ہے نام، لیکن آدمی کی اصل کیا
معنی و صورت ہوں یا اسم مسمی کون ہوں

میں تعجب میں پڑا ہوں، کیا کہوں اپنی صفات
آگ ہوں، خاک و ہوا یا آب دریا کون ہوں

عاقل و دیوانہ ہوں، یہ ہجر ہے یا ہے وصال
نیست ہوں یا ہست ہوں جاہوں کہ بیجا کون ہوں

میں کبھی ہوں رند و زاہد یا کبھی مست و خراب
ساقی ہوں یا بادہ ہوں یا جام صہبا کون ہوں

قطرہ ہے دریا میں اور دریا ہے قطرے میں نہاں
سایہ ہوں خورشید ہوں، پنہاں و پیدا کون ہوں

عاشق و معشوق و عشق اور سالک و پیرو مرید
میں ہوں راہب یا صلیبی یا مسیحا کون ہوں

مردہ دل زندہ ہوں، یا زندہ ہوں میں بے جسم و جاں
نورو ظلمت، زہر وقندو زشت و زیبا کون ہوں

آہ! یہ وادی حیرت، الاماں! یہ بحر بے کراں
غم کی کشتی ہوں، یا لولوے لالہ کون ہوں

بے نشانی ہے نشاں، اور بے زبانی ہے زباں
بے نشان و بے زباں، گویا و بینا کون ہوں

دوست کہتے مجھ خوارزمی ہیں مجھ کو اور میں
والہ مدھوش و حیراں ہوں، کہوں کیا کون ہوں

اسیر ذات خود ہوں میں، نہ ہشیار اور نہ دیوانہ
نہ دلبر ہوں، نہ دل والا، نہ میں جاں ہوں، نہ جانانہ

نہ میں فرہاد مسکیں ہوں، نہ میں پرویز و شیریں ہوں
نہ ہوں میں ویس اور رامیں نہ ہوں میں شمع و پروانہ
بغیر اس کے نہ اس کے ساتھ چپ ہوں کچھ نہیں کہتا
نہ ڈھونڈوں، نہ میں پاؤں، نہ درچہ نہ درخانہ
نہ علوی کی خبر مجھ کو، نہ سفلی کا اثر مجھ پر
وطن ہے ایسا عالم، ہے جو ہر عالم سے بیگانہ
نہ جنت کی تمنا ہے، نہ دوزخ سے مجھے نفرت
جگہ وہ سب سے بہتر ہے جہاں مل جائے پیمانہ
نہ محراب دعا میں ہوں، نہ میں رندوں کی دنیا میں
کہ دشمن عقل کا ہوں میں، پیا ہے جام مستانہ
پلادے جام روح افزا کہ نکلے دل سے یہ سودا
من دما سے جو باہر ہو، ملے وہ یار فرزانہ
میں ہوں چالاک مثل نار، خاکی ہوں نہ بادی ہوں
میں پانی کی طرح ہوں پاک، یہی ہے سر مستانہ
اگر چاہے تسلط ماہ سے اے نجم ماہی تک
تو دربار شہنشاہی میں آجا بڑھ کے مردانہ

قابل اعتماد لوگوں سے سننے میں آیا ہے کہ جب شیخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ نے عوارف تصنیف کی تو فرمایا کہ میرے خواجہ یعنی خواجہ نجم الدین کبریٰ رحمتہ اللہ علیہ نے جب عوارف کو دیکھا تو فرمایا کہ صوفی کو بغیر اس کتاب کے چارہ نہیں ہے۔ جس صوفی نے مخدوم زادہ کی یہ کتاب نہیں دیکھی وہ صوفی نہیں۔ آپ شیخ شہاب الدین رحمتہ اللہ علیہ کو مخدوم زادہ کہتے تھے۔ اس لئے کہ وہ خواجہ ضیاء الدین ابو النجیب سہروردی رحمتہ اللہ علیہ کے بھتیجے تھے۔ لیکن شیخ شہاب الدین رحمتہ اللہ علیہ سہروردی رحمتہ اللہ علیہ، خواجہ نجم الدین رحمتہ اللہ علیہ کو خواجہ کہتے تھے۔ اس کا سبب یقین کے ساتھ معلوم نہیں ہے۔ گمان کیا جاتا ہے، خدا جانے اس وجہ سے خواجہ کہتے تھے کہ خواجہ کمیل زیاد رحمتہ اللہ علیہ کا خاندانی خرقہ شیخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ کو خواجہ نجم الدین کبریٰ رحمتہ اللہ علیہ کے ذریعہ ملا ہے۔ کتاب سیر الاولیا، جس میں سید مبارک علوی کرمانی

نے اپنے پیر اور پیران چشت کے مناقب جمع کئے ہیں۔ خرقہ کے بیان میں یہ نکتہ نقل کیا ہے کہ کاتب حروف نے سلطان المشائخ شیخ نظام الدین رحمتہ اللہ علیہ کے خط مبارک میں لکھا ہوا دیکھا ہے کہ:

میں نے شیخ الاسلام شیخ شہاب الدین سہروردی کے خط تحریر میں دیکھا ہے کہ انہوں نے حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ تک بعض مشائخ کی خرقہ پوشی کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد سوائے ان مشائخ کے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک خرقہ کی مضبوط نسبت ہے اور جن پر اسلام اور اعتماد کا دارومدار ہے۔ صحبت کے اعتبار سے مختصر کر دیا ہے۔ ام خالد کی حدیث کے مطابق۔ اس میں مشائخ کے لئے دو طریقے ہیں۔ ایک طریقہ حسیہ ہے اور دوسرا کمیلیہ' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو خرقہ پہنایا۔ انہوں نے حسن بصری اور کمیل بن ضیا کو پہنایا۔ حسن بصری کا خرقہ مشہور ہے۔ لیکن کمیل نے عبدالواحد بن زید کو خرقہ پہنایا۔ انہوں نے ابو یعقوب سوسی کو۔ انہوں نے ابو نہرجوئی کو' انہوں نے ابوعبداللہ بن عثمان کو' انہوں نے یعقوب بطری کو' انہوں نے ابوالقاسم بن رمضان کو' انوں نے ابوالعباس بن ادریس کو' انہوں نے داؤد بن محمد کو' جو خادم الفقراء مشہور تھے۔ انہوں نے محمد بن مالکیل کو' انہوں نے اسمٰعیل قصری کو' انہوں نے ہمارے شیخ ابوالنجاب احمد بن عمر صوفی کو اور انہوں نے اس فقیر کو' یہاں تک عبارت صاحب سیرالاولیاء کی ہے۔

(۱)۔ معنہ مسلسل

خواجہ نجم الدین کبریٰ رحمتہ اللہ علیہ کی کنیت ابوالجناب ہے۔ اور احمد آپ کا نام ہے۔ جو خزانہ جلالی سے معلوم ہوا ہے۔ انشاللہ اس کا ذکر کیا جائے گا۔

اب ہم اپنے کلام کی طرف لوٹتے ہیں کہ کتاب عوارف جو سارے جہاں میں مقبول ہوئی وہی تمام مشائخ طریقت کی امام ہے۔ سننے میں آیا ہے کہ خواجہ نجم الدین کبریٰ رحمتہ اللہ علیہ نے خواب میں دیکھا کہ ایک بڑا درخت ہے۔ اس کی بہت سی شاخیں ہیں۔ ہر شاخ پر ایک ولی سوار ہے۔ اور خود بھی ایک شاخ پر بیٹھے ہیں۔ اس کے بعد دیکھا کہ تمام شاخیں خشک ہو گئیں مگر وہ شاخ جس پر وہ خود سوار تھے تر و تازہ رہی۔ یہ خواب اپنے پیر خواجہ ضیاء الدین ابوالنجیب سہروردی رحمتہ اللہ علیہ سے بیان کیا تو انہوں نے تعبیر فرمائی کہ معانی صرف تمہارے خاندان میں باقی رہیں گے۔ باقی سب اہل صورت ہو جائیں

گے۔

تذکرۃ الاولیاء کے پیروں ـــــ بعد آنے والے پیروں کے مناقب برہان الاتقیا میں تالیف ہوئے ہیں' اس میں منقول ہے کہ شیخ نجم الدین کبریٰ کو ایک رات تہجد کے وقت حرم کے ساتھ مصاحبت کا اتفاق ہوا۔ شیخ شہاب الدین سہروردی نے ایک خط لکھا کہ اس کام میں مشغول ہونے کا یہ کون سا وقت ہے؟ اور اسی وقت بہ خطان کے پاس بجوا دیا۔ جب انہوں نے پڑھا تو فرمایا اس مشغولی سے ایک فرزند پیدا ہوگا جس سے بہت سے سالک ارشاد پائیں گے۔

تبصرہ میں منقول ہے فرمایا کہ ذات حق کی معرفت کو' اس حیثیت سے کہ وہ اپنے کو علم سے اور اس کا غیر جہل سے پہچانتا ـــــ اس کو غیب ہویت کہتے ہیں۔ یعنی کوئی مخلوق اس کا کچھ بھی ادراک نہیں کرسکتا۔ اور فرمایا کہ شہود ذات حق کو' جیسا وہ کائنات میں ظاہر ہے اور جو ایک دقیق و شریف علم مکاشفہ ہے' سوائے بزرگوں' کاملین اور مقربوں کے کوئی نہیں جانتا۔ وجود میں سوائے خدا کے اور کوئی نہیں ہے اور دونوں جہان میں غیر اللہ موجود نہیں ہے۔

بیت

ہستی میں سوا مستوں کے کوئی نہیں اک نعرہ لگا تو سب ہوں برباد

وحدت میں فنا کا راز اور ملک و ملکوت کی فنا (اور ہر چیز فانی ہے سوائے اس کی ذات کے) بھی اسی عالم سے ہے۔ اور فرمایا کہ عارف سے کوئی عبادت انجام نہیں پاتی جس میں وہ اپنی معلومات کی حقیقت بیان کرسکے۔ جس نے چکھا ہی نہیں وہ کیا جانے۔

رباعی

اے دوست! یہ عشق عجب نرالا ہے بیگانہ حرف سے یہ بات بالا ہے

اک سانس اگر دیدہ دل کو کھولو تب لوگے تم کہ یہ کہانی کیا ہے

غرض اس علم کے کہنے اور لکھنے سے بزرگوں کا مقصد تنبیہ اور شوق دلانے کے

سوا کچھ نہیں ہے اور فرمایا طالبان خدا دو قسم کے ہیں ایک بحث و افکار والے' دوسرے کشف و ابصار والے۔ ان میں ہر ایک کو اپنا مطلوب حاصل کرنے کے لئے طریقے مقرر ہیں۔ اہل بحث و نظر تقریر میں دلائل و بحث کے مقدمات کی ترتیب کے کھلے راستے سے اپنا مقصد حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اور یہ طریقہ اگرچہ محمود ہے لیکن چونکہ نور فیض سے خالی ہوتا ہے اس لئے اس کا نتیجہ سوائے حیرت مذموم کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ حیرت بھی دو قسم کی ہوتی ہے۔ صاحب نظر کی حیرت اور صاحب بصر کی حیرت۔ صاحب نظر کی حیرت مذموم ہے' کیونکہ وہ شکوک کے تصادم اور دلائل کے ٹکراؤ سے پیدا ہوتی ہے۔ اور صاحب بصر کی حیرت محمود ہے کیونکہ وہ تجلیات کی تیزی اور بارش انوار کی کثرت سے ہوتی ہے' جس میں کبریائی کا مشاہدہ' توحید کے تعلقات' عجائب رموز اور احکام ربوبیت شامل ہوتے ہیں۔ لیکن اہل کشف و بصیرت اپنے باطن کے تصفیہ مقامات کے عروج و نزول' اطلاع کامل اور ہمیشہ توجہ کے ذریعہ اپنے مقصد تک پہنچتے ہیں جو اللہ کی معرفت اور اس کے دیدار کا وصول ہے۔

نظم

جو منزل درد میں بڑھے ہیں جاں دینے میں خوب دل کھلے ہیں
ہیں اپنے کام میں وہ چالاک خلقی عادات سے چھٹ گئے ہیں
فانی ہیں وہ خود سے' دوست سے ہیں باقی باقی پوجا میں پانی ہی لگے ہیں

یہ گروہ اللہ تعالیٰ کے وجود کو عقلی دلائل کے خوف سے بے نیاز ہو کر ادراک کرتا ہے۔ افسوس! رنگوں کو دیکھنے والے کے لئے' چھو کر دیکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ کیا خدا کی ذات میں شک ہے؟

رباعی

دل کون سا ہے جو راز اس کا سمجھے وہ کان کہاں جو اس کی باتوں کو سنے
معشوق تو دکھلاتا ہے دن رات جمال وہ آنکھ کہاں جو دید کی لذت پائے

اس معرفت کے ظہور کی تشریح ان کی جانوں کے ذوق میں ہوتی ہے۔ جسے بیان نہیں کیا جاسکتا اور فرمایا کہ جب سالک کو نفسانی خواہشات کی قید اور مزاج کے چار کھونٹوں سے آزاد کرتے ہیں اور اس کی آنکھوں میں نور احدیت کا سرمہ لگا دیتے ہیں اور "اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے" کے راز سے نقاب اٹھا کر اس کے درمیان رکھ دیتے ہیں تو وہ جانتا ہے کہ "ہم اس کی رگ جاں سے زیادہ قریب ہیں" کے کیا معنی ہیں۔ "اور اللہ ہی کے لئے ہے مشرق و مغرب۔ تم جدھر منہ پھیرو گے ادھر ہی اللہ ہے" کی کبریائی اور بزرگی ظاہر ہوتی ہے اور ہر شے فانی ہے سوائے اس کی ذات کے" اس آیت کے خلوت خانہ میں اس سے کہتے ہیں۔

بیت

ساتھ حق کے تو ماسوا ہے محال درد دربان و پاسبان کیا ہیں

بیت

سارے رنگوں پہ چھائی بے رنگی خم وحدت نے کر دیا اک رنگ

اس جگہ عارف کو (اللہ ثابت کرتا ہے اس کو جو ایمان لائے" کی عنایت کی ضرورت ہوتی ہے۔ تاکہ علم حاصل کرے ورنہ ہلاک ہو جائے گا۔ ہزاروں سالک اس راستے میں گر پڑے ہیں۔ اور غلط اعتقاد جیسے حلول و اتحاد وغیرہ میں گرفتار ہو گئے ہیں۔ یہاں وحدت و معرفت اور اعیان ثابتہ کا راز جس کو خلوت کہتے ہیں۔ اور ان کا فنا و معدوم ہونا "اپنی ذات کو دیکھنے کی حیثیت سے" معلوم ہوتا ہے اور فرمایا جب وہ غیبت ہویت کو دیکھتا ہے تو تمام اسے قدرت و جلال ہی نظر آتا ہے اور وہ حضرت ذات ہے۔ "وہی اللہ واحد و قہار ہے۔ بصارت اسے محسوس نہیں کر سکتی۔ ▪ لطیف و خبیر ہے۔ وہ پاک ہے اس سے کہ کوئی جانے کہ وہ کیا ہے۔ لیکن وہ جانتا ہے" اور جب ظاہر میں موجودات کو دیکھتا ہے تو سب احسان و اکرام نظر آتا ہے۔ اس کی تجلی کا دربار بارگاہ تدلی ہے۔ "وہ پاک ہے جو پوشیدگیوں میں ظاہر ہے۔ اور مظاہر میں پوشیدہ ہے۔" اس جگہ حجاب عزت اور ردائے کبریائی کا راز معلوم ہوتا ہے۔ اور تحقیق ہو جاتی ہے کہ ردائے کبریائی کے واسطے کے سوا اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا جا سکتا ہے۔ اور جب ظاہر و باطن کے احکام کی حقیقتیں معلوم ہو جاتی ہیں تو جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کو کس طرح دیکھ سکتے ہیں اور کس طرح نہیں دیکھ سکتے۔

رباعی

ہو عشق میں گر تجھ کو دید کی تمنا — آسانی سے معشوق نظر آ جائے گا
سائے پہ مگر پہنچ کے رک جانا — سائے کے سوا محال ہے دیدار اس کا

جب دل کی آنکھ معرفت کے نور سے بینا ہو جاتی ہے تو یہ معنی پہلے کے مقابلے میں زیادہ واضح ہو جاتے ہیں۔

رباعی

جب کوئی نہیں کہ حق کہہ سکے کہ بس تو ہے
باطاقت و قدرت میں کہے کہ بس تو ہے
جب کہہ نہیں سکتا ہوں تو کیا تجھ سے کہوں
خود تو ہی کہے، تو ہی سنے کہ بس تو ہے

اور فرمایا کہ صاحب کشف اماموں کے نزدیک اسماء و صفات دو لفظ ایک ہی معنی میں مترادف ہیں۔ اور کتاب و سنت میں یہ معنی زیادہ تر لفظ اسماء کے ساتھ آئے ہیں۔ اس مقام پر طالب محقق کا وظیفہ یہ ہے کہ پہلے اس کی صفات کے اسماء کو بہ طریق ایمان انبیاء اور اولیاء حاصل کرے اور ان کی راہ پر چلے تاکہ ان کی متابعت کے نور سے ان اسماء کی حقیقت کو معلوم کرے۔ بحث و گفتگو کے راستے سے تو کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ اور فرمایا کہ طریقت اور خزانہ اسرار وحدت کے سرداروں نے حق کی تعلیم و تعریف سے معلوم کیا ہے کہ خداوند عزوجل کی صفات ایک طرف سے عین ذات ہیں۔ اور دوسری طرف سے غیر ذات' کیونکہ اللہ عز سلطانہ' کے اسماء تو بس معانی' اعتبارات اور نسبت و اضافت ہیں۔ لہٰذا ▪ عین ذات ہیں۔ اس وجہ پر کہ اس جگہ کوئی دوسرا موجود نہیں ہے جو ذات کا غیر ہو۔ اور دوسری طرف سے غیر ذات ہیں اس لئے کہ ان کا مفہوم علی الاطلاق مختلف ہوتا ہے اور اسماء کی کثرت موجودات کے اختلاف کی وجہ پر اور معانی و اعتبارات کی مغائرت سے واقع ہوتی ہے اور "یہی دقیق اسرار ہیں" حی' عالم' مرید اور قادر ایسے اسماء ہیں جن کے معانی قدیم اور قائم ہیں۔ اور اسماء کی حقیقت وہی معنی قدیم ہیں۔ اور اسماء کے الفاظ ہی اسماء کہلاتے ہیں اور فرمایا کہ اللہ اس ذات قدیم کا اسم جامع ہے۔ اس اعتبار سے کہ وہ تمام اسماء و صفات کے ساتھ موصوف ہے۔ "اس حیثیت سے کہ اس کا ظہور ہی اس کا بطون ہے۔ کسی اسم کو وہ عظمت حاصل نہیں جو اس اسم کو حاصل ہے۔ اور فرمایا کہ رحمٰن ▪ اسم ہے کہ اللہ کی ذات تبارک و تعالیٰ کی طرف سے اپنے انوار وجود کو بارگاہ جلال سے اپنی

سلطنت کے موجودات پر ظاہر فرمائی ہے۔ اور اس اسم کو ہویت حق کے ساتھ کوئی نسبت نہیں ہے۔ کیونکہ ہوتب غیب مطلق ہے اور یہ اسم عالم ظاہر کے ساتھ مخصوص ہے۔ برخلاف اسم اللہ کے کہ ■ غیب اور شہادت اور ظاہر و باطن کو گھیرے ہوئے ہے۔ یہ دونوں اسم عزت و جلال کی انتہا پر ہیں۔ اور دوسرے وہ اسماء جن کا ادراک آدمی کے لئے ممکن ہے عارف اپنی ذات میں اس کے احکام کو اپنے ذوق کے ذریعہ ایک ایک سانس میں ادراک کرتا ہے اور فرمایا کہ حدیث میں ہے کہ ہر آسمان اور ہر ملک فرشتہ کے لئے ایک خاص نام ثابت ہے جس کی قوت ابدالاباد تک وہی اسم ہوتا ہے۔ جو لطیف کو جانتا ہے قہار کو نہیں جانتا۔ اور جو عظیم کہتا ہے ستار نہیں کہہ سکتا۔ "اور سکھا دیا آدم کو تمام اسماء" اللہ کے خاص خلیفہ اور الوہیت کے مظہر تام آدم علیہ السلام ہیں۔

بیت

ہم نے آدم کو بھیج کر باہر   حسن صحرا میں رکھ دیا اپنا

اس مقام میں ایسے عظیم اسرار ہیں جن کو سننے میں مخلوق کا نقصان زیادہ اور فائدہ کم ہے۔ اس لئے ان کا بیان نہ کرنا ہی بہتر ہے۔

اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء شمار میں نہیں آسکتے۔ اور ان کی تفصیلات اس کے سوا کوئی دوسرا نہیں جانتا۔ "ہم نے تیرے علم غیب سے اثر لیا ہے۔" کے یہی معنی ہیں اور "اگر زمین کے سارے درخت قلم بن جائیں اور سمندر سیاہی' اس کے بعد اور سات سمندر سیاہی بن جائیں' پھر بھی اللہ تعالیٰ کے کلمات ختم نہ ہوں۔"

اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے افعال (بزرگی ہی اس کی قدرت کو) دو قسم کے ہیں' رغیب اور شہادت جس کو کلام پاک میں امر اور خلق فرمایا ہے (جان لو کہ خلق اور امر اسی کے لئے ہے) عالم خلق وہ عالم ہے کہ حواس کے ذریعہ محسوس کیا جاسکتا ہے۔ اس کو عالم شہادت' عالم ملک' عالم اجسام اور عالم سفلی کہتے ہیں اور ان تمام ناموں کی

دلالت ترادف کے طریقہ پر اسی ایک معنی کی طرف ہوتی ہے اور عالم امر وہ عالم ہے کہ حواس کو اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اس کو عالم غیب' عالم ملکوت' عالم ارواح اور عالم علوی کہتے ہیں۔ اور یہ سب نام ایک ہی معنی میں مترادف ہیں۔ اور فرمایا کہ ملکوتی موجودات دو قسم پر ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جو کسی طرح بھی عالم اجسام سے تعلق نہیں رکھتے ان کو کروبیاں کہتے ہیں۔ اور ان کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جو عالم اور عالمیاں سے مطلق خبر نہیں رکھتے۔ (وہ جب پیدا ہوئے اس وقت سے اللہ تعالٰی کے جلال و جمال میں حیران پڑے ہیں) ان کو ملائکہ مہیمہ کہتے ہیں اور دوسری قسم وہ ہے جو اگرچہ عالم اجسام کی طرف التفات نہیں کرتے اور شہادت و قیومیت میں شیفتہ و فریفتہ ہیں۔ لیکن وہ بارگاہ الوہیت کا حجاب اور قبض ربوبیت کے وسایط ہیں۔ ان کا سردار اور رئیس وہ روح اعظم ہے جس سے بلند مرتبہ اور کوئی روح نہیں ہے۔ اسی کو ایک اعتبار سے قلم کہتے ہیں۔ (اللہ نے پہلے قلم کو پیدا کیا) اور ایک اعتبار سے عقل اول کہتے ہیں کہ (اللہ تعالٰی نے پہلے عقل کو پیدا کیا پھر اس سے کہا آگے آ' وہ آگے آیا۔ پھر کہا پیچھے جا' وہ پیچھے ہوگیا۔ پھر کہا قسم ہے مجھے اپنی عزت و جلال کی کہ میں نے تجھ سے زیادہ بزرگ مخلوق پیدا نہیں کیا۔ میں تجھی سے لوں گا اور تجھی کو دوں گا اور تیرے ہی ذریعہ عذاب کروں گا) نبی روح اعظم ہے۔ (اللہ کی رحمت ہو اس پر) جو اس گروہ کی صف اول میں ہے۔ اور روح القدس جنہیں جبرئیل کہتے ہیں آخری صف میں ہیں علیہ السلام۔ (اور ▪ ہم میں سے نہیں ہیں مگر ان کا مقام معلوم ہے)

اور ایک دوسری قسم بھی ہے جس کو روحانیاں کہتے ہیں۔ اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ ارواح جو آسمانوں میں تصرف کرتے ہیں۔ ان کو اہل ملکوت اعلٰی کہتے ہیں۔ دوسری وہ ارواح ہیں جو زمین میں تصرف کرتے ہیں۔ ان کو اہل ملکوت اسفل کہتے ہیں۔

اور فرمایا کہ آدمی' جس کو عالم ربانی کا لطیفہ مدرکہ کہتے ہیں' وہ عالم ملکوت کے راز کا خلاصہ ہے اور دو عالم سے مرکب ہے۔ عالم روحانی اور عالم جسمانی۔ یہ

موجودات میں اکمل ہے اور اہل بصیرت کے نزدیک اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہے۔ سوائے مقربان ملاء اعلیٰ کے۔ اس کے سارے افعال کا مقصود وہی ہے۔

اور فرمایا کہ خدا نے دوزخ کو اپنی کمال عنایت اور رحمت سے پیدا کیا ہے۔ انتظار کرو کہ رحمانیت کا جمال حجاب عزت سے ظاہر ہو اور تم سے اشارے میں کہے۔ (عنقریب جہنم پر وہ وقت آنے والا ہے کہ اس کی گہرائی میں ایک سمندر موجیں مارے گا) عجیب راز ہے۔ اور فرمایا کہ قرآن کے جمال کو دل کے آئینے میں نور قیومیت کی روشنی سے بے نقاب دیکھ سکتے ہیں۔ یہ فکر کے ذریعہ اور عقل کی رہ نمائی میں ہرگز نہیں دیکھا جاسکتا۔

اور فرمایا کہ عالم ارواح اور عالم اجسام کے درمیان بہت سے عالم ہیں۔ جو واسطہ ہیں ایک دوسرے کے درمیان۔ جن کو حکما کی ایک جماعت عالم مثال کہتی ہے اور محققوں کے نزدیک اس کی یہ تفصیل ہے کہ اس عالم کے ادراک کے لئے دماغی قوت کی شرط ہے۔ اس کو خیال متصل کہتے ہیں۔ اور خواب و عجائبات اسی علم میں ہوتے ہیں۔ اور بعض کے نزدیک ایک حصہ کے ادراک کے لئے دماغی قوت کی شرط نہیں ہے اس کا خیال منفصل کہتے ہیں۔ روح کا جسم اور جسم کا روح ہونا اور اخلاق و اعمال کا مشخص ہونا' مناسب صورتوں میں معانی کا ظہور اور ذوات مجردہ کا جسمانی شکل میں نظر آنا اس عالم میں ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام کو وحیہ کلبیؓ کی صورت میں اسی عالم میں دیکھا تھا۔ اور مشائخ طریقت گزشتہ نبیوں اور ولیوں کو جو شکل و صورت میں مشاہدہ کرتے ہیں' وہ اسی عالم میں ہوتا ہے اور خضر علیہ السلام کو اسی عالم میں دیکھتے ہیں۔ یہ عجیب راز ہیں۔

اور فرمایا عالم ولایت' عالم عقل سے ماورا ہے۔ اس عالم کے معلوم احکام کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے وجود کو جس کا مرتبہ عظیم ہے عقلی دلیل کی تربیت کے بغیر ادراک کرتا ہے اور ہر موجود کو اسی کے قریب میں سمجھتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کے قرب کا جلال عارف پر سایہ ڈالتا ہے تو اس کی نظر میں رسول علیہ السلام'

جبرئیل علیہ السلام' عرش' سدرہ' مومن' کافر' جنونی اور پھر سب کے سب وجود قوم کے ساتھ یکساں ہو جاتے ہیں۔ (تم جس طرف منہ پھیرو اسی طرف اللہ ہے) اور اسی طرح عشق کی قدرت کا ظہور اس عالم کے خواص سے ہے۔ اور یہ مرتبہ (عشق) آدمیوں کے لئے مخصوص ہے۔ فرشتوں کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ حدیث میں ہے کہ فرشتے نہیں جانتے کہ مشت خاک کا کیا مقام ہے۔ عقل و علم دریائے عشق کے ساحل میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ اس کے بعد حیرت و بے نشان ہے۔ یہی جگہ ہے جہاں حدوث ختم ہو جاتا ہے۔ اور اس کو مقام حصول کہتے ہیں اور یہ جو فرمایا ہے کہ (سفر دو ہیں' سفر الی اللہ اور سفر فی اللہ) سفر الی اللہ اس جگہ ختم ہو جاتا ہے اور سفر باللہ باقی رہتا ہے۔ یہاں تک عاشق کی سیر معشوق میں تھی اور اب معشوق کی سیر عاشق میں ہوتی ہے۔

بیت

تیرے قدم ملیں جسے وہ تیرے پاس آ سکے
تیرا شکار ہو وہ دل جو ترے پر لگا سکے

اس عالم کے عجائبات کی انتہا نہیں ہے اور اس کا حال بغیر سلوک کے معلوم نہیں ہوتا۔ سلوک کے لئے شرط غالب جذبہ ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ جو طلب کرے وہ پا جائے۔ یا جو سلوک میں ہو وہ مقصود تک پہنچ جائے۔

اور فرمایا کہ عالم کے عجائبات بھی شمار سے باہر ہیں اور وہ مکاشفہ کے علوم کے نوادرات میں سے ہیں۔ اس معنی میں عقل کی پونجی سے تصرف نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ اس کی معرفت دوسرے نور پر موقوف ہے۔ جو عقل سے باہر ہے۔ اسے آفتاب محمدیؐ کی روشنی چاہئے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ عقل کے چراغ سے کیا نظر آسکتا ہے۔ حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم بھی کیا خوب ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے خود اس سے فرمایا کہ (اور تمہیں سکھا دیا جو تم نہیں جانتے تھے اور یہ تم پر اللہ کا فضل عظیم

ہے)

اور فرمایا کہ امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے اولیائے کاملین کو عالم نبوت (علیہ السلام) کے ذوق سے حصہ ملتا ہے۔ ان ہی کو اولیاء کہتے ہیں اور یہی دربار مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث اور اخوان ہیں۔ (ہائے! مجھے اپنے بعد آنے والے بھائیوں کے دیدار کا کتنا شوق ہے۔) یہ اسی گروہ کی طرف مخصوص اشارہ ہے۔

اور فرمایا اولیا کی دو قسمیں ہیں۔ اولیائے مردود و مکمل۔ اور یہ ہشیار ہیں (یعنی عالم صحو میں ہیں) اور اولیاء مست ہلک کامل۔ اور یہ مست لوگ ہیں (یعنی عالم سکر میں ہیں) اولیائے مستہلک کو بشریت کی تنگنائی سے باہر نکال کر احدیت کے عمیق دریا میں غرق کر دیتے ہیں۔ اور صمدیت کے جلال و جمال کے مشاہدے میں محو کر دیتے ہیں اور ان کو اپنی خودی سے آگاہ ہی نہیں ہوتی۔ لہٰذا دوسرے کی طرف کیا توجہ کریں گے۔ اس گروہ کو عالم نبوت کے ذوق سے حصہ نہیں ملتا۔ اور ان کو دعوت کے کام میں مشغول نہیں کرتے۔ لیکن اولیائے مردود چونکہ عالم کون کی ظلمت اور خلقت کی تاریکی سے گذارے ہوئے ہوتے ہیں اور زمان و مکان کے حدود سے بھی انہیں گزار دیتے ہیں۔ ان کی خودی سے ان کو چھڑا لیتے ہیں اس کے بعد جمال ازلی سے ان کی خودی ان کو لوٹا دیتے ہیں۔ اس مقام کو اثبات بعد المحو کہتے ہیں۔ لہٰذا اس گروہ کو نیابت کی خلعت پہناتے ہیں۔ اور پھر خلافت کی کرسی پر بٹھاتے ہیں اور نبوت و شریعت کی بھلائیوں سے متعلق مملکت میں ان کا حکم نافذ کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ سب سے الگ اپنا حصہ انبیاء علیہم السلام کے مکاشفات و اذواق سے پاتے ہیں۔

اور فرمایا کہ جو شخص دنیا کے اسباب کو دین کی راہ کا آلہ کار بناتا ہے اور جسمانی لذت سے منہ پھیر لیتا ہے' اور اس آیت (اور جو ہم نے دیا ہے اسے خرچ کرتا ہے) کے مطابق اپنا نصیب مین رکھتا ہے تو وہ صورتاً" دنیا میں رہتا ہے لیکن اس کا دل ملاء اعلیٰ میں ہوتا ہے۔ یقیناً" صراط مستقیم پر چلنے میں اس کے عظیم معنی ہیں۔ (کتنا اچھا ہے وہ مال جو نیک مرد سے نیک مرد کے لئے ہو) جب سب کچھ وہ خدا کی رضا میں صرف کرتا ہے تو لامحالہ اس کی بازگشت عالم ملکوت میں ہوتی ہے (وہ مقام صدق پر

صاحب اقتدار بادشاہ کے نزدیک ہیں) اور جو شخص دنیاوی اسباب کو شیطان کے راستے کا آلہ بناتا ہے اور سارا وقت اپنے مطلب اور نفس امارہ کی لذت میں گزارتا ہے اس کی جائے بازگشت اور مقام' دوزخ کی وادیاں ہیں۔

اور فرمایا عالم الست کے بعد روح انسانی کے بہت سے مظاہر و مقامات ہیں۔ زمانے میں اس کا پہلا ظہور حسی ہے۔ جس کو دنیا کہتے ہیں۔ اور یہ ولادت کے وقت سے لے کر موت کے وقت تک کا ظہور ہے۔ دوسرا ظہور موت کے وقت سے قیامت تک ہے۔ اس عالم کے بڑے بڑے عجائبات ہیں جس میں آدمی اپنے تمام اعمال' احوال اور اخلاق کو مناسب صورتوں میں مجسم و متشکل دیکھتا ہے۔

یہ وہ عالم ہے جہاں ظاہر باطن ہو جاتا ہے اور باطن ظاہر ہو جاتا ہے۔ انسان کی جو صفت دنیا میں غالب ہوتی ہے وہ وہاں اسی کے مناسب صورت میں ظاہر ہو جاتی ہے۔ اگر عزت و جاہ کی محبت غالب ہے تو مثال کے طور پر شیر کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے اور اگر قوت شہوت دوسری صفتوں پر غلبہ پاتی ہے تو یہ صورت خوک (سور) ظاہر ہوتی ہے۔

تیسرا ظہور قیامت ہے۔ اور یہ ظہور عالم عنصری کی نشانی ہے جو دنیا میں مخلوق کی پیدائش کے مشابہ ہے۔ اس عالم میں بھی بڑے بڑے عجائب ہیں۔ عقل ان میں سے اکثر کو ادراک کرنے میں عاجز ہو جاتی ہے۔ اس مقام کے احکام یا نور ایمان کی روشنی میں معلوم کئے جاسکتے ہیں' یا کشف کی روشنی میں۔ اس دن کے عجائب میں سے ایک یہ ہے کہ اس کا ایک دن ایک گروہ کے لئے پچاس ہزار سال کا اور اک گروہ کے لئے ایک لمحہ بھر کا ہوگا۔ اس کو قیامت کبریٰ کا دن کہتے ہیں۔ قیامت کا لفظ کئی معنی پر دلالت کرتا ہے۔ صاحبان بصیرت کے نزدیک اسے ایک خاص دن پر اطلاق کرتے ہیں۔ جسے قیامت صغریٰ کہتے ہیں۔ (جو مرا اس کی قیامت ہوگئی) اسی معنی کی طرف اشارہ ہے۔ اور عارف کے وصال کی حالت پر بھی اطلاق کرتے ہیں۔ جب کہ دونوں جہاں اس کی نظر میں نور وحدانیت کے اندر محو اور ناپید ہو جاتے ہیں۔ (سوائے اس حی و قیوم کے کوئی باقی نہیں رہے گا)' اور اس کو قیامت عظمیٰ کہتے ہیں۔ یہاں ہمارا

مقصود قیامت کبریٰ ہے۔ جس کی شرح قرآن و حدیث میں مفصل آئی ہے۔ اور اسکے حقائق و عجائب کا ادراک عالم ولایت و نبوت کے نور پر موقوف ہے۔ (اللہ تعالیٰ ہمیں اس کے اسرار کی توفیق عطا فرمائے۔)

اس کے بعد عالم اسرار کا ظہور ہے۔ جس کی لذت کی شرح عقل کی ترازو اور پیمانے میں نہیں سماتی (اس چیز کو کوئی نہیں جان سکتا جو ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک سے چھپی ہوتی ہے) اور سعید لوگ دو قسم کے ہیں۔ مقربان اور اصحاب الیمین' جنت' حور' محل' مرغ اور حلوا اصحاب الیمین کے لئے اور بہشت' تجلی' معرفت' نور اور دیدار مقربوں کے لئے ہے (اکثر صاحبان بہشت سادہ لوح ہیں اور علیون صاحبان دانش کے لئے ہے۔)

بیت

آسماں کی بہشت میں سب خام تیری جنت میں تیرے نار آشام

لیکن ظالموں اور کافروں کے لئے حشر کے بعد صرف ایک ہی عالم ہے۔ جسے عالم دوزخ کہتے ہیں۔ اور فرمایا کہ کتنا عظیم گناہ ہے کہ جو شخص بادشاہ وجود کی ہم نشینی کے لائق ہو اور خلافت کا مستحق ہو' وہ ایسا آزاد ہو جائے کہ اپنی طبیعت کی بھی کو خواہشات کی نجاستوں سے آلودہ کرے۔

نظم

اے بزرگان عقل و جان شریف اپنی عظمت کی کرتے ہو تصحیف

تم نے اپنے کو خود نہیں دیکھا آدمی تم ابھی ہو ناپختہ

یہ کوئی تجارت تو نہیں ہے کہ ابدی سلطنت کو نفس امارہ کی دو روزہ بندگی کے عوض بیچ دیا جائے اور عالم نور کی وسعت کو عالم تاریک کی تنگی سے بدل دیا جائے۔

بیت

قدسی منظر روح تیری پاک تھی ہر عیب سے
تو غرور آباد میں بن بیٹھا کیسے اہرمن

اس کا لطف دائی ہر وقت تجھے اپنی طرف دعوت دیتا ہے اور تو بہرا بن جاتا ہے۔ خود اپنے جمال بے نفس کو تجھے دکھاتا ہے اور تو اندھا ہو بیٹھتا ہے۔ حقیقی لذت تجھے طلب کرتی ہے اور تو بھاگتا ہے۔ مجازی لذت تجھ سے بھاگتی ہے اور تو اسے پکڑتا ہے۔ آج اختیار کی لگام تیرے ہاتھ میں ہے اگر کوئی کام نہ کرے گا تو کل جب جلال کا ہاتھ تصرف کرے گا کہ (آج اللہ کا اختیار ہے) اور تیرے کاموں سے تیرے اختیار کی نقاب الٹ دے گا۔ اور منادی عزت ندا کرے گا کہ (آج بادشاہت کس کی ہے؟ اللہ وحد القہار کی) تو اس وقت تیرا افسوس کرنا کہ (میں نے حقوق خداوندی میں بڑی تقصیر کی) کوئی فائدہ نہ دے گا۔ اور اختیار کے معنی اپنے رسالہ میں نقل کیا ہے جو آپ نے سلوک طریقت کے بیان میں تصنیف کیا ہے۔

اور فرمایا کہ اللہ کا راستہ گنتی میں مخلوق کے برابر ہے۔ اور اس کثرت تعداد کے باوجود تین قسموں پر منقسم ہے۔ ایک طریقہ معاملات والوں کا ہے جس کا تعلق بہ کثرت نماز' روزہ' تلاوت قرآن' حج و جہاد وغیرہ یعنی ظاہری اعمال سے ہے۔ یہ اخیار کا طریقہ ہے۔ اس راستہ سے طویل عرصہ میں بھی بہت کم لوگ واصل ہوئے ہیں۔ دوسرا طریقہ ریاضات و مجاہدات والوں کا ہے۔ جو اخلاق کی تبدیلی' نفس کا تزکیہ' روح کا تجلیہ ہے۔ اس کے علاوہ ان چیزوں میں کوشش کرتے ہیں جو باطن کی تعمیر سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ ابرار کا طریقہ ہے۔ پہلے فریق کے مقابلہ میں اس راستے کے واصل زیادہ ہیں۔ اس کے باوجود وصول نادرات میں سے ہے۔ تیسرا طریقہ اللہ کی طرف سیر کرنے اور اڑنے والوں کا ہے۔ یہ شطار کا طریقہ ہے۔ خدا کے عاشق اور سالک مجذوب اور واصل اس راستے کی ابتدا ہی میں بہت ہوتے ہیں دوسرے

منتہیوں کے مقابلے میں یہ مختاروں کا طریقہ ہے اور موت ارادی پر تمام ہوتا ہے۔ اس کے کل دس اصول ہیں۔ اول توبہ ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا (یعنی واپس لوٹنا ہے) (۱) قلمی نسخہ اختصار'

جیسے موت میں بغیر ارادہ رجوع ہوتا ہے۔ اور وہ گناہوں سے باہر آتا ہے اور دنیا و آخرت میں جو چیز خدا سے روکنے والی ہے وہی گناہ ہے۔ دوسری اصل زہد ہے دنیا میں۔ اور وہ دنیا کے سامان اور خواہشات سے کم و بیش باہر نکل آتا ہے۔ جیسا موت میں نکل آتا ہے۔ اور زہد کی حقیقت یہ ہے کہ دنیا اور آخرت دونوں کو ترک کر دے اور اصل تیسری توکل کرنا ہے خدا پر اور اسباب و نسبت سے بالکل نکل آتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہو جاتا ہے۔ جیسا موت میں۔ چوتھی اصل قناعت ہے اور وہ شہوات نفسانیہ اور منفعت حیوانیہ سے نکل آتا ہے۔ جیسا موت میں۔ پس صرف ضروریات پر انحصار کرے۔ اور پانچویں اصل عزلت ہے اور ■ مخلوق کے تعلق سے نکل آتا ہے جیسا موت میں' سوائے پیر کی خدمت کے اس کے سامنے اس طرح رہے جیسے مردہ غسال کے سامنے۔ تاکہ وہ ولایت کے پانی سے اسے غسل دے اور اس کی بیرونی جنابت لوث حدوث سے پاک کرے۔ اور عزلت کی حقیقت حواس کا محسوسات میں تصرف کرنے سے باز آتا ہے۔ کیونکہ روح پر جو آفت' فتنہ اور بلا آتی ہے وہ حواس ہی کے ذریعہ آتی ہے۔ چھٹی اصل ذکر دائمی ہے اور ■ غیر خدا کو بھول کر اس کے ذکر سے نکل آتا ہے جیسے موت میں۔ (تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں) کے قبضہ سے ذاکریت مذکوریت میں اور مذکوریت ذاکریت میں بدل جاتی ہے۔ پس ذاکر ذکر میں فانی ہو جاتا ہے اور مذکور باقی رہ جاتا ہے۔ حالانکہ اس وقت مذکور ذاکر کا خلیفہ ہوتا ہے۔ ساتویں اصل خدا کی طرف توجہ کامل ہے اپنے وجود سے' اور وہ سوائے خدا کے ہر چیز کی خواہش و ارادہ سے باہر آتا ہے۔ جیسا موت میں۔ اور اگر نبیوں اور رسولوں کے مقامات بھی اس کے سامنے رکھے جائیں تو التفات نہ کرے۔

اور ایک لحظہ بھی خدا سے منہ نہ موڑے۔ اٹھویں اصل صبر ہے اور وہ ریاضت و مجاہدہ کے ذریعہ نفسانی لذتوں سے باہر آتا ہے۔ جیسا کہ موت میں اور نفس کی

پسندیدہ چیزوں کے ترک پر ثابت قدم رہنا ہے۔ نویں اصل مراقبہ ہے۔ اور اپنی قوت و طاقت سے باہر آنا ہے جیسا کہ موت میں۔ جب تک وہ مراقبہ میں رہتا ہے اللہ کی بخششیں اترتی رہتی ہیں۔ وہ غیر خدا کو بھول کر دریائے محبت الٰہی میں غرق رہتا ہے۔ اس کی روح خدا کے لئے روتی ہے۔ کبھی وہ اس پر بھروسا کرتا ہے' اس سے مدد چاہتا ہے۔ اس پر توکل کرتا ہے اور کبھی نالہ کرتا ہے۔ فریاد کرتا ہے' دسویں اصل رضا ہے۔ اور وہ اپنے نفس کی رضا سے باہر نکل کر خدا کی رضا میں داخل ہوتا ہے' یعنی ازلی احکام کو تسلیم کرنا اور ابدی تدبیروں کی طرف بلا اعراض و اعتراض تفویض کرنا۔ جیسا کہ موت میں۔

برہان الاتقیاء سے منقول ہے کہ فرمایا کہ صوفی کو چاہئے کہ سماع میں حاضر ہوا کرے۔ کیونکہ تمام پیران سلف نے سماع سنا ہے۔ چاہئے کہ کوئی تکلف نہ کرے۔ جب کوئی حال ظاہر ہو اور کوئی پیر موجود ہو تو جہاں تک ہو سکے ساکن رہے۔ لیکن اگر حال قوی ہو اور اس کو ہلا دے تو زبردستی نہ روکے اور سماع میں تین چیزوں کا خیال رکھے' جگہ' وقت' اور اخوان جگہ کشادہ ہو' وقت فرصت کا ہو اور سب بھائی ایک ہی عقیدہ اور خیال کے ہوں۔ کیونکہ ناجنسوں کی صحبت سب سے بڑا عذاب ہے۔

اور یہ بھی برہان الاتقیا سے منقول ہے کہ فرمایا کہ مرید کو اس وقت خرقہ پہنانا چاہئے' جب یقین ہو کہ وہ اس پر قائم رہ سکے گا' طریقہ کی محنت' رنج اور مشقت اور اہل حقیقت کی ریاضت و مجاہدہ پر صبر کر سکے گا اور اس کا پورا پورا حق ادا کر سکے گا۔ اور جب خرقہ پہن لے تو چاہئے کہ اپنے کو گزشتہ بزرگوں کے رنگ میں (صداقت کے ساتھ) ظاہر کرے۔ اگر اس میں حقیقت نہ ہوگی تو عام پیر قیامت میں اس کے دشمن ہوں گے۔ اور اگر حقیقت بجالائے گا تو سارے مشائخ اس کی شفاعت کریں گے۔

اور خزانہ جلالی میں منقول ہے کہ شیخ نجم الدین کبریٰ قدس اللہ سرہ العزیز کے اصحاب کی بعض کتابوں سے معلوم ہوا ہے کہ حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ قدس اللہ

سرو کے تین شیخ تھے۔ ایک اسمٰعیل قصری' دوسرے عمار بن یاسر اور تیسرے شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب سہروردی (اللہ تعالٰی ان سب سے راضی ہو)۔ اس وجہ سے آپ کو "سہ سر تراش" کہتے تھے۔ کیونکہ ان کو تین پیروں کی مدد و قوت حاصل تھی۔ اور بھی خزانہ جلالی کے کے باب "سند خرقہ مشائخ" میں منقول ہے کہ شیخ ابوالنجاب احمد بن عمرالصوفی الشتر بہ نجم الدین کبریٰ نے شیخ اسمٰعیل قصری سے خرقہ پہنا۔ انہوں نے محمد بن ما کلیل سے' انہوں نے داؤد بن محمد معروف خادم الفقراء سے' انہوں نے ابوالعباس بن ادریس سے' انہوں نے ـــــالقاسم بن رمضان سے' انہوں نے یعقوب طبری سے' انہوں نے عبداللہ بن عثمان سے' انہوں نے یعقوب نہرجوی سے' انہوں نے یعقوب سوسی سے' انہوں نے عبدالواحد بن زید سے' انہوں نے کمیل بن زیاد سے' انہوں نے امیرالمومنین علی بن ابی طالب سے' اللہ تعالٰی ان سے اور ان سب سے راضی ہو۔ اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خرقہ پہنا۔

اسی طرح شیخ ابوالنجاب عبدالقاہر سہروردی سے' انہوں نے شیخ احمد غزالی سے' انہوں نے ابی بکر فساج سے' انہوں نے شیخ ابوالقاسم کرمانی سے' انہوں نے ابی عثمان مغربی سے' اور انہوں نے ابو علی کاتب سے انہوں نے ابو علی رودباری سے' اور انہوں نے حضرت جنید بغدادی سے' انہوں نے حضرت سری سقطی سے' انہوں نے معروف کرخی سے' انہوں نے داؤد طائی سے' انہوں نے حبیب عجمی سے' انہوں نے ، کے سردار حسن بصری سے اور انہوں نے امیرالمومنین علی ابن ابی طالب سے حاصل کی۔ کرم اللہ وجہ

خواجہ نجم الدین کبریٰ کے مناقب اتنے زیادہ ہیں کہ اس مختصر کتاب میں نہیں آ سکتے۔ وہ جہاد اکبر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذوق سے پوری طرح بہرہ مند تھے۔ اور جہاد اصغر میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حصہ اور نصیب حاصل کیا تھا۔ خیبر کی یہودیہ کے زہر کا اثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری زندگی تک باقی رہا اور اسی زہر کے اثر سے آپ نے وفات پائی۔ اور زہر کے اثر کا ایک نکتہ باقی رکھا (وہ یہ کہ) زہر کے اثر سے اس لئے وفات پائی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام

درجات کمال کے ساتھ درجہ شہادت بھی حاصل ہو جائے۔ اور کوئی فضیلت باقی نہ رہ جائے۔ چنانچہ خواجہ نجم الدین کبریٰ کو بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں چنگیز خاں کے حادثہ میں شہید کرایا تاکہ پیغمبر علیہ السلام کے اس درجہ سے بھی بہرہ مند ہوں۔ اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کے ساتھ جو معاملہ کرتا ہے وہ بغیر حکمت و راز کے نہیں ہوتا۔ اس کا واقعہ یوں ہے کہ شیخ مجدالدین بغدادی جن کا ذکر پہلے کیا جاچکا ہے نہایت خوبصورت جوان تھے اور اپنے زمانہ میں اپنے حسن کی مثال نہیں رکھتے تھے ہر دیکھنے والا ان کی صورت کا فریفتہ ہو جاتا تھا۔ اور زبان حال سے ہر ایک یہی شعر پڑھتا تھا۔

بیت

آنکھیں مری تھکتی نہیں دیدار سے تیرے
جتنا تجھے دیکھوں، کے جاتی ہیں ابھی اور

چنانچہ بادشاہ محمد خوارزم کی دختران کے جمال پر فریفتہ ہوگئی تھی۔

ایک روز شیخ مجدالدین بغداد میں بیٹھے ایک شاطر کے ساتھ شطرنج کھیل رہے تھے۔ نجم الدین کبریٰ مریدوں کی ایک جماعت کے ساتھ بازار سے گزر رہے تھے۔ ان کی نظر شیخ مجدالدین پر پڑی، دیکھا کہ ایک خوبصورت، نیک سیرت، قابلیت سے آراستہ جوان ہیں۔ جن کا باطن ان کے ظاہر سے بھی زیادہ بلند ہے اور ان کی سیرت ہی ان کی صورت بن گئی ہے۔

بیت

نظر کا تیر حسینوں کی چوکتا ہی نہیں ہزار زہد کو اپنا سپر بنائیں لوگ

خواجہ نجم الدین کبریٰ جو عالم ملکوت و جبروت کے شاہد باز تھے اور ملکوتی و جبروتی

تمثیلات میں مقید نہیں تھے اور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل (نظر نہ چوکی نہ بھٹکی) کا سرمہ لگائے ہوئے تھے۔ شیخ مجدالدین کے جمال با کمال نے ان کو مقید کرلیا' تو زبان حال سے یہ مصرع پڑھنے لگے۔

مشکل ہے' لائے دام میں تجھ سے کوئی شہباز کو

یہاں ایک عظیم راز ہے جسے کامل لوگ ہی جانتے ہیں۔ ناقص لوگ تو عیب جوئی کرتے ہیں اور کامل لوگ رشک کرتے ہیں اور قصہ زینب کی مثال دیتے ہیں۔ جب خواجہ نجم الدین کبریٰ کے ہاتھ سے اختیار کی لگام چھوٹ گئی تو ان کے ساتھ تفریح کا حیلہ تلاش کیا۔ خادم کو ان کے پاس بھیجا اور فرمایا کہ اس جوان سے کہو کہ آکر نجم الدین کے ساتھ شطرنج کھیلے۔ شیخ مجدالدین نے اپنی قابلیت کی بنا پر فوراً قبول کرلیا اور شطرنج کی بساط لاکر خواجہ کے سامنے بچھادی' خواجہ نے ان کے ساتھ شطرنج کھیلنا شروع کیا۔ آپ جو چال چلتے تھے ہر مہرے پر ایک سبق ارشاد فرماتے تھے اور مقامات سلوک میں سے ایک مقام طے کرا دیتے تھے۔ یہاں تک کہ جب ان کو مات دی تو خدا سے واصل کر دیا' اور طریقت میں ان کو مجاز کر دیا' شیخ مجدالدین پیر کامل ہوگئے ان کے مریدین بھی بلند احوال کے مالک ہوئے ہیں۔ مصنف مرصاد العباد ان ہی کے ایک مرید تھے۔ اور مصنف رسالہ کیہ چند واسطوں سے ان کے ایک مرید تک پہنچتے ہیں۔ خیر اب ہم اپنی بات کی طرف واپس آتے ہیں کہ جب شیخ مجدالدین مسند طریقت پر تشریف فرما ہوئے تو خوارزم شاہ کی دختر نے جو ان کے عشق میں مبتلا تھی بڑے حیلے بہانے کئے کہ شیخ مجدالدین کسی طرح ایک بار اس کی طرف التفات کریں۔ لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں ایسے غرق تھے کہ خود اپنی خبر نہ تھی۔ غیر کی طرف کیونکر نظر التفات کرتے جب ایک عرصہ گزر گیا اور اس کا مقصود حاصل نہ ہوا تو وہ بہت بے چین و بے قرار رہنے لگی۔ چنانچہ اس کے عشق کا بھانڈا پھوٹ گیا۔ اس کے باپ کو بڑی پریشانی لاحق ہوئی۔ اس نے بادشاہت کے غرور میں شیخ مجدالدین کے قتل کا مصمم ارادہ کرلیا۔ تاکہ اس کی بیٹی کے عشق کا نام و نشان ہی دنیا سے ختم ہو جائے۔ چنانچہ قتل کے لئے لوگوں کو مقرر کر دیا' لیکن قتل کے بعد سوچنے لگا کہ شیخ مجدالدین خواجہ

نجم الدین کبریٰ کے محبوب اور منظور نظر تھے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کی رنجش کی وجہ سے میری حکومت میں خلل واقع ہو۔ اس لئے تحفہ تحائف لے کر عذر خواہی کے لئے خواجہ کے سامنے آیا۔ نظر پڑتے ہی خواجہ نے فرمایا کہ کیا مجدالدین کا خوں بہا لے کر آئے ہو؟ ان کا خوں بہا تو پہلے تمہارا سر، پھر نجم الدین کا سر اس کے بعد ساری مخلوق کا سر ہے۔ شیخ کے یہ فرمانے کے بعد زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ چنگیز خان ملعون نو لاکھ سواروں کے ساتھ اس کی سلطنت میں داخل ہوا اور بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ محمد خوارزم شاہ اور اس کے طرف داروں کو تہ تیغ کر دیا جب کفار شیخ کی خانقاہ میں داخل ہوئے اور چاہا کہ شیخ پر تلوار چلائیں تو نہ چلا سکے۔ شیخ نے فرمایا کہ تین دنوں تک تم ہم پر قابو نہ پاسکو گے۔ یہ تین دن کی تاخیر اس لئے تھی کہ بعض سالکوں نے چلہ کشی کر رکھی تھی۔ اور چلہ کے پورا ہونے میں تین دن باقی تھے۔ اس لئے تین دن رک گئے اور ان سالکوں کو خدا سے واصل کر دیا چوتھے دن وہ سب واصلین شیخ کے ساتھ شہید ہو گئے۔ سبحان اللہ! ان سالکوں کی کیا مشغولیت تھی کہ دنیا تہ و بالا اور خراب و غارت ہو گئی اور لوگوں کی جانوں پر آبنی مگر وہ اپنے کام میں مشغول رہے تاکہ مقصود حاصل ہو بلاشبہ جب تک اس طرح کی مشغولیت نہ ہو مقصود کہاں ہاتھ آتا ہے۔

محمد نعیم

شب جمعہ ۲۹ محرم الحرام ۹۶ ۱۳ھ مطابق ۲۹ جنوری ۷۶ء

ذکر حضرت خواجہ سیف الدین باخرزی رحمتہ علیہ

▪ عالم ربانی' وہ فیض سبحانی کے قابل' وہ اہل شریعت کے ملجا' وہ اہل طریقت کے مرشد وہ معرفت سے مشرف' وہ حقیقت کے مکاشف' وہ صدق ورزی میں صدیقوں کے بادشاہ خواجہ سیف الدین باخرزی زمانہ کے امام اور شیخ نامدار تھے۔ بلند مقامات اور پاکیزہ احوال رکھتے تھے۔ وہ طریق شطاریہ کے سیار و طیار تھے۔ "مرنے سے پہلے مر جاؤ" کے راستہ پر چلتے تھے ان کو سلوک سے پہلے جذبہ حاصل تھا۔ اپنے زمانہ میں نظیر نہ رکھتے تھے۔ زمانہ کے مشائخ ان کے قول پر اعتماد رکھتے تھے۔ اور معرفت کے دقایق ان سے حاصل کرتے تھے۔ انہوں نے علم تصوف کا بیان نظم کیا تھا۔ جب مریدوں نے کتاب تصنیف کرنے کی التماس کی تو فرمایا میرا ایک شعری ایک کتاب ہے۔ معتبر لوگوں سے سنا ہے کہ کشاف کے مصنف جار اللہ زمخشری نے اہل تصوف کی مذمت میں یہ دو شعر کہے تھے۔

بیت

گروہ صوفیا شری جماعت یقیناً" امر ناجائز ہیں کرتے
خدا کا قول ہے قرآں میں کیا یہ؟ کہ کھاؤ مثل حیواں پیٹ بھر کے

آپ نے اس کے جواب میں یہ دو شعر لکھے۔

گروہ صوفیا احسن جماعت جو تم کہتے ہو' ناجائز ہیں کرتے
یہ قرآں میں خدا کا قول سچ ہے کہ کھاؤ پاک چیزیں شکر کرکے

لیکن ان کی نظمیں ہندوستان میں بہت کم پہنچی ہیں۔ یہ دو شعر بھی ان ہی کے ہیں۔

قطعہ

سنجر کے چتر کی طرح ہو جاؤں روسیاہ   گر فقر میں ہو مجھ کو ہوس ملک کی ہنوز
پایا ہے میری روح نے وہ ملک نیم شب   اک جو پہ لوں نہ میں کبھی سو ملک نیم روز

خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے پیر خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ کے ملفوظ' دلیل العارفین میں نقل کیا ہے کہ دوشنبہ کے دن قدمبوسی کی سعادت حاصل ہوئی اس روز شیخ شاب الدین سہروردی' خواجہ اجل سروری اور شیخ سیف الدین باخرزی ملاقات کے لئے آئے تھے۔ بات یہ نکلی کہ محبت میں صادق کون ہے؟ آپ نے فرمایا کہ محبت میں سچا وہ ہے کہ جب کوئی بلا یا مصیبت اس پر آئے تو خوشی اور رغبت سے اس کو قبول کرے۔ شیخ شاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ محبت میں سچا وہ ہے کہ جب وہ شوق و اشتیاق کے عالم میں ہو اور ہزاروں تلواریں اس کے سر پر لگیں تو اس کو خبر نہ ہو۔ اور یہ نہ کہے کہ کس نے ماریں۔ پھر خواجہ اجل سروری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا نہیں' محبت میں سچا ■ ہے کہ اگر اس کو بوٹی بوٹی کر ڈالیں اور آگ میں جلا کر راکھ کر دیں تو بھی اف نہ کرے۔ بالکل خاموش رہے۔ پھر شیخ سیف الدین باخرزی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا نہیں' محبت میں سچا وہ ہے کہ اگر اس کو کوئی چوٹ یا تکلیف پہنچے' تو وہ دوست کے مشاہدہ میں اس کو بھول جائے اور اس سے کوئی اثر نہ لے۔ اس وقت حضرت خواجہ نے فرمایا کہ شیخ سیف الدین کی یہ بات زیادہ صحیح ہے کیونکہ میں نے آثار الاولیا میں دیکھا ہے کہ ایک دفعہ رابعہ بصری رضی اللہ عنہا' خواجہ حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ' مالک دینار اور خواجہ شقیق بلخی رحمتہ اللہ علیہم ایک جگہ بصرہ میں بیٹھے ہوئے تھے بات خدا کی محبت اور صدق میں آپڑی' جب حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ عنہا کی باری آئی تو انہوں نے فرمایا کہ خدا کی دوستی میں وہ سچا ہے کہ اگر اس کو کوئی تکلیف پہنچے تو دوست کے مشاہدے میں اس کو بھول جائے۔ اس لئے ہمیں اقرار ہے کہ شیخ سیف

الدین باخرزی ہی کی بات درست ہے۔ اور شیخ نصیر الدین محمود کے ملفوظ خیرالمجالس میں مذکور ہے کہ ایک دفعہ شیخ سیف الدین باخرزی رحمتہ اللہ علیہ بیان فرما رہے تھے۔ جب آپ کا بیان گرمی پر آیا تو منبر کے اوپر چھت کے قریب ایک سوراخ سے ایک سانپ نکلا اور پھن کھڑا کر کے جھومنے لگا۔ لوگوں کی نظر جب اس پر پڑی تو سب دیکھنے لگے۔ آپ نے پوچھا کیا ہے؟ کہا سانپ نکلا ہے۔ آپ نے فرمایا اسے پریشان نہ کرو۔ وہ خدا کا ذکر سننے آیا ہے۔ جب شیخ منبر سے اترے تو سانپ سوراخ میں چلا گیا۔

شیخ فریدالدین اجودھنی رحمتہ اللہ علیہ کے ملفوظ راحت القلوب میں منقول ہے کہ شیخ سیف الدین باخرزی کی عادت تھی کہ مغرب کی نماز پڑھ کر اسی جگہ سو جاتے۔ ایک تہائی رات گزر جانے کے بعد اٹھتے امام اور مؤذن حاضر ہوتے۔ نماز عشاء پڑھ کر صبح تک جاگتے رہتے۔ ساری عمر اسی طرح گزری۔ یہ راحت القلوب کی عبارت ہے۔ اب جاننا چاہئے کہ بعضوں نے کہا ہے کہ مغرب و عشا کے درمیان سونا مکروہ ہے۔ یہ اس کے لئے ہے جو راتوں کو قیام نہ کرتا ہو سوائے عشائین کے۔ کیونکہ قیام لیل کے بارے میں وقت کی تقسیم قوت القلوب میں اس طرح کی گئی ہے کہ اگر مرید پسند کرے تو ایک تہائی اول رات کو سوے اور آدھی رات جاگے۔ پھر ایک چھٹا حصہ آخر میں سو جائے اور اگر چاہے تو آدھی رات سو جائے اور تہائی رات قیام کرے اور آخر میں رات کے چھٹے حصے میں سو جائے۔

اور عوارف میں بھی اسی طرح منقول ہے۔ اگر یہ سمجھیں کہ عشا کے بعد سونے سے رات کی مذکورہ تقسیم مراد ہے تو یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ عشاء کا وقت ہمارے شہروں میں تین گھنٹے گزرنے کے بعد آتا ہے۔ اور وہ رات کا دسواں حصہ ہے۔ کیونکہ معتدل موسم میں جب رات اور دن برابر ہوتے ہیں تو تیس گھڑی کی رات ہوتی ہے۔ دو گھڑی نماز عشا میں گزر جاتی ہے۔ پانچ گھڑی اول رات کی جاگنے میں گزرتی ہے۔ اور وہ رات کا چھٹواں حصہ ہے۔ اس وقت رات کی تقسیم اس طرح ہوگی کہ چھٹواں حصہ اول شب جاگے اس کے بعد چھٹواں حصہ سو جائے۔ پھر آدھی رات قیام کرے۔ پھر چھٹواں حصہ سو جائے۔ اور قوت القلوب کی دونوں تقسیم میں لازم ہے کہ عشا

تاخیر سے پڑھے۔ اور اتنی تاخیر مستحب نہیں بلکہ مباح ہے اور رات کو زندہ کرنے کے لئے مستحب کا ترک جائز ہے۔ نیز قوت القلوب میں منقول ہے کہ بعض لوگ جو اول رات کو سوتے ہیں تو پھر جس وقت بھی وہ اٹھتے ہیں' ساری رات جاگتے ہیں۔ اور اس کے بعد مطلق نہیں سوتے' صبح تک مسلسل جاگتے رہتے ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ شیخ سیف الدین بہ ظاہر سونے والوں کی طرح سو جاتے ہوں' لیکن اس ایک تہائی رات میں عبادت فکری میں مشغول رہتے ہوں۔ ایک ثلث رات کی قید اس بات کی دلیل ہے۔ اور حقیقتاً سونے والا تہائی رات کی محافظت نہیں کر سکتا۔

برہان الاتقیا سے نقل ہے کہ ایک شخص آپ کے پاس آیا اور تین سو ۳۰۰ دینار کا سوال کیا۔ آپ نے خادم کو فرمایا کہ اسے تین روٹیاں دے دو۔ اسے تین روٹیاں دے دی گئیں۔ اور وہ لے کر باہر نکلا۔ ایک شخص نے پوچھا تم کو کیا عطا کیا ہے؟ اس نے کہا میں نے تین سو دینار مانگے تھے تو تین روٹیاں دیں۔ اس نے کہا تین سو دینار لے کر یہ روٹیاں مجھے دے دو۔ روٹیاں اس کو دے دیں۔ اس نے کہا اے خواجہ تو نے بہت سستی دے دی۔

نقل ہے کہ ایک روز ایک آدمی شیخ سیف الدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں آیا اور کہا کہ اے امام میں تجارتی مال رکھتا تھا۔ کچھ روز سے میرے مال میں نقصان آنے لگا ہے جس کی وجہ سے کبھی کبھی میرے نفس کو تکلیف ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا جب مومن کے مال میں نقصان ہو اور اس کے نفس میں رضا پیدا ہو جائے تو یہ اس کے صحت ایمان کی دلیل ہے۔

شیخ نظام الدین رحمتہ اللہ علیہ کے ملفوظ فوائد الفوائد سے منقول ہے کہ ایک رات شیخ سعدالدین حمویہ کو خواب میں حکم ملا کہ جاؤ شیخ سیف الدین باخرزی رحمتہ اللہ علیہ سے ملاقات کرو۔ جب وہ بیدار ہوئے تو اپنے مقام سے روانہ ہوئے۔ شیخ سیف باخرزی تک پہنچنے کے لئے تین ماہ کی مسافت تھی۔ اور شیخ سیف الدین رحمتہ اللہ علیہ کو بھی دکھلایا کہ شیخ سعدالدین حمویہ رحمتہ اللہ علیہ کو تمہارے پاس بھیجا ہے۔ الغرض جب شیخ سعدالدین نے تین ماہ کی راہ طے کرلی اور شیخ سیف الدین تک پہنچے

کے لئے صرف تین منزل باقی تھی تو کسی کو ان کے پاس بھیجا اور کہلایا کہ میں نے تین ماہ کا راستہ آپ کی ملاقات کے لئے طے کیا ہے آپ تین منزل تو میرا استقبال کیجئے' جب یہ پیغام ان کو پہنچا تو انہوں نے فرمایا فضول ہے وہ مجھے نہ دیکھ سکیں گے۔ شیخ سعدالدین رحمتہ اللہ علیہ جہاں تھے وہیں رحمت حق سے جا ملے۔ اور شیخ سیف الدین رحمتہ اللہ علیہ تک نہ پہنچ پائے۔ شیخ نصیرالدین محمود کے ملفوظ راحت لقلوب میں جو محمد ابوبکر فرشواری نے جمع کیا ہے نقل ہے کہ شیخ سعدالدین حمویہ رحمتہ اللہ علیہ اور شیخ سیف الدین رحمتہ اللہ علیہ دونوں شیخ نجم الدین کبریٰ رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔

اور یہ بھی فوائد الفوائد سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ درویشوں کے اخلاق اور دشمنوں کے ساتھ ان کے معاملات میں گفتگو ہو رہی تھی۔ آپ نے فرمایا ایک بادشاہ تھا جسے تارانی کہتے تھے۔ وہ شیخ سیف الدین باخرزیؒ سے بڑی محبت کرتا تھا۔ لیکن اسے لوگوں نے بلوہ بازی میں قتل کر دیا۔ اس کے بعد کسی دوسرے کو بادشاہ بنایا۔ یہ بادشاہ جب اس کی جگہ بیٹھا تو ایک چغل خور اس کا مقرب ہوگیا۔ یہ مفسد شیخ سیف الدین باخرزی رحمتہ اللہ علیہ سے دشمنی رکھتا تھا۔ جب اسے چغل خوری کا موقع ملا تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی بادشاہت برقرار رہے تو شیخ سیف الدین باخرزیؒ کو درمیان سے ہٹا دیجئے۔ کیونکہ بادشاہت کی تبدیلی ان ہی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ بادشاہ نے جب یہ بات سنی تو اسی چغل خور سے کہا کہ تم خود جاؤ اور جس طرح بنے انہیں لے آؤ وہ گیا اور شیخ سیف الدینؒ کو لے آیا۔ مگر بے ادبی یہ کی کہ دستار گردن میں ڈال کر ان کی توہین کی۔ غرض جب شیخ سیف الدینؒ آئے تو جیسے ہی بادشاہ کی نظر ان پر پڑی تو کیا جانے اس نے کیا دیکھا کہ اسی وقت تخت سے اتر آیا اور معذرت کر کے شیخ کے ہاتھ پاؤں چومنے لگا۔ اور اپنی خدمات پیش کیں اور کہا کہ میں نے ایسا نہیں کہا تھا۔ حاصل کلام شیخ بادشاہ سے مل کر واپس لوٹے اور اپنے گھر آگئے۔ دوسرے دن بادشاہ نے اس چغل خور کے ہاتھ پاؤں باندھ کر شیخ کی خدمت میں بھیج دیا۔ اور کہا کہ میں نے اس کے قتل کا حکم دے دیا ہے۔ اب اسے

آپ کے پاس بھیجتا ہوں آپ جس طرح چاہیں اسے قتل کریں۔ شیخ نے جب اس چغل خور کو دیکھا تو اسی وقت اس کے ہاتھ پاؤں کھول دیئے اور اپنا کپڑا اسے پہنایا اور کہا آج میرے ساتھ بیان میں چلو' وہ پیر کا دن تھا شیخ اس روز بیان کیا کرتے تھے۔ شیخ مسجد میں آئے اور اس چغل خور کو اپنے ساتھ لائے۔ پھر منبر پر آکر یہ شعر پڑھا۔

بیت

جن لوگوں نے کی بدی ہے مجھ سے ان سے
طاقت ہو تو میں سوائے نیکی نہ کروں

شیخ الاسلام شیخ فرید الدین اجودھنی رحمتہ اللہ علیہ کے ملفوظ راحت القلوب سے منقول ہے کہ شیخ فرید الدین رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب میں بخارا گیا تو شیخ سیف الدین سے ملاقات کی بڑے باعظمت اور بادیبت پیر تھے۔ جب ان کے ساعت خانہ میں پہنچے تو زمین چومی۔ آپ نے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ میں بیٹھ گیا۔ آپ جتنی بار میری طرف نظر اٹھاتے تھے' یہی فرماتے تھے' کہ یہ لڑکا شیخ زمانہ ہو گا سارا عالم اس کا مرید و فرزند ہو گا۔ پھر آپ نے وہ سیاہ کملی جو آپ کے دوش مبارک پر تھی میری طرف پھینک دی۔ اور فرمایا پہن لو۔ میں نے کملی اوڑھ لی' اور کچھ دنوں آپ کی صحبت میں رہا۔ کوئی دن ایسا نہ ہوتا کہ ہزار آدمی یا کچھ زیادہ ہی آپ کے دسترخوان پر کھانا نہ کھاتے ۔ جب کھانا باقی نہ بچتا تو بھی ہر آنے والا محروم نہ جاتا۔ کچھ نہ کچھ ضرور اس کو عطا فرماتے۔

شیخ نظام الدین رحمتہ اللہ علیہ کے ملفوظ فوائد الفوائد سے منقول ہے کہ بخارا میں ایک لڑکا تھا جسے پریوں کا ایک گروہ تکلیف دیتا تھا۔ مغرب کی نماز کے وقت وہ جہاں بھی ہوتا اسے اٹھا کر لے جاتے اور ایک درخت پر جو ان کے گھر میں تھا اس لڑکے کو بٹھا دیتے اور پھر چلے جاتے۔ یہاں تک کہ اس کے ماں باپ اس لڑکے کی حفاظت میں بڑی احتیاط برتنے لگے۔ ایک حجرے میں اس کو بند کرکے دروازے میں

تالا لگا دیتے۔ لیکن جب مغرب کی نماز ہوتی اس لڑکے کو اسی درخت پر دیکھتے۔ جب ان کی عاجزی اور بے چینی بہت بڑھ گئی تو اس کو شیخ سیف الدین باخرزی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں لے گئے۔ اور صورت حال بیان کیا۔ شیخ سیف الدین نے فرمایا کہ لڑکے کے سر کے بال تراشیں اور ٹوپی سر پر رکھیں۔ اور اس کو تلقین کی کہ اگر دوبارہ وہ گروہ تمہارے پاس آئے تو کہنا کہ میں شیخ کا مرید اور محلوق ہوں۔ اور ٹوپی دکھا دینا کہ شیخ نے یہ کلاہ عطا فرمائی ہے۔ جب لڑکے کو گھر میں لائے تو وہ گروہ آیا۔ لڑکے نے کہا کہ میں شیخ کا محلوق ہو گیا ہوں اور وہ ٹوپی انہیں دکھائی' وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ کون بدبخت اس کو شیخ کے پاس لے گیا۔ یہ کہہ کر چلے گئے۔ اور پھر نہ آئے۔

شیخ نصیر الدین محمود رحمتہ اللہ علیہ کے ملفوظ راحت القلوب سے نقل ہے کہ ایک رات ایک مغل بادشاہ خدا بندہ نے شیخ سیف الدین رحمتہ اللہ علیہ کو خواب میں سبز جبہ اور مصری دستار پہنے ہوئے دیکھا کہ بیٹھے ہیں اور مجھ کو کلمہ پڑھا رہے ہیں۔ اور میں ان کے سامنے مسلمان ہو گیا ہوں جب صبح ہوئی تو خدا بندہ فورا مسلمان ہو گیا۔

پھر اس نے یہ خواب اپنی بیگم سے کہا وہ بھی اسی وقت مسلمان ہو گئی۔ اس کے بعد اپنے متعلقین اور ارکان دولت اور لشکر سے کہا ▪ سب بھی مسلمان ہو گئے۔ پھر ایک عریضہ لکھ کر شیخ سیف الدین رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں بھیجا کہ میں نے ایک رات حضرت شیخ کو خواب میں دیکھا۔ جیسے آپ مجھے کلمہ پڑھا رہے ہیں اور میں مسلمان ہو گیا ہوں اب میں اور میری بیوی جملہ متعلقین اور درباری اور سارا لشکر مسلمان ہو گیا ہے۔ لہذا میں آپ کی زیارت کے لئے بخارا آ رہا ہوں۔ آپ بخارا کے لوگوں کو یہ بتا دیں کہ کوئی خوف و ہراس اپنے دل میں پیدا نہ کریں اور یہ نہ سمجھیں کہ میں بخارا کو لینے کے لئے آ رہا ہوں۔ جب خدا بندہ بخارا کے قریب پہنچا تو ایک جگہ قیام کیا۔ اور شیخ کو اپنی آمد کی خبر کی۔ شیخ سیف الدین رحمتہ اللہ علیہ نے کہلا بھیجا کہ تم چند سواروں کے ساتھ بخارا میں داخل ہو۔ اور جب تم واپس جاؤ تو باقی

لشکر رفتہ رفتہ آئے۔ خدابندہ چند سواروں کے ساتھ بخارا میں داخل ہوا۔ جب خانقاہ کے قریب پہنچا تو لوگوں نے خبر کی کہ خدا بندہ آگیا ہے۔ شیخ سیف الدین رحمتہ اللہ علیہ نے خادم کو حکم دیا کہ وہ سبز جبہ اور مصری دستار جو رکھی ہوئی ہے لے آؤ کہ میں اسے پہنوں۔ دوستوں نے عرض کیا کہ خدا بندہ کی کیا حیثیت ہے جس کے لئے آپ لباس تبدیل فرما رہے ہیں۔ شیخ نے فرمایا کہ خدا بندہ نے خواب میں مجھ کو اسی لباس میں دیکھا ہے۔ اسی واسطے میں اس لباس کو پہن رہا ہوں تاکہ وہ اپنے خواب کو سچا سمجھے اور اس کا اعتقاد کامل ہو۔ خدابندہ چند سواروں کے ساتھ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تحفے اور ہدئے پیش کیے۔ اور از سر نو مسلمان ہوا۔ شیخ نے کہا جب واپس گیا تو بتدریج اس کے لشکری آکر شیخ کی قدم بوسی حاصل کرتے اور چلے جاتے رہے۔ پھر فرمایا کہ پہلے اس کو خر بندہ کہتے تھے جب وہ مسلمان ہوگیا تو خدا بندہ اس کا خطاب ہوا۔

شیخ نصیرالدین محمودؒ کے ملفوظ خیرالمجالس میں یہی حکایت اس طرح منقول ہے کہ قید و بادشاہ مغل تھا جب وہ مرا تو اس کا لڑکا جسے خربندہ کہتے تھے تخت نشین ہوا۔ ایک رات اس نے خواب میں دیکھا کہ شیخ سیف الدین باخرزیؒ کے سامنے مسلمان ہوگیا ہے۔ آخر قصہ تک اس کا ذکر ہے۔ آخر میں لکھا ہے کہ خربندہ لشکر لے کر اپنے بیوی بچوں کے ساتھ شیخ کی خدمت میں بخارا پہنچا۔ لوگوں نے خبر کی کہ خربندہ آیا ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ خربندہ نہ کہو، خدا بندہ کہو، اس کے بعد اسے خدا بندہ کہنے لگے۔

فوائد الفوائد سے منقول ہے کہ شیخ سیف الدین باخرزیؒ نے خواب میں اپنے پیر کو دیکھا کہ فرماتے ہیں "بڑا اشتیاق ہے اب چلے آؤ" جب آپ نے یہ خواب دیکھا تو اس ہفتہ کے بیان وعظ میں تمام تر فراق و وداع کا ذکر فرمایا اور یہ شعر پڑھا۔

بیت

جاتا ہوں یارو، یہ ساماں خیرباد — جان دینا کب ہے آساں، خیرباد

اس کے بعد جماعت کی طرف نظر کی اور فرمایا اے مسلمانو! جانو اور آگاہ ہو جاؤ

کہ میرے پیر نے خواب میں مجھ سے فرمایا ہے کہ آ جاؤ۔ لہٰذا میں جاتا ہوں خیرباد۔ یہ کہہ کر منبر سے اتر آئے اور انہیں ایام میں انتقال فرمایا۔ آپ پر اللہ کی رحمت ہو۔

راحت القلوب سے منقول ہے کہ جس رات آپ کا وصال ہوا آپ کے تمام اصحاب آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک مشعل جل رہی تھی۔ شیخ سیف الدین رحمتہ اللہ علیہ قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول تھے۔ ایک تہائی رات گزری تھی کہ قرآن ختم کیا اور دوسرا ختم شروع کر دیا۔ اتنے میں ایک بزرگ باوانی لباس پہنے ہوئے اور ہاتھ میں ایک سیب لئے ہوئے تشریف لائے۔ زمین کو بوسہ دیا اور سیب کو شیخ رحمتہ اللہ علیہ کے ہاتھ میں دیا۔ جیسے ہی آپ نے سیب ہاتھ میں لیا' دوستوں کو وداع کہا اور سیب کو سونگھا۔ سیب کو سونگھتے ہی اپنے مولیٰ سے جا ملے۔

بیت

عشاق ترے کوچے میں یوں مرتے ہیں
جس جا ملک الموت کو یارا نہیں ہوتا

محمد نعیم ندوی

لطیف آباد حیدر آباد پاکستان

شب دوشنبہ ۲۸ صفر المظفر ۹۶ھ مطابق ۲۹ فروری ۱۹۷۶ء

ذکر حضرت خواجہ بدرالدین سمرقندی رحمتہ اللہ علیہ

وہ آسمان طریقت کے ماہ کامل' فلک حقیقت کے خورشید تاباں' استقامت کی راہ کے مرشد' اہل بدعت کے رسوم کو مٹانے والے' دین محمدی کے امام خواجہ بدرالدین سمرقندی رحمتہ اللہ علیہ اپنے زمانے کے محقق مشائخ میں سے تھے۔ بہت سے بزرگان طریقت سے ملاقات کی تھی۔ آپ کو تربیت و خلافت شیخ الاسلام شیخ سیف الدین باخرزی رحمتہ اللہ علیہ سے ملی تھی۔ دین کے تمام علوم میں کامل تھے۔ اور ریاضت و مجاہدہ' میں پکے تھے۔ شعاریہ طریقہ اور محبان حق کا مشرب رکھتے تھے۔ ہمیشہ زبان حال سے یہی فرماتے کہ علم دین کے حصول کو لازم جانو' اور اس پر عمل کرو اور عمل کو خالص خدا کے لئے کرو اس لئے کہ علم بغیر عمل کے کوئی فائدہ نہیں دیتا۔ اور عمل بغیر اخلاص کے بارآور نہیں ہوتا۔ کرامت کے طالب نہ بنو' عبادت میں استقامت حاصل کرو کہ "استقامت ہی ساری کرامت ہے" تاکہ یقین کے ساتھ مکاشفہ حاصل ہو۔

ہندوستان میں اصول طریقت کی بنیاد ان سے اور ان کے متبعین سے قائم ہوئی۔ ان سے پہلے عوام ہی نہیں بلکہ خواص نے بھی شیخی کی بنیاد خرق عادت اور اظہار کرامت پر رکھی تھی (ان خاصوں کے علاوہ جن کو اللہ نے چاہا) یہ تو سب کو معلوم ہے کہ خواجہ قطب الدین بختیار رحمتہ اللہ علیہ کے زمانے میں ہندوستان میں بہت سے محققین اہل طریقت موجود تھے۔ جیسے شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ' شیخ نجم الدین صغریٰ رحمتہ اللہ علیہ' شیخ الاسلام دہلی اور شیخ الاسلام خواجہ بدرالدین سمرقندی (جن کا تذکرہ ہو رہا ہے) اور شیخ الاسلام شیخ معین الدین سنجری پیر خواجہ قطب الدین (ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو۔ لیکن عوام و خواص مخلوق کا رجحان سوائے چند کے' جتنا خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کی طرف تھا ان بزرگوں میں سے کسی اور کی طرف نہ تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خواجہ قطب الدین بختیار رحمتہ اللہ علیہ سے خوارق عادات اور کرامتیں بہت زیادہ ظاہر ہوتی تھیں۔ اللہ ہی بہتر جانتا

ہے کہ اس طرح اظہار کرامت میں ان کی کیا نسبت تھی۔ لیکن ان کے پیر خواجہ معین الدین سنجری رحمتہ اللہ علیہ کو خواجہ قطب الدین بختیار رحمتہ اللہ علیہ سے یہ اظہار کرامت پسند نہ تھا چنانچہ منع کرتے تھے۔

شیخ نظام الدین رحمتہ اللہ علیہ کے ملفوظ "سراج العارفین" میں منقول ہے کہ ایک مرتبہ شیخ معین الدین رحمتہ اللہ اجمیر سے دہلی تشریف لائے۔ دہلی میں شیخ نجم الدین صغریٰ شہر کے شیخ الاسلام تھے اور صاحب ولایت بزرگ تھے۔ چنانچہ شیخ معین الدین کو ان سے ملنے کی خواہش ہوئی لہٰذا ان کی ملاقات کے لئے ان کے گھر تشریف لے گئے وہ اس وقت اپنے گھر کے صحن میں ایک چبوترا بنوا رہے تھے۔ جب شیخ معین الدین رحمتہ اللہ علیہ کی نظر ان پر پڑی تو انہوں نے منہ پھیر لیا۔ آپ دوسری جانب سے سامنے آئے تو پھر منہ پھیر لیا۔ خواجہ اسی طرح ہر طرف گھومتے رہے اور ہر بار رخ بدلتے رہے۔ آخر حضرت شیخ معین الدین قدس سرہ نے یکایک جا کر ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔ شیخ نجم الدین رحمتہ اللہ علیہ نے کہنا شروع کیا کہ بختیار کو مجھ پر کیوں چھوڑ رکھا ہے؟ ان کو منع کیوں نہیں کرتے؟ فرمایا منع کروں گا۔ یہ وہ وقت تھا جب کہ شیخ قطب الدین رحمتہ اللہ علیہ کی بہت زیادہ شہرت ہو چکی تھی۔ اور سارا شہر ان کی طرف رجوع ہو چکا تھا۔ قصہ مختصر یہ کہ جب خواجہ معین الدین رحمتہ اللہ علیہ شیخ قطب الدین رحمتہ اللہ علیہ کے گھر واپس آئے تو شیخ قطب الدین رحمتہ اللہ علیہ سے فرمایا کہ بختیار! اب تم اتنا مشہور ہو گئے ہو کہ خلق تمہاری شکایت کرنے لگی ہے۔ یہاں سے اٹھو اور اجمیر چل کر بیٹھ جاؤ۔ میں تمہارے سامنے کھڑا رہوں گا' شیخ قطب الدین نے عرض کی کہ اے خواجہ! میری کیا مجال ہے کہ حضور کے سامنے کھڑا بھی ہو سکوں پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ میں بیٹھ سکوں۔ یہاں تک سراج العارفین کی عبارت تھی جو ہوئی۔ اس بیان کا مقصد یہ ہے کہ جب خواجہ بدرالدین سمرقندی رحمتہ اللہ علیہ دہلی میں تھے اس زمانے میں ہندوستان کے لوگ یہی جانتے تھے کہ شیخ بس وہی ہے جس سے کرامت ظاہر ہو۔ اور جس نے کرامت ظاہر نہ ہو وہ شیخ نہیں ہے۔ حالانکہ حقیقت اس کے خلاف ہے۔ یعنی شیخی دین میں استقامت' یقین کا کشف اور کرامت کے

چھپانے میں ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کرامت عطا فرمائے یا نہ فرمائے' مگر کشف یقین حاصل ہے تو ایسے لوگ کرامت سے بے نیاز ہیں۔ شیخ کے لئے کرامت لازم نہیں ہے۔ ہاں اگر کشف یقین کے ساتھ کرامت ہو تو بہتر ہے۔ اور اگر کشف یقین حاصل ہو اور کرامت نہ ہو تو وہ افضل ہے۔ شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ نے عوارف کے تیسرے باب میں نقل کیا ہے کہ بعض طالبان صادق کے لئے کرامت کے باب کھول دیے جاتے ہیں اور اس میں یہ حکمت ہے کہ ان کا یقین زیادہ ہو۔ تاکہ زہد و مخالفت نفس میں زیادہ قوت حاصل ہو۔ اور بعضے بندگان خدا پر ابتدا ہی میں یقین منکشف ہو جاتا ہے۔ اور ان کے دل سے حجاب اٹھا لیا جاتا ہے۔ وہ لوگ کرامت سے بے نیاز ہوتے ہیں اور اہلیت و استعداد کے لحاظ سے فریق اول سے زیادہ کامل ہوتے ہیں۔ یہاں تک عوارف کی عبارت کا خلاصہ ہے۔

اب اپنے مطلب کی طرف لوٹتا ہوں وہ یہ کہ خواجہ بدرالدین سمرقندی اس طلب کرامت کے دور میں خلق اللہ کو اصل مقصود کی طرف توجہ دلاتے تھے۔ اور طالبوں کے دلوں کو طلب کرامت کے شائبہ سے خالی کرتے تھے۔ جس نے آپ کی خدمت و صحبت حاصل کی اس نے دین میں استقامت پائی اور مشائخ طریقت کے راستے کو جانا اور ان کے مذہب کو سمجھا۔ باقی لوگ اپنے پرانے اعتقاد پر قائم رہے۔

خواجہ بدرالدین سمرقندی رحمتہ اللہ علیہ سماع میں اعلیٰ احوال رکھتے تھے ایک مرتبہ آپ کے سامنے چنگ بجا رہے تھے ایک بزرگ ان کی مجلس میں موجود تھے جنہیں چنگ کی آواز سے انکار تھا۔ کیونکہ چنگ مزامیر میں سے ایک ہے۔ چنانچہ وہ مجلس سے اٹھ کر ایک گوشہ میں جا بیٹھے۔ جب خواجہ کو ذوق سماع حاصل ہوا تو وہ بزرگ جو گوشہ میں بیٹھے تھے ایسے متکیف ہوئے کہ اپنی داڑھی پکڑ کر مجلس میں آگئے اور اپنی دستار اتار کر چنگ پر رکھ دی۔ یقیناً سماع ایسا ہی ہونا چاہئے جس کی برکت سے دوسروں کو بھی ذوق سماع حاصل ہو۔

خواجہ بدرالدین سمرقندی کی روش ہند کے مشائخ سے ممتاز تھی ہند کے اکثر مشائخ صاحبان معاملہ تھے۔ ان میں سے بعض صاحب ریاضت و مجاہدہ بھی تھے۔ خواجہ

بدرالدین سمرقندی رحمتہ اللہ علیہ طریقہ شطار اور طریقہ محبان حق رکھتے تھے۔ ان تینوں طریقوں کا بیان خواجہ نجم الدین کبریٰ کے ذکر میں کیا جا چکا ہے طریق شطاریہ کی بنیاد موت ارادی پر ہے اس راستے کے سالک (مرنے سے پہلے مرجاو) کے مخاطب ہوتے ہیں۔ وہ سیرالی اللہ و طیر باللہ میں مشغول رہتے ہیں۔ یہ لوگ پہلا قدم اپنی جان پر رکھتے ہیں۔ سامان و اسباب کو نہیں دیکھتے بلکہ جان سے کھیلتے ہیں۔ اس راستے میں قدم رکھنے کے لئے شیر کا کلیجہ چاہئے جو اپنے کو عدم میں پہنچا دے۔ درجات و کرامات اور مراد کے طالب اور ہیں اور خود کریم کو طلب کرنے والے اور نامرادی میں مست رہنے والے اور ہیں۔

بیت

کفر کافر کو ہے دیں دیندار کو ‏ ‏ درد اک ذرہ دل عطار کو

درحقیقت اس راہ کے سالک اللہ کے مجذوب ہوتے ہیں۔

محمد نعیم

سب دوشنبہ ۱۳ ربیع الاول ۹۶ھ

مطابق ۱۵ مارچ ۱۹۷۶ء

لطیف آباد حیدر آباد پاکستان

ذکر حضرت خواجہ رکن الدین فردوسی رحمتہ اللہ عنہ

وہ مجذوبان کامل کی راہ کے مجذوب سالک، طریق شطار کے محبوں میں سے ایک سیاح، طریقت و شریعت کے ستون، حقیقت و معرفت کے اہل، فیض اوشی کی طرح صاحب فیض شیخ الاسلام خواجہ رکن الدین فردوسی اہل طریقت میں راسخ ترین تھے۔ بچپن سے کمال شیخی تک پیر کی تربیت میں رہے۔ محبان خدا کے طریق شطاریہ کی سیر، جو خدا کے شیر مردوں اور مجذوبوں کا طریقہ ہے، ان کو اپنے پیر کی اکثر خدمت و صحبت کی برکت کی وجہ سے حاصل ہوئی تھی۔

راویوں سے سنا گیا ہے کہ خواجہ بدرالدین سمرقندی یعنی خواجہ رکن الدین فردوسی کے پیر نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ سید السادات سید امیر خورد ساکن نوہٹہ نے ایک بچہ ان کو گود میں دیا ہے۔ سید امیر خورد اہل کشف و کرامت بزرگ تھے۔ خواجہ بدرالدین سمرقندی نے اپنا خواب سید مذکور سے بیان کیا۔ سید صاحب نے فرمایا کہ وہ بچہ دنوں کے بعد تم کو مل جائے گا۔

سید امیر خورد کی ایک صاحبزادی تھیں جو سن بلوغت کو پہنچ چکی تھیں۔ سید صاحب کے خاندان والے برابر زور دے رہے تھے کہ لڑکی جوان ہو گئی ہے اس کو کہیں بیاہ لینا چاہئے۔ سید صاحب فرماتے کہ جس کی قسمت میں لکھی گئی ہے وہ خود آئے گا۔ ایک مدت کے بعد حضرت شیخ حماد الدین فردوسی اپنے دو لڑکوں کے ساتھ تشریف لائے۔ بڑے جو جوان تھے ان کا نام شیخ نظام الدین اور دوسرے جو کم سن تھے ان کا نام شیخ رکن الدین تھا۔ یہ سب لوگ سید امیر خورد کی خانقاہ میں آئے۔ سید صاحب اعزاز و اکرام کے ساتھ پیش آئے اور اپنی قوم سے کہا کہ لڑکی جس کے نصیب کی تھی وہ آگیا ہے۔ چند روز کے بعد جب حالات معمول پر آئے تو بڑے صاحبزادے سید نظام الدین نے حق کی طلب میں والد بزرگوار کی رضامندی سے مسافرت اختیار کی۔ کیونکہ مسافرت میں نفس کو دبانے اور خاکساری اختیار کرنے کا زیادہ موقع ملتا ہے۔

ایک بار شیخ عماد الدین کی نظر ان کے چھوٹے صاحبزادے شیخ رکن الدین پر پڑی تو رونے لگے۔ سید امیر خورد نے پوچھا کیوں روتے ہو؟ جواب دیا کہ یہ بھی جب جوان ہو گا تو مجھ سے جدا ہو جائے گا۔ حالانکہ اس کی ماں نے مجھے وصیت کی تھی کہ اسے اپنے سے جدا نہ کرنا۔ سید نے کہا کہ یہ تم سے جدا نہ ہو گا۔ اس کے لئے ایک مربی موجود ہے جو تم سے بہتر اس کی تربیت کرے گا۔ اس کے بعد سید امیر خورد نے کسی کو خواجہ بدرالدین سمرقندی کے پاس بھیجا اور کہلا بھیجا کہ وہ لڑکا جسے تم نے خواب میں دیکھا تھا آگیا ہے۔ وہ تمہارا پسر معنوی ہے۔ خواجہ بدرالدین سمرقندی آئے اور پورے اعزاز کے ساتھ خواجہ رکن الدین کو اپنے گھر لے گئے۔ اور ان کی پرورش و پرداخت میں پوری شفقت سے کام لیا اور ان کی بہت اچھی تربیت کی۔ جب جوان ہوئے تو علم دین کی تعلیم دی اور طریقت کی تربیت کی۔ جب طریقت میں کمال حاصل کرلیا تو خلافت دے کر مجاز طریقت بنا دیا۔ خواجہ رکن الدین فردوسی نے ان کی صحبت و خدمت کی برکت سے ■ کمال حاصل کیا کہ اس وقت کے مشائخ ان کی روش اور طریقت پر رشک کرتے تھے۔

شیخ نظام الدین رحمتہ اللہ علیہ اس طرح کہ ذمیمہ صفات سے پاک تھے کہ ان سے حسد صادر ہوتا۔ لیکن ان کے مریدوں اور معتقدوں کا معاملہ دوسرا تھا۔ وہ لوگ حسد میں مصائب و آلام کے منتظر رہتے تھے۔ اتفاق سے اگر کوئی مصیبت یا حادثہ خواجہ رکن الدین کو لاحق ہوتا تو زبان درازی کرتے اور کہتے کہ یہ حادثہ اور یہ مصیبت خواجہ رکن الدین پر جو آئی ہے وہ شیخ نظام الدین کے نفس اور دل کی گرانی کا نتیجہ ہے۔ یہ معلوم ہے کہ دہلی کے لوگ شیخ نظام الدین کے معتقد تھے اسی لئے سب کو خواجہ رکن الدین پر حسد کرنے کی ہمت ہوتی تھی۔ معلوم نہیں کہ شیخ نظام الدین کے مریدوں اور معتقدوں کے حسد کی وجہ کیا تھی۔ اور اس کا منشا کیا تھا۔ واللہ علم' ان دونوں بزرگوں کے درمیان ایک بار دین کے معاملہ میں مناظرہ ہوا تھا۔ شیخ نظام الدین کے مریدوں' معتقدوں نے اس مناظرہ کو عداوت پر محمول کیا اور حسد کرنے لگے۔ لیکن خواجہ رکن الدین فردوسی تو حق کے مشاہدے میں اس قدر غرق تھے کہ ان کو یہ لوگ

بھی معذور نظر آتے تھے۔ اور اچھا برا جو کچھ بھی ان کے سامنے آتا اس کو وہ من جانب حق سمجھتے' حق دیکھتے اور حق جانتے تھے۔ کرامت والے اپنی کرامت کے پندار میں مغرور اور محققان خدا' خدا کے دیدار میں مسرور' جن لوگوں نے اضافت کو ساقط کر دیا انہیں وہ بہشت ملی جس کے مقابلے میں کوئی دوزخ نہیں ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے حال کے متعلق کہا گیا ہے۔

چیونٹی کو شب بخیر ہے اور سانپ کو سلام

لیکن سنت الٰہی چونکہ اس پر جاری ہے کہ محسود کی عاقبت محمود ہوتی ہے لہٰذا خواجہ رکن الدین ہندوستان میں ایسے مشہور ہوئے کہ عرب و عجم تک ان کی شہرت پہنچی۔ پیران سلاسل کے شجرے پر ان ہی کے نام کی مہر لگی۔ اور پیران فردوس کہلائے۔ ہندوستان میں جو لوگ اس شجرہ سے وابستہ ہوئے ان ہی کے نام سے تعلق کی بنا پر فردوسی کہلائے۔ (کیونکہ القاب آسمان سے نازل ہوتے ہیں اور یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا کرے) اور اگر خواجہ رکن الدین پر یہ فضل نہ ہوتا تو خواجہ ضیاء الدین ابوالنجیب سہروردی کی نسبت سے اس شجرہ کے پیروں کو سہروردی کہا جاتا۔ یا شطار کہا جاتا جیسا کہ خواجہ نجم الدین کبریٰ کے متولین کو کہا جاتا ہے۔

خواجہ رکن الدین فردوسی نے طریقت میں مشغول رہنے والوں کی تربیت کے لئے ایک خط لکھا ہے جو اہل توحید کی مشغولی کے لئے ایک تحفہ ہے۔ اور وہ خط مشہور ہے۔ مکتوب کی ابتدا یوں ہوتی ہے۔ "اے عزیز! مشغولی یہ ہے کہ ہمیشہ اس کی یاد میں اور یاد یہ نہیں ہے کہ حروف اور آواز سے اس کی یاد کرو کیونکہ یہ تو اس کے غیر میں حقیقت ذکر مذکور کے ماسوا کو بھول جانا ہے۔ جیسا کہ فرمایا (اللہ کو اس طرح یاد کرو کہ ماسوا اللہ کو بھول جاؤ) بلکہ درحقیقت اس کی یاد یہ ہے کہ اس کی ذات بے کیف اور اس کی صفات بے چوں کے ساتھ اس کا ذکر کرو۔ اے عزیز! جب کسی چیز کو دیکھا ہی نہیں تو اس کی یاد کیسے کرو گے۔ تمہارے دل میں اس کا گزر کیسے ہوگا۔ اے بھو۔

بیت

جب آدم کو جہاں میں ہم نے بھیجا   تو صحرا میں جمال اپنا دکھایا

مکتوب کی اتنی عبارت اس لئے لکھی گئی کہ مکتوب کا تعارف ہو سکے۔ کچھ لوگوں نے اس مکتوب کو شیخ رکن الدین ابو الفتح کی طرف منسوب کیا ہے۔ لیکن شیخ رکن الدین ابوالفتح کی روش وہ نہیں جو اس خط کے مضمون سے ظاہر ہوتی ہے۔ فردوسی اور سہروردی اگرچہ ایک ہی مذہب رکھتے ہیں اور ایک ہی شجرہ سے منسلک ہیں پھر بھی شیخ شہاب الدین سہروردی اور خواجہ نجم الدین کبریٰ کی روش میں کافی فرق ہے۔ جن لوگوں نے ان دونوں بزرگوں اور ان کے متبعین کے کلمات کا مطالعہ کیا ہے وہ دونوں کے فرق کو اچھی طرح سمجھتے ہیں اور بعضوں نے اس مکتوب کو مولانا رکن الدین پسر مولانا شہاب الدین جو شیخ نظام الدین کے امام تھے، منسوب کیا ہے۔ لیکن خاندان چشت کا انداز ہندوستان میں مشہور ہے۔ جو کسی عاقل سے پوشیدہ نہیں ہے کہ اس مکتوب کا مضمون بزرگان چشت کی روش سے بالکل مختلف ہے۔ اس بات کی بڑی دلیل کہ یہ مکتوب خواجہ رکن الدین فردوسی ہی کا ہے یہ ہے کہ شیخ الاسلام شیخ مظفر شمس بلخی رحمتہ اللہ علیہ نے اس مکتوب کا کچھ حصہ استفادے کے لئے اپنے قلم سے نقل کیا ہے۔ جو دیکھا گیا ہے حضرت شیخ مظفر رحمتہ اللہ کا اس مکتوب سے استفادہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ مکتوب خواجہ رکن الدین فردوسی ہی کا ہے۔ (اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت شیخ مظفر اپنے پیر کی ولایت کے عاشق تھے۔ کسی دوسرے سے استفادہ کرنا جائز نہیں رکھتے تھے۔) لیکن پیر کا پیر بھی پیر ہی ہوتا ہے چاہے وہ کئی واسطوں ہی سے کیوں نہ ہو۔ اس مکتوب کی کیفیت اس لئے لکھی گئی کہ اس خاندان سے تعلق رکھنے والے اس مکتوب کی طرف رغبت کریں اور مکتوب کے موافق عمل کریں تاکہ ان کی نجات کا سبب ہو۔ (اور اس پر توفیق دینے والا اللہ ہے۔)

محمد نعیم

شب چہار شنبہ ۲۹ ربیع الاول ۹۶ھ

مطابق ۳۱ مارچ ۱۹۷۶ء لطیف آباد حیدر آباد پاکستان

ذکر حضرت خواجہ نجیب الدین فردوسی رحمتہ اللہ عنہ

وہ اماموں کے شیخ، صاحب فقر کامل، طریقت میں راسخ، حقیقت کے مکاشف، مجردوں کے حلقہ کے سردار، مفردوں کے سربراہ، خلاصہ اہل صفا، سرچشمہ مردان خدا، وہ ایسے عالی ہمت کہ جن کی ہمت عرش و کرسی سے برتر۔ شیخ الاسلام خواجہ نجیب الدین فردوسی جو شیخ کامل تھے۔ شریعت کے عامل اور طریقت کی منزلیں طے کیے ہوئے تھے۔ حقیقت ان کا حال تھا۔ جو ان سے ملا اس نے نجات پائی۔ دین کے راستے میں مقتدائی کے جو شرائط بزرگان دین نے رکھے ہیں ■ سب کے سب درحقیقت ان میں موجود تھے۔ گم نامی پر پورا اختیار تھا۔ شہرت اور اسباب شہرت سے بری تھے۔ (میرے دوست میرے دامن کی اوٹ میں ہیں) ان کی شان میں مسلم تھا۔ مرشد کامل تھے۔ ان کی صحبت کیمیا گری مرید کے وجود کی آلائش کو زائل کرنے والی تھی۔ شیخ الاسلام شیخ شرف الدین منیری تھوڑی سی خدمت و صحبت کی بدولت مقصود کو پہنچے۔ احوال درویشی میں کمال حاصل کیا۔ شیخ شرف الدین کا اجازت نامہ ان کے پہنچنے سے بارہ سال پہلے لکھ کر رکھ دیا تھا۔ ان کے مرید اہل معنی ہوئے ہیں۔

مولانا عالم جامع فتاوائے تاتار خانی بھی ان ہی کے مریدوں میں سے ایک تھے۔ جو بامعنی نظمیں کہتے تھے۔

خواجہ نجیب الدین فردوسی کے مناقب بالکل پوشیدہ رہے۔ آپ شیخ عماد الدین فردوسی رحمتہ اللہ علیہ کے صاحبزادے اور شیخ رکن الدین فردوسی کے خلیفہ اور علاتی بھائی تھے۔ آپ کی والدہ سیدہ ولیہ اور صاحب کشف و کرامات تھیں۔ جب شیخ نظام الدین ابتدائی حالت میں تھے تو شیخ نجیب الدین رحمتہ اللہ علیہ کی والدہ نے یہ کہا تھا کہ شیخ نظام الدین کی پیشانی میں ایک نور ہے۔ چنانچہ دہلی میں جو کچھ وہ کریں گے کسی نے نہ کیا ہوگا۔ وہ سید امیر خورد کی دختر تھیں۔ ان کی شادی کیوں کر ہوئی اس کا ذکر خواجہ رکن الدین فردوسی کے تذکرے میں آ چکا ہے۔ (اللہ تعالیٰ ان پر اور ان کے والد پر رحمت فرمائے)

ذکر حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری رحمتہ اللہ علیہ

وہ توحید کی تجرید کے بحر، جمیع تفرید کے مفرد، طریقت کے سیدھے راستے کے دقیق نکتوں کے بیان کرنے والے، اور حقیقت کے معنیٰ کو ظاہر کرنے والے، وہ صاحب صدق و صفا، مرد خدا، بحر احدیت کی گہرائیوں کے ساکن، مقام زوجیت کے متمکن، مجاہدہ کے میدانوں کے مرد میدان، کشف و مشاہدہ کے ملکوں کے مالک، قاف یقین کے سیمرغ، اہل تمکین کی فضائے ہمت کے ہما، تخت خلافت کے داؤد محبت و معرفت کی مملکت کے سلیمان، ہدایت و رہبری کے اسرار سے واقف، شیخ جہاں مخدوم الملک شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری" طریقت میں مشائخ کبار میں سے ہیں اور اہل حقیقت میں بڑا مرتبہ رکھتے ہیں۔ ریاضت و مجاہدہ میں ان کی شان نہایت ہی عجیب و غریب ہے۔ ان کا جذبہ شوق سلوک سے پہلے تھا۔ تیس ۳۰ سال تک پہاڑوں، جنگلوں، اور بیابانوں میں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہے۔ ماسویٰ اللہ سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا۔ ان کی نظر میں دنیا بالکل معدوم تھی، کوئی وجود نہیں رکھتی تھی۔ آخرت اور اس کی تمام نعمتیں ان کی ہمت عالی کے سامنے بے وقعت تھیں۔ ان کی جان کا مقصود صرف خدا تھا۔ وہ دنیاوی جاہ و منزلت سے ہمیشہ بے زار رہے۔ اظہار کرامت و خوارق عادات سے پرہیز کرتے تھے۔ حقیقت کے احوال میں صاحب تمکین تھے۔ اہل معرفت اور اہل یقین ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ طریقت کے دقیق مسائل سہل انداز میں بیان فرماتے۔ اور حقیقت و معرفت کے رازوں کے بیان کرنے میں ان کا کلام بہت اونچا مقام رکھتا ہے۔ مسئلے کے ہر پہلو پر بیان شافی فرماتے تھے۔ عشق و محبت کے بیان میں ان کے کلمات نہایت ہی لطیف اور گہرے تھے۔ علم تصوف کے بیان میں ان کی تصنیفات بہت زیادہ ہیں۔ ہندوستان میں خواص کی توحید اور حقیقت آپ ہی سے ظاہر ہوا۔ موحدین اور اہل حقیقت جیسے امام احمد غزالی، امام محمد غزالی،

عین القضاۃ' ابن عربی' خواجہ فریدالدین عطار' شیخ اعراقی اور مولانا جلال الدین رومی رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کے کلمات سے لوگوں کو آپ ہی نے متعارف کرایا۔ آپ سے پہلے ہندوستان میں ان بزرگوں کے کلمات سے کوئی آشنا نہ تھا۔ اور اگر کسی نے مطالعہ کیا بھی تھا تو کلام کے اصل مقصود تک نہ پہنچ سکا تھا۔ چنانچہ مشائخ ہند کے ملفوظات میں ان بزرگوں کے کلمات بہت کم آئے ہیں۔ بلکہ بعض مشائخ ہند نے ان بزرگوں میں سے بعض پر طعن و تشنیع اور طنز کیا ہے۔

شیخ نظام الدینؒ کے ملفوظ سراج العارفین کے آٹھویں باب میں درج ہے کہ شیخ نظام الدینؒ نے فرمایا کہ عین القضات ہمدان کے قاضی بچہ تھے۔ ان کے وفور علم کا کیا کہنا' ان کا علم اب بھی جاری ہے۔ لیکن بیس سال کی عمر میں درویشی کہاں ہوتی ہے۔ ان کے مکتوبات جو سر اور احوال میں لکھے گئے ہیں بہت لطیف ہیں۔ عین القضات عارف تھے۔ لیکن چونکہ کمسن تھے۔ اس لئے ان کی ہستی نے ابھی فنا کا مقام نہیں پایا تھا۔ اپنی کتابوں میں اپنی تعریف کی ہے اور جگہ جگہ شریعت کی حد سے آگے بڑھ گئے ہیں۔"

یہاں تک تو سراج العارفین کی عبارت تھی۔ مقصود یہ ہے کہ شیخ الاسلام شیخ شرف الدین منیریؒ سے پہلے ان بزرگوں کے کلمات پر یہاں کے مشائخ اعتراض کرتے تھے۔ امام احمد غزالیؒ اور امام محمد غزالیؒ کے کلمات میں اگرچہ رمزو اشارات ہیں لیکن عین القضات کا مذہب اور ائمہ مذکور کا مذہب ایک ہی تھا۔ چنانچہ اگر ان میں سے کسی ایک پر اعتراض کیا گیا تو وہ سب پر وارد ہوگا۔ مثلاً قاضی عین القضات نے وحدت و توحید کے بارے میں جو کچھ کہا ہے امام غزالی اور دوسرے بزرگوں نے بھی وہی سب کچھ کہا ہے۔ صرف فرق اتنا ہے کہ .جنھوں نے صاف صاف اور .جنھوں نے رمزو اشارات میں بیان کیا ہے۔ لیکن تصریح کے ساتھ جیسا کہ خواجہ فریدالدین عطار رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

غیر حق اے بھائی کس کی ذات ہے
اہل معنی کی یہی اک بات ہے

اور جیسا کہ مولانا جلال الدین رومی فرماتے ہیں۔

مثنوی

کعبے کے لئے جاتے ہو تم لوگ نہ جاؤ
معشوق یہیں ہے ادھر آؤ ادھر آؤ
تم لوگ طلبگار خدا ہو خدا ہو
کیا کام طلب کا ہے جو سمجھو تو خدا ہو

خواجہ فریدالدینؒ اور مولانا جلال الدین رومیؒ کی تصریحات کے مقابلے میں عین القضات اور دوسرے بزرگوں نے صرف رمز و اشارات میں باتیں کی ہیں۔ پس جیسا کہ امام محمد غزالیؒ نے احیاء العلوم کے منتخب میں لکھا ہے۔

پس توحید آجکل بدل گئی ہے۔ یعنی اس زمانے میں کچھ صنعت و عبارت آرائی ہے۔ بحث و مناظرہ ہے اور معرفت میں تکرار کا طریقہ جاننا، دشمنوں سے ردود قدح کرنا اور مخالفین سے نہایت ہی فصیح و بلیغ انداز میں سوالات کرنا اور ایسے اسباب و علل پیدا کرنا جس میں ▪▪ الجھ جائیں۔ اور الزامات جوابی فراہم کرکے پیش کرنا اس کا نام توحید رکھا گیا ہے۔ لیکن پہلے زمانے میں توحید سے وہ باتیں مراد لی جاتی تھیں جن کو اکثر متکلمین سمجھنے سے قاصر تھے۔ اور اگر سمجھ بھی جاتے تو ان کے لئے اپنے اندر صفات توحیدی پیدا کرنا ایک مشکل امر تھا۔ توحید کی حقیقت یہ ہے کہ موحد ہر کام کو اس طرح دیکھے کہ اس میں اللہ کا ید قدرت نظر آئے اور درمیان سے اسباب و ذرائع اٹھ جائیں۔ یعنی موحد خیر و شر، نفع اور نقصان ہر چیز میں اللہ ہی کی طرف نظر رکھتا ہے۔ بلاشبہ بہت بڑا مقام ہے۔ اس مقام کا ایک نتیجہ توکل ہے۔ اس کا بیان کتاب توکل کے عنوان سے عنقریب آئے گا۔ اس مقام کا ایک نتیجہ یہ بھی ہے کہ مخلوق سے بھی کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ اور غصہ کی گنجائش بھی ختم ہو جاتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر تسلیم و رضا کی شان پیدا ہوتی ہے اور یہ صدیقوں کا مقام ہے امام محمد غزالی کا توحید خاص کے باب میں یہ بیان قاضی عین القضات کے کلام کے موافق ہے۔ اور

شیخ شرف الدین منیریؒ نے قاضی عین القضات کو اپنے کلام میں بہت سراہا ہے کہیں عاشق فانی عین القضات ہمدانی اور کہیں مست الست یزدانی قاضی عین القضات ہمدانی کہا ہے۔ اپنے ملفوظ معدن المعانی کے بیسویں باب میں حضرت مخدوم جہاںؒ نے فرمایا ہے کہ اگرچہ ہر ایک نے علم معرفت کے باب میں کچھ نہ کچھ لکھا ہے۔ لیکن جیسا عین القضات نے لکھا ہے ویسا اصول دین کے قانون اور تمہیدات کے متقاضی بہت کم کسی نے لکھا ہے۔ ان کے بیان سے بہت مشکلات حل ہو جاتی ہیں۔ لیکن ان کے کلمات کے اصل مفہوم کو معلوم کرنے کے لئے اس گروہ کے اصول و قوانین کا جاننا ضروری ہے۔ ورنہ ان کے بعضے کلمات کو اصول دین کے مطابق بیان کرنا مشکل ہے۔ حاضرین میں سے ایک نے اس موقع پر عوارف کا ذکر کیا تو فرمایا اگرچہ عوارف تصوف کے باب میں ایک معتبر کتاب ہے۔ جس سے اس گروہ کا مذہب اور طریقت کے احکام کی تحقیق ہوتی ہے۔ تاہم اس کے مصنف اس سے بہتر اور اعلیٰ کتاب لکھ سکتے تھے لیکن انہوں نے مریدوں اور مبتدیوں کے مقام میں نزول فرماکر اس کتاب کو لکھا حالانکہ ان کے علم کی زیادتی اور معانی کی کثرت معروف و مشہور ہے۔ لیکن عین القضات کے مکتوبات! وہ تو چیز ہی کچھ اور ہے۔

اب پھر میں اپنی پہلی گفتگو کی طرف لوٹتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ سے پہلے ہندوستان میں ایسے لوگ کم تھے جو توحید خاص کے اسرار رموز کو سننے کی طاقت رکھتے ہوں۔ خود ان رموز کو بیان کرنا تو دور کی بات ہے۔ مگر الاماشااللہ۔

احمد بہاری ایک دیوانہ صورت انسان تھے۔ جو اکثر شیخ شرف الدین رحمتہ اللہ کی خدمت میں آتے جاتے تھے۔ خواص کی توحید کے بارے میں کچھ سوال کرتے اور کبھی خود بھی کچھ بیان کرتے۔ وہ شیخ سے بہت خوش رہتے تھے۔ دیوانگی کے عالم میں کبھی وہ مکمل کے ایسی باتیں کہہ جاتے کہ لوگ سمجھنے سے قاصر رہتے۔ دوسرے شخص غزاکوی تھے۔ جو صاحب شغل اور کامل الحال بزرگ تھے۔ کاکو بہار سے فاصلے پر واقع ہے۔ مشغولی کی وجہ سے اس طویل مسافت کو طے کرکے جناب شیخ کی خدمت میں

حاضری کا موقع نہیں ملتا تھا۔ اس لئے توحید خاص اور عشق و محبت کے بارے میں اپنی مشکلات خط کے ذریعہ شیخ شرف الدین منیری رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کرتے تھے۔ اور شیخ ان کے جوابات تحریر فرماتے۔ ان جوابات کا مجموعہ شیخ کے کلمات میں مجوبہ کاکوی کے نام سے موجود ہے۔ اتفاق سے یہ دونوں بزرگ سلطان فیروز کے دور حکومت میں دہلی گئے۔ وہاں توحید کے بارے میں تفصیل سے باتیں کیں اور کچھ ایسی باتیں کیں جو بظاہر شریعت کے خلاف تھیں۔ دہلی کے علماء نے سلطان فیروز سے کہا کہ یہ دونوں ایسی باتیں کہتے ہیں جن کی وجہ سے ان کا قتل واجب ہے۔ سلطان نے محضر تیار کیا اور اکابر شہر کو جمع کر کے پوچھا۔ بعضوں نے اتفاق کیا۔ اور یہ دونوں قتل کر دئے گئے۔ دہلی ایسے شہر میں جہاں مشائخ اور علماء و فضلا تھے اور سلطان فیروز سا فقیروں کا معتقد موجود تھا' کسی سے اتنا بھی نہ ہوسکا کہ ان دونوں بزرگوں کو دیوانگی ہی کے بہانے آزاد کرالیتا۔ قتل کی خبر جب شیخ شرف شرف الدین رحمتہ اللہ علیہ کو ہوئی تو ارشاد فرمایا "ایسا شہر جس میں ایسے بزرگوں کا خون بہایا جائے بڑے تعجب کی بات ہوگی اگر وہ آباد رہ جائے۔ چنانچہ جیسا کہ آپ نے فرمایا ویسا ہی ہوا۔ زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ سلطان فیروز کی زندگی ہی میں فتنے شروع ہوگئے۔ اس کی شان و شوکت کے باوجود شہر پر سلطان کا قبضہ اور اختیار نہیں رہا۔ سلطان کا لڑکا وزیر' خان جہاں سے لڑ بیٹھا۔ بہت سے مسلمان اس حادثہ میں مارے گئے۔ شہر برباد ہونے لگا۔ اس کے بعد غلاموں نے بادشاہ اور اس کے لڑکے کو پکڑ کر پھانسی دے دی۔ پھر مغلوں نے آکر دہلی کو زیروزبر کر دیا۔

"اور اللہ ہر بات پر غالب ہے"۔ بات کہاں سے کہاں جا پہنچی۔ "یوں ہی بات سے بات نکلتی ہے"

اب پھر اصل کلام کی طرف آتا ہوں۔ یعنی شیخ شرف الدین منیریؒ بہت بڑے شیخ اور شروع سے آخر تک محفوظ تھے۔ اور کبھی گناہ صغیرہ بھی آپ سے سرزد نہیں ہوا۔ ان کے والدین کو پیدائش سے پہلے ہی ان کی بزرگی کی بشارت دی گئی تھی۔

راویوں سے یہ حکایت سننے میں آئی ہے کہ شیخ شرف الدین منیریؒ کے والد ماجد

شیخ یحیٰؒ مولانا تقی الدین عربیؒ ساکن مہون جو صاحب انتخاب احیائے علوم تھے سے اعتقاد رکھتے تھے۔ اور ان کی زیارت کے لئے اکثر جایا کرتے تھے۔ اور شاید مولانا مذکور سے ارادت بھی تھی۔ جب بھی شیخ یحیٰ منیریؒ ان کے پاس تشریف لے جاتے مولانا ان کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے اور ان کی پشت پر بوسہ دیتے تھے۔ آخر ایک وقت جب شیخ یحیٰ منیریؒ ان کی ملاقات کو گئے تو انہوں نے عادت کے مطابق ان کی تعظیم نہیں کی۔ شیخ یحیٰ اپنے دل میں شرمندہ ہوئے کہ کیا وجہ ہے کہ مولانا نے اپنے معمول کے خلاف کیا۔ مولانا نے ازروے کشف معلوم کیا اور کہا۔ "میں جس کی تعظیم کرتا تھا وہ شکم مادر میں چلا گیا۔"

یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ شیخ شرف الدین منیریؒ کی والدہ ماجدہ نے دودھ پینے کے زمانے میں ان کو کسی وقت بھی بغیر وضو دودھ نہیں پلایا۔ ایک روز پالنے میں لٹاکر انکو خالی گھر میں تنہا چھوڑ کر دوسرے مکان میں چلی گئیں۔ کچھ دیر کے واپس آکر دیکھا کہ پالنے کے پاس ایک مرد بیٹھے پنکھا جھل رہے ہیں اور پالنے کو ہلا رہے ہیں۔ خوف زدہ ہوگئیں۔ اتنے میں وہ مرد غائب ہوگئے۔ جب خوف دور ہوا اور دل کو قرار آیا تو یہ کیفیت اپنے والد بزرگوار سے بیان کی۔ انہوں نے کہا وہ نہیں یہ مرد خواجہ خضر علیہ السلام تھے۔ جو پالنا ہلاکر بچے کی حفاظت کر رہے تھے۔ تمہارا بچہ ایک عظیم المرتبت بزرگ ہوگا ان کا نام (ا) قاضی شہاب الدین تھا۔ سبحان اللہ! جو شخص بچپن کے زمانے میں بلکہ شکم مادر اور پشت پدر میں مکرم اور معظم ہو اس کے مناقب کیا بیان کئے جاسکتے ہیں۔

سنا ہے کہ جب آپ جوان ہوئے تو دینی علوم کے حصول میں مشغول ہوگئے۔ اور بہ کمال و تمام حاصل کیا۔

اس زمانے میں ہندوستان ہی نہیں بلکہ تمام عرب و عجم میں مولانا اشرف الدین

ا۔ مخدوم جہاں کے نانا قاضی شہاب الدین بہت بڑے بزرگ تھے۔ ان کا لقب پیر جگجوت تھا۔ مزار مبارک موضع جتھلی میں ہے۔

توامہ کی عظمت و بزرگی اور دانشمندی کی شہرت تھی۔ جو تمام علوم میں کامل ہونے کے ساتھ ساتھ علم کیمیا' لیمیا اور سیمیا میں بھی بڑا کمال رکھتے تھے۔ اور علم دین میں علمائے اسلام کے مرجع تھے۔ عوام' خواص' امرا اور بادشاہ سب ان کے معتقد' مطیع اور فرماں بردار تھے۔ علم سیمیا میں ان سے بڑے عجائبات ظاہر ہوئے۔ عوام کی اطاعت و رجحان سے دہلی کے بادشاہ کو خوف لاحق ہوگیا کہ کہیں یہ سلطنت پر قبضہ نہ کرلیں اس لئے ان کو بہانے سے سنار گاؤں بھیج دیا۔ اس وقت بنگالہ کی حکومت بادشاہ دہلی کے قبضہ میں تھی۔ مولانا نے اپنی فراست سے جان لیا تھا لیکن اولوالامر کی اطاعتواجب جان کر سنار گاؤں کے لئے روانہ ہوگئے۔ سفر کے دوران قصبہ منیر میں پہنچے تو شیخ شرف الدین منیری ان کی ملاقات کے لئے گئے۔ اور مولانا اشرف الدین توامہ کے وفور علم اور کمال و دانشمندی کے ایسے فریفتہ ہوئے کہ فرمایا کہ علوم دین کی تحقیق ایسے محقق کی صحبت و خدمت کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ کچھ زمانے تک ان کی خدمت میں رہ کر فیوض و برکات حاصل کرنے کا ارادہ کرلیا۔ اور مولانا اشرف الدین توامہ نے بھی ان کی قابلیت و صلاحیت' روش اور صلاح و تقویٰ کو دیکھ کر ان کو پسند فرمایا۔ اور کہا کہ ایسے شخص کے لئے علوم دین کی تعلیم میں کوشش کرنی چاہئے۔ شیخ شرف الدین منیری اپنے والدین کی رضامندی سے مولانا اشرف الدین توامہ کے ساتھ سنارگاؤں چلے گئے۔ اور علوم دین کے حاصل کرنے میں انتہائی کوشش کی۔ رات دن حصول علم میں مشغول رہتے اور اسی مشغولی کے ساتھ ساتھ ریاضت و مجاہدہ بھی کرتے رہے۔ اور طے کے روزے بھی رکھتے رہے۔ انتہائی مشغولی کی وجہ سے مولانا اشرف الدین توامہ کے دستر خوان پر حاضر نہیں ہوتے تھے۔ فرماتے کہ دستر خوان پر آنے میں بہت زیادہ وقت برباد ہوتا ہے۔ مولانا اشرف الدین توامہ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو ان کے لئے کھانے کا علیحدہ بندوبست کر دیا۔ عرصہ تک وہ مولانا موصوف کی خدمت و صحبت میں رہے۔ یہاں تک کہ علوم دین کی تحقیق تمام ہوئی۔ استاد نے چاہا کہ دوسرے علوم بھی سکھا دیں۔ لیکن آپ نے کہا میرے لئے یہ علوم دین ہی کافی ہیں۔ وہاں سے اپنی والدہ ماجدہ کی خدمت میں قصبہ منیر تشریف لائے۔

چونکہ سنار گاؤں میں علم کی مشغولیت بہت رہی اس لئے آپ کو ایک مرض لاحق ہوگیا۔ وہاں کے حکیموں نے کہا کہ اس مرض کا علاج نکاح ہے۔ دفع مرض کے لئے نکاح کیا۔ ان سے ایک لڑکا ہوا۔ آپ نے اس لڑکے کو اپنی والدہ کے حوالے کیا اور فرمایا اس کو میری جگہ سمجھئے اور مجھے اجازت دیجئے کہ جہاں چاہوں جاؤ۔ اور خیال کیجئے کہ شرف الدین گویا مرچکا۔ پھر آپ دہلی گئے وہاں مشائخ سے ملے تو فرمایا کہ اگر شیخی یہی ہے تو میں بھی شیخ ہوں۔ پھر شیخ نظام الدین رحمتہ اللہ علیہ سے ملاقات کی۔ ان کی مجلس میں علمی مذاکرات ہو رہے تھے۔ آپ نے بھی حصہ لیا اور اچھے جوابات دیے۔ شیخ نظام الدین رحمتہ اللہ علیہ نے اعزاز و اکرام فرمایا۔ اور پان کا ایک تھال دلا کر کہا "یہ ایک سیمرغ ہے جو میرے جال کی قسمت کا نہیں" وہاں سے پانی پت جاکر شیخ شرف الدین پانی پتی سے ملاقات کی۔ دیکھ کر فرمایا "شیخ ہیں مگر مغلوب الحال ہیں۔ دوسروں کی تربیت کیسے کرسکتے ہیں۔"

سنا ہے کہ اس کے بعد ان کے بڑے بھائی نے (جو ہمراہ تھے) ان سے خواجہ نجیب الدین فردوسیؒ کا ذکر کیا' ان کا طریقہ اور ان کے مناقب بیان کئے۔ مخدوم جہاںؒ نے کہا "وہ جو قطب دہلی تھے انہوں نے تو پان دے کر مجھے لوٹا دیا اب دوسروں کے پاس کیا جاؤں۔ آپ کے بھائی نے کہا ملاقات میں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ ملاقات کرنی چاہئے جب بھائی نے اصرار کیا تو

(۱)۔ قلمی نسخہ میں یہ عبارت اس طرح درج ہے جب آپ سنار گاؤں میں حصول علم میں مشغول تھے تو حضرت ابوتوامہ نے اشارۃً اپنی صاحبزادی سے نکاح کی خواہش ظاہر کی۔ حضرت شیخ شرف الدین منیری نے علم ظاہر و باطن کی تکمیل کے شوق کو مدنظر رکھتے ہوئے انکار کیا۔ یہاں تک کہ آپ ایک مرض میں مبتلا ہوگئے۔ وہاں کے اطبا نے کہا کہ اس مرض کا علاج نکاح کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں ہے۔ لہٰذا استاد کی صاحبزادی سے شادی کرلی۔ ان سے ایک صاحبزادہ تولد ہوئے۔ آپ نے اس بچہ کو اپنی والدہ ماجدہ کے حوالے کیا۔

آپ ان کی ملاقات کے لئے روانہ ہوگئے۔ راستے میں پان کھاتے اور کچھ پان

دستار میں بھی رکھ لئے تھے جب خواجہ نجیب الدین فردوسی کے مکان کے قریب پہنچے تو
ایک دہشت پیدا ہوئی اور شرمندگی محسوس ہونے لگی۔ دل میں کہا کہ میں شیخ نظام
الدین کے پاس گیا تھا وہاں کسی قسم کا خوف طاری نہیں ہوا یہاں کیا بات ہے کہ مجھے
دہشت محسوس ہو رہی ہے۔ جب خواجہ کے سامنے آئے تو پان اسی طرح منہ میں
تھا۔ جب خواجہ نجیب کی نظران پر پڑی تو فرمایا۔ "منہ میں پان اور دستار میں پان اور
اس پر دعویٰ یہ کہ میں بھی شیخ ہوں۔ اسی وقت منہ سے پان نکال پھینکے اور خوف زدہ
ہوکر ادب کے ساتھ سامنے بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد مرید ہونے کی درخواست
کی۔ خواجہ نجیب الدین نے ان کو بیعت سے مشرف کیا اور اجازت نامہ جو ان کے
پہنچنے سے بارہ سال پہلے لکھ کر رکھ دیا تھا ان کو عطا کیا۔ شیخ شرف الدین نے عرض کیا
کہ میں نے تو ابھی آپ کی کوئی خدمت ہی نہیں کی ہے۔ اور طریقت کی روش بھی
آپ سے حاصل نہیں کی ہے۔ یہ کام جس کا آپ حکم فرماتے ہیں مجھ سے کیونکر انجام
پاسکتا ہے۔ خواجہ نجیب الدین نے فرمایا "میں نے یہ اجازت نامہ جناب رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق لکھا ہے۔ نبوت خود تمہاری تربیت کرے گی۔
تم اس کا کوئی اندیشہ نہ کرو۔" اور طریقت کے راستے کی تلقین کرکے رخصت کر دیا۔
اور فرمایا "اگر راستے میں کوئی خبر سنو تو واپس نہ آنا۔" ایک دو منزل ہی گئے تھے کہ
خبر سنی کہ خواجہ نجیب الدین فردوسی نے اس دارفنا سے دار بقا کی طرف رحلت فرمائی
(بادشاہ مقدر کے پاس مقام صدق پر) انا للہ و انا الیہ راجعون (ہم اللہ کے لئے ہیں اور
اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں) وہ حسب ہدایت واپس نہیں آئے۔ اور منیر کی طرف
روانہ ہوگئے۔ عرصہ کے بعد یہاں پہنچے۔ ایک روز مور کی آواز سنی تو ایسا وجد و حال
پیدا ہوا کہ یہاں کے جنگل کی طرف چل دیے۔ کوئی نہ جان سکا کہ کیا ہوئے۔ بہت
تلاش کیا مگر ان کی کوئی خبر نہ ملی' بھائیوں اور دوستوں نے پیر کا اجازتنامہ اور دیگر
تبرکات کو ان کی والدہ ماجدہ کے سپرد کر دیا۔

سنا ہے کہ شیخ شرف الدین منیری نے فرمایا کہ جب میں خواجہ نجیب الدین سے
ملا تو ایک غم میرے دل میں ڈال دیا گیا۔ ہر روز وہ غم زیادہ ہوتا گیا یہاں تک کہ میں

بہیا پہنچا اور اس کے جنگل میں جاکر روپوش ہو گیا۔

القصہ جب شیخ شرف الدین منیری کی والدہ نے ان کے غائب ہونے کی خبر سنی تو ان کی جدائی کے غم سے بے چین ہو گئیں۔ برسات کی ایک اندھیری رات تھی اور بارش ہو رہی تھی۔ ■ بیٹے کی جدائی میں رو رہی تھیں۔ اور کہہ رہی تھیں کہ آج کی رات اس بچھڑے ہوئے کا کیا حال ہوگا۔ اسی وقت دیکھا کہ آپ آنگن میں کھڑے ہیں۔ کہا اے بیٹے اس بارش میں باہر کیوں کھڑے ہو اندر آجاؤ۔ فرمایا آپ آنگن میں آکر دیکھئے تو سہی کہ میں اس بارش میں کتنا محفوظ ہوں۔ ان کی والدہ جب صحن میں آئیں تو انہوں نے دیکھا کہ جہاں آپ کھڑے ہیں وہاں بالکل بارش نہیں ہے بلکہ کپڑے تک خشک ہیں۔ فرمایا دیکھئے اللہ تعالیٰ مجھے کس طرح محفوظ رکھتا ہے۔ پھر آپ میرے لئے کیوں اتنا ملول ہوتی ہیں۔ مجھے خدا کے سپرد کیجئے اور مجھ سے خوش ہو جائیے۔ آپ کی والدہ نے کہا میں نے تم کو خدا کے سپرد کیا۔ جب تم اللہ کی طلب میں ہو تو میں تم سے بدل و جان راضی اور خوش ہوں۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ وہاں سے غائب ہو گئے۔

سنا ہے کہ جب آپ بہیا کے جنگل میں داخل ہوئے تو بارہ سال تک کسی کو آپ کی کوئی خبر نہ ملی۔ اس کے بعد کسی نے آپ کو راجگیر کے جنگل میں دیکھا۔ پھر کسی نے سالوں آپ کو راجگیر کے جنگل میں بھی نہیں دیکھا۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس طویل عرصہ تک جنگل میں ان کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیا معاملہ رہا۔

سنا ہے کہ ایک دن کسی نے آپ کو جنگل میں دیکھا کہ ایک درخت کو پکڑے حیران کھڑے ہیں اور چیونٹے حلق کے اندر آجا رہے ہیں اور آپ کو اپنے اس حال کی کوئی خبر نہیں۔

سننے میں آیا ہے کہ مدت دراز کے بعد کچھ لوگوں نے آپ کو پھر جنگل میں دیکھا اور ملاقات کی۔ مولانا نظام الدین مدنیؒ نے جو بہار میں شیخ نظام الدین کے خلیفہ تھے، جب یہ سنا کہ شیخ شرف الدینؒ منیریؒ سے لوگوں کی ملاقات ہوتی ہے تو وہ ان سے ملنے کے لئے گئے۔ جنگلوں اور پہاڑوں میں جہاں کہیں بھی آپ مشغول رہتے تھے۔ تلاش

کر کے ملاقات کی۔ شیخ نظام کے احباب بھی جو اس وقت بہار میں تھے ان کے ساتھ جایا کرتے تھے۔ جب شیخ شرف الدین منیریؒ نے ان کا صدق طلب دیکھا تو فرمایا اتنی دور سے اس خوفناک جنگل میں جہاں وحشی جانور اور درندے رہتے ہیں نہ آیا کریں۔ مجھے اس میں بڑی دشواری نظر آتی ہے۔ آپ لوگ شہر ہی میں رہیں۔ میں خود جمعہ کی نماز کے لئے شہر کی جامع مسجد میں آ جایا کروں گا۔ وہیں ملاقات ہو جایا کرے گی۔ مولانا نظام الدین اور ان کے دوستوں نے اس تجویز سے اتفاق کیا۔ اس وقت سے آپ جامع مسجد میں تشریف لاتے۔ تھوڑی دیر مولانا نظام الدین اور ان کے دوسرے احباب کے ساتھ بیٹھتے اور پھر جنگل کی طرف چلے جاتے۔ جب اس طرح ایک مدت گزر گئی تو دوستوں نے کہا کہ ایک جگہ بنانی چاہئے جہاں نماز جمعہ کے بعد آپ قیام فرما سکیں چنانچہ شہر کے باہر جہاں آج مخدوم جہاں کی خانقاہ ہے دو چھپری ڈال دی گئی۔ جب آپ نماز جمعہ سے واپس آتے تو اپنے احباب کے ساتھ وہاں قیام فرماتے۔ اس کے بعد مولانا نظام الدین مدنی نے حاکم بہار مجد الملک سے بہ اصرار کہا کہ میرے پاس کچھ زکوٰۃ دیا ہو پاکیزہ مال ہے اس سے اپنی نگرانی میں جناب شیخ شرف الدین منیریؒ کے لئے ایک مکان تعمیر کرا دیں۔ پس جہاں دو چھپری تھی وہیں ایک عمارت تعمیر کی گئی۔ اور کھانا پکوا کر لوگوں کی دعوت کی گئی۔ شیخ نظام الدین کے احباب نے جو وہاں اضر تھے شیخ شرف الدین سے سجادہ پر بیٹھنے کی درخواست کی۔ سجادہ پر بیٹھ کر آپ نے مولانا نظام الدین اور ان کے یاروں کی طرف توجہ کی اور فرمایا یارو! تمہاری مجالست اتنی بڑھی کہ آخر مجھے اس بت خانہ میں لا کر بٹھا دیا۔ جب تک آپ کے پاؤں میں طاقت رہی باہر چلے جاتے تھے۔ اور مہینہ دو مہینہ باہر رہتے تھے۔ ایک مدت اسی طرح گزری۔ جب سلطان محمد تغلق دہلی کے بادشاہ نے یہ خبر سنی کہ شیخ شرف الدین منیری جو برسا برس تک بہیا کے جنگل میں تھے اور مخلوق سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی اب شہر میں آ گئے ہیں اور لوگوں سے ملتے جلتے ہیں حاکم بہار مجد الملک کو لکھا کہ شیخ الاسلام شیخ شرف الدین منیری کو ایک خانقاہ بنا کر دو۔ اور پرگنہ راجگیر کو خانقاہ کے فقیروں کے لئے وقف کر دو۔ اور ایک بلغاری مصلی اپنی نشانی کے طور پر بھیجا۔ اور

فرمان میں لکھا کہ اگر ▪ قبول نہ کریں تو بہ جبر قبول کراؤ۔ اور یہ سلطان محمد عجیب شان کا بادشاہ تھا۔ لوگ اس کو ظالم کہتے تھے اور وہ اپنے آپ کو منصف اور عادل کہتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ جو شخص جس چیز کا مستحق ہے میں اس کا حکم دیتا ہوں۔ اس وقت کے اکثر اہل طریقت کو اس نے درویشی لباس سے روک دیا تھا۔ اور دنیا داری کے عہدوں میں سے کسی ایک پر مقرر کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ شیخ نصیر الدین محمود کو بھی ریاست کا عہدہ دے کر ملک کر دیا تھا اور کہتا تھا کہ جب ایسے لوگ رئیس مملکت ہوں گے تو کسی پر ظلم نہیں ہوگا۔ جب شیخ محمود نے ریاست قبول نہ کی تو ان پر طرح طرح کی سختیاں کرنے لگا۔ اور سید السادات جلال بخاری کو فقیروں کے لنگر کا عہدہ دیا تھا۔

خزانہ جلالی میں مذکور ہے کہ حضرت مخدوم مدظلہ مکہ جانے سے پہلے قطب وقت شیخ نصیر الدین آودھی کی خدمت میں گئے۔ یہ سلطان محمد شاہ کا زمانہ تھا فرمایا اے شیخ میں ڈرتا ہوں کہ اس زمانے میں درویشوں اور درویش زادوں کو فقیری لباس سے نکال کر کلاہ اور قبا پہنائی جا رہی ہے۔ حضرت شیخ نصیر الدین نے اپنا لباس، دستار اور برساتی ان کو پہنا کر فرمایا یہی لباس پہن کر بادشاہ کے پاس جاؤ۔ وہ تم کو فقیری لباس سے باہر کرنے کی خواہش نہیں کرے گا۔ جب حضرت مخدوم مداللہ ظلہ وہ لباس پہن کر بادشاہ کے سامنے گئے تو سند نیابت شیخ الاسلامی ملی اور سیوستان کی خانقاہ محمدی اور جبل خوانق کے مضافات کی چالیس خانقاہیں سپرد کی گئیں۔ جب آپ سلطان کے لشکر سے واپس ہوئے تو شیخ الاسلام نصیر الدین محمود کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ بادشاہ نے خطہ سیوستان کے فقراء کی خدمت پر مجھے مقرر کیا ہے۔ لیکن مجھے شیخ قطب عالم حضرت رکن الدینؒ کی اجازت حاصل نہیں ہے۔ شیخ نصیر الدین محمود نے فرمایا میری طرف سے تم کو اجازت ہے کہ تم فقراء کی خدمت کرو۔

القصہ جب بادشاہ کا فرمان عہد الملک کو پہنچا تو وہ شیخ شرف الدین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ بادشاہ نے جو کچھ لکھا ہے میری کیا مجال کہ اس پر عمل کروں۔ البتہ اگر حضور نے قبول نہ فرمایا تو بادشاہ تو اسے میرا قصور سمجھے گا۔ اور اس کا حال معلوم ہے۔ خدا ہی جانتا ہے کہ پھر وہ مجھ پر کیسا ظلم کرے گا۔ مخدوم جہاں

نے جب مجدالملک کا یہ حال دیکھا تو ان کی لجاجت اور پریشانی کی وجہ سے باول ناخواستہ اسے قبول کرلیا۔ لیکن جب سلطان نے وفات پائی اور فیروز شاہ تخت نشین ہوا تو قصبہ راجگیر کو واپس کر دیا۔ اگرچہ تعلق سے اختلاط اور جاگیر و خانقاہ کی مشغولی کاملوں کو نقصان نہیں پہنچاتی لیکن وہ عالم کثرت میں اسباب و وسیلہ کو اسی مقام پر قائم رکھتے ہیں اور جو چیز بعد اور تفرقہ کا موجب ہو اس کو بت اور بت خانہ کہتے ہیں۔ باوجودیکہ یہ بعد و تفرقہ کے اسباب خود ان کے لئے کوئی سبب نہیں۔ جب تک کہ کوئی نصیحت ظاہر نہ ہو۔ ان کی نگاہ میں تمام چیزیں من جانب اللہ ہوتی ہیں۔ اور حق ہوتی ہیں۔ اس لئے ان کے مشاہدے میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔ اور جو چیزیں طریقت کے علاوہ ہیں ان کو وہ لوگ پسند نہیں کرتے اور ہر کام میں خدا پر نظر رکھتے ہیں مرید اور متصوف لوگ صوفیوں کے حالات کو نہیں سمجھ سکتے۔ صوفیہ صاحب اطوار ہوتے ہیں۔ وہ جو کچھ کرتے ہیں حق کرتے ہیں اور حق پر ہوتے ہیں۔ سنا ہے کہ قاضی زاہد نے جو ایک عالم اور سالک طریقت تھے اور مخدوم جہاں سے اعتقاد بھی رکھتے تھے، ایک مرتبہ پوچھا کہ مخدوم! میں نے سنا ہے کہ آپ نے تیس ۳۰ سال تک کچھ بھی نہیں کھایا اور بول و براز کا سلسلہ منقطع ہوگیا تھا ان ریاضتوں کے صلے میں کون سی خلعت عطا ہوئی؟ فرمایا میں نے تیس ۳۰ سال کھانا نہیں کھایا۔ البتہ ضرورت کے وقت جنگل سے کچھ چیزیں کھالیتا تھا۔ جب بول و براز کا سلسلہ بند ہوگیا تو سالوں بعد ایک مرتبہ احتلام ہوگیا۔ سردی بہت تیز تھی۔ دریا کے کنارے گیا تو دل نے کہا تیمم کرکے نماز پڑھ لو۔ پھر میں نے سوچا کہ کہیں نفس شریعت کی پناہ ڈھونڈتا ہے۔ اسی وقت پانی میں اتر گیا لیکن بے ہوش ہوگیا۔ جب سورج نکلا تو ہوش آیا۔ خلعت یہ ملی کہ اس روز صبح کی نماز قضا ہوگئی۔ پھر فرمایا اے زاہد! افسوس!! جو ریاضت و مجاہدہ شرف الدین نے کیا اتنا اگر پہاڑ کرتا تو پانی ہوجاتا۔ لیکن افسوس! شرف الدین کچھ نہ ہوا۔ لا الہ الا اللہ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) کتنی بلند ہمت ہے کہ سب کچھ پانے کے بعد سب کچھ پر خاک ڈال کر مفلس و بے نوا کی طرح کھڑے ہیں۔ اور حقیر بھکری کی طرح گفتگو فرما رہے ہیں۔(۱)

نہ اس کا حسن ہی کم ہے نہ سعدی کی زباں گونگی
مرے پیاسا ہی مستسقی رہے دریا یوں ہی باقی۔

شیخ الاسلام شیخ حسین مغربلخی کے ملفوظ میں مذکور ہے کہ بافت کا احساس دل کی بصیرت کی کمی کی وجہ سے ہوتی ہے۔

سنا ہے کہ ایک وقت قوال ان کے سامنے یہ رباعی گا رہے تھے۔

رباعی

جن لوگوں نے دیکھا ہے خدا کو مجھ سے
کچ دیکھا ہے کیا دل میں نصیحت بیٹھے
کہتے سے کہوں اگر میں اپنا قصہ
دامن کو بچاکے مجھ سے اپنا گزرے

آپ کو اس پر وجد آگیا اور فرمایا "خدا کی قسم سچ ہے، خدا کی قسم سچ ہے" یہ بھی ان کی بلندی ہمت تھی۔ جو حالتیں سیرالی اللہ میں ہوتی ہیں وہی سیرفی اللہ میں بھی ہوتی ہیں۔ باخبر کاملوں سے سنا گیا ہے کہ سید حسن قدسی نے شیخ بہرام سے پوچھا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ کے پیر شیخ شرف الدین کو اس رباعی پر تواجد ہوا تھا اور فرماتے تھے واللہ سچ ہے باللہ سچ ہے یہ بات تو مبتدیوں کی ہے اور وہ تو منتہی تھے۔ انہوں نے یہ بات کیسے کہی؟ شیخ بہرام نے جواب دیا کہ "انتہا ہی تو ابتداء کی طرف رجوع ہوتی ہے۔"

سننے میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ کسی نے فالودہ لاکر پیش کیا۔ آپ نے فالودہ اٹھایا، اس کی خوشبو سونگھی پھر زمین پر رکھ دیا۔ کچھ دیر پڑا رہا پھر کسی کو دے دیا۔ اور قاضی زاہد کو خطاب کرکے فرمایا زاہد! کوئی کسر باقی نہیں رہی تھی کہ یہ فالودہ راہ کھوئی کرتا۔

سنا ہے کہ ایک مرتبہ مشائخ عصر میں سے ہر ایک نے اپنی آرزو بیان کی جب آپ کی نوبت آئی تو فرمایا کہ میری آرزو یہ ہے کہ نہ اس جہان میں میرا نام باقی رہے

اور نہ اس جہان میں۔ اگرچہ آپ کے اکثر کام خرق عادت اور کرامت پر مبنی ہوئے تھے۔ لیکن آپ اس کرامت کے اظہار سے بیزار ہوتے اور شکستگی اور بے نوائی ظاہر کرتے۔ اگر کوئی کسی کام یا حاجت میں آپ سے مدد چاہتا تو آپ اسے میران جلال دیوانہ کے پاس بھیج دیتے۔

سنا ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص چند مردہ مکھیاں آپ کے پاس لایا۔ اور کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ شیخ وہ ہے جو مارتا اور زندہ کرتا ہے۔ لیجئے حکم دیجئے کہ یہ مکھیاں زندہ ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا بھائی! میں تو خود عاجز و درماندہ ہوں دوسروں کو کیسے زندہ کرسکتا ہوں۔ پھر وہ شخص شیخ احمد چرم پوش کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شیخ احمد نے کہا یہ قوت تو اللہ تعالیٰ نے شیخ شرف الدین کو عطا کی ہے' میں نہیں کرسکتا۔ پھر مکھیوں سے کہا اڑجاؤ' مکھیاں اڑ گئیں۔ اس شخص نے کہا زندہ کرنا تو دیکھ لیا اب مردہ کرنا بھی دکھائیے۔ آپ نے فرمایا جاؤ راستے میں تم وہ بھی دیکھ لو گے۔ جب وہ واپس جا رہا تھا کہ راستے میں کسی چوپائے نے ایسا مارا کہ وہ مرگیا۔ مخدوم جہاں شیخ شرف الدین کو جب اس کی خبر ملی تو آپ خود اس کے جنازے میں شریک ہوئے۔ جب شیخ احمد نے یہ سنا کہ مخدوم شرف الدین تشریف لے گئے ہیں تو وہ بھی جنازے میں شریک ہوئے۔ چنانچہ دونوں بزرگوں کی موجودگی میں اس شخص کو دفن کیا گیا۔ یعنی شیخ شرف الدین کے اخلاق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے مانند تھے۔

سننے میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ قاضی زاہد نے آپ سے پوچھا کہ مخدوم آپ مرد خدا کی اتنی تعریف کرتے ہیں' ہندوستان میں مردان خدا کون لوگ ہیں؟ فرمایا وہی دیوانہ پانی پتی یعنی شیخ شرف الدین پانی پتی قاضی زاہد نے عرض کیا کہ ہندوستان میں اتنے بزرگ ہیں آخر پانی پتی کی تخصیص کیوں؟ فرمایا زاہد تم نے مرد خدا کے بارے میں پوچھا تھا نہ کہ بزرگوں کے بارے میں۔

سنا گیا ہے کہ ایک مرتبہ قاضی زاہد نے آپ سے پوچھا کہ مخدوم آپ دہلی گئے تھے اسے کیسا پایا؟ فرمایا اے زاہد جس چیز کے متعلق پوچھو دہلی میں بہت زیادہ ہے۔ عابد و زاہد بہت' بزرگان دین اور سجادہ نشین بہت' اور صاحبان کرامت بھی بہت ہیں۔

لیکن جس کی مجھے تلاش ہے اسی کو وہ دیوانہ پانی پتی بھی چاہتا ہے۔

سنا ہے کہ ایک مرتبہ حسین منصور حلاج کا تذکرہ آپ کے سامنے ہوا۔ فرمایا افسوس وہ قتل کر دیئے گئے حالانکہ اس وقت سب صاحبان مشرب وہاں موجود تھے۔ کسی نے ان کو نہیں روکا۔ اگر میں ہوتا تو ان کی ترویج کر دیتا۔ قتل نہیں ہونے دیتا۔ واللہ اعلم (اللہ ہی بہتر جانتا ہے) اس ترویج سے آپ کی مراد مقام فردیت سے مقام زوجیت کی طرف ترقی کرانا ہے اور یہ صوفیوں کی ایک اصطلاح ہے اور منتہیوں کا سب سے اعلیٰ مقام ہے۔

سنا ہے کہ شیخ عزکاکوی اور احمد بہاری حضرت مخدوم جہاں سے بہت زیادہ اعتقاد رکھتے تھے اور قریب تر تھے۔ یہ دونوں دیوانہ صفت تھے۔ جو اسرار توحید کو برملا بیان کیا کرتے تھے۔ یہ دونوں دہلی گئے وہاں بھی اسرار توحید کی ایسی ایسی باتیں کہیں جس کے سننے کی اہل دہلی تاب نہ لا سکے۔ چنانچہ بادشاہ سے شکایت کرکے ان کے قتل کے لئے آمادہ ہوئے۔ یہ فیروز شاہ کا زمانہ تھا۔ اس نے محضر تیار کرکے فتویٰ حاصل کیا پھر دونوں کو قتل کرا دیا۔ وہاں اتنے مشائخ طریقت موجود تھے مگر کسی نے بھی ان کو دیوانگی کے بہانے یا کسی اور طریقہ سے رہا نہیں کرایا۔ بلکہ اف تک نہ کی۔ جب مخدوم جہاں شیخ شرف الدین کو ان کے قتل کی خبر ملی تو فرمایا کہ جس شہر میں ایسے لوگوں کا خون بہایا جائے اور پھر وہ شہر آباد رہ جائے" تعجب کی بات ہے۔ مخبروں نے مخدوم جہاں کی یہ بات بادشاہ تک پہنچا دی۔ اس نے علما اور اکابر شہر کو جمع کیا اور کہا کہ میں نے تمہارے فتوے پر ان دونوں کو قتل کیا ہے۔ پھر شیخ شرف الدین منیری ایسی باتیں کیوں کہتے ہیں؟ سب نے ایک زبان ہو کر کہا کہ بادشاہ ان کو طلب کریں۔ جب وہ آ جائیں تب معلوم ہو گا کہ انہوں نے ایسی بات کیوں کہی؟ بادشاہ نے ان لوگوں کے بہکانے پر آپ کی طلبی کا فرمان روانہ کر دیا اسی دوران سید السادات سید جلال بخاری کے ایک خادم بادشاہ کے پاس ان کے تبرکات لے کر آئے۔ تو بادشاہ نے پوچھا کہ بندگی مخدوم نے بہت روز کے بعد یاد کیا۔ خادم نے کہا کہ شیخ شرف الدین منیری کے مکتوبات مخدوم کے پاس آئے تھے جن کے مطالعے کے لئے حضرت مخدوم نے خلوت

اختیار کی تھی۔ کسی سے ملاقات نہیں کرتے تھے۔ اس وجہ سے اتنے دن گزر گئے۔ بادشاہ طلبی کے فرمان بھیجنے پر بہت پشیمان ہوا۔ اسی وقت ایک دوسرا فرمان روانہ کیا کہ اگر طلبی کا فرمان بہار پہنچ چکا ہو تو اسے روک لیں۔ کہ ایسے بزرگ کو اپنی جگہ سے ہلانا مصلحت نہیں ہے۔ جب طلبی کے فرمان کی شہرت مخدوم جہاں تک پہنچی تو فرمایا کہ سید جلال الدین بخاری کے طفیل ▪ فرمان منسوخ ہوگیا ہے اور اس کی بجائے دوسرا فرمان آ رہا ہے۔

سنا ہے کہ ایک مرتبہ ایک عالم نے حضرت مخدوم جہاں کے سامنے کہا کہ درویش خواہ کتنا ہی بڑا بزرگ ہو جائے اسے علماء کی ضرورت باقی رہتی ہے۔ آپ نے فرمایا جو درویش عالموں کا محتاج ہو وہ درویش نہیں ہے۔ علماء جو کچھ کتاب میں پڑھتے ہیں وہی کہتے ہیں اور درویش اگر کتاب میں نہیں پاتے تو لوح محفوظ سے کہتے ہیں اور اگر لوح محفوظ میں نہیں پاتے تو حضرت رب العزت سے کہتے ہیں۔

سنا گیا ہے کہ قاضی شمس الدین دمشقی جو درویش بھی تھے اور عالم بھی۔ ایک مرتبہ مخدوم جہاں کے پاس آئے اس وقت حضرت مخدوم عالم استغراق میں تھے ان کی طرف توجہ نہ کی۔ ملاقات کا پہلے سے جو معمول طریقہ تھا نہ پایا تو قاضی صاحب منفعل ہوئے اور سوال کیا کہ درویش کب کامل الحال ہوتا ہے۔ حضرت مخدوم جہاں نے جواب دیا جب وہ اللہ تعالیٰ کی ننانوے صفتوں سے متصف ہو جائے قاضی شمس الدین نے پھر سوال کیا کہ ازروے حقیقت یا مجاز؟ فرمایا حقیقت میں۔ قاضی کو اس کے سننے کی تاب نہ رہی اور کھڑے ہوگئے۔ بعضے کہتے ہیں کہ انھوں نے پوچھا کہ "شیخ زندہ کرتا اور مارتا ہے" یہ ازروے حقیقت ہوتا ہے یا مجاز؟ فرمایا صوفی وہ ہے جو صفات حق تعالیٰ کی ننانوے صفتوں سے متصف ہو جائے اور شیخی کا مرتبہ تو اس سے بھی بلند ہے۔ کسی دوسری مجلس میں جب قاضی موصوف سے ملاقات ہوئی تو آپ نے معذرت چاہی اور فرمایا کہ بعض لوگوں پر مزاج کا غلبہ ہو جاتا ہے تو اس کی گفتگو بھی بدل جاتی ہے۔ میرا بھی کبھی کبھی وہی حال ہوتا ہے اس لئے معذور ہوں۔

سنا ہے کہ ایک خوبصورت اور حسین جوگی بہار میں آیا۔ مخدوم جہاں کے کچھ

مریدوں نے اس سے ملاقات کی تو ان کو خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کافر کو کیسا حسن و جمال عطا کیا ہے۔ وہ جوگی صاف باطن تھا ان کے دل کی بات سمجھ گیا۔ اور کہا اس طرح کی بات آپ لوگوں کو دل میں نہیں لانا چاہئے۔ پھر پوچھا آپ لوگوں کا کوئی گرو بھی ہے؟ جوگیوں کی زبان میں پیر کو گرو کہتے ہیں۔ (گرو گاف کے پیش کے ساتھ) مخدوم جہاں کے ان مریدوں میں سے بعض نے کہا ہاں! ہمارے گرو ہیں۔ اور حضرت مخدوم جہاں کا ذکر کیا۔ اور ان کی تعریف کی۔ اس نے سوالیہ طریقہ پر پوچھا کہ کیا وہ میری ملاقات کے لئے آ سکتے ہیں؟ ان لوگوں نے جواب دیا وہ بزرگ ہیں کسی سے ملنے نہیں جاتے' بلکہ لوگ ان سے ملنے جایا کرتے ہیں۔ اس نے کہا کہ پھر مجھے ان کے پاس لے چلو۔ ▪ لوگ اسے اپنے ساتھ حضرت مخدوم جہاں کی خدمت میں لے گئے۔ جوگی کی نظر جیسے ہی مخدوم جہاں پر پڑی الٹے پاؤں بھاگا۔ لوگوں نے پوچھا کیوں بھاگتے ہو؟ اس نے جواب دیا "کرتار روپ میں ہیں" یعنی صفات الٰہی سے متصف ہیں۔ میں ان کے سامنے جانے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اگر جاؤں گا تو جل کر راکھ ہو جاؤں گا۔ جب جوگی کے اس حال کی خبر مریدوں نے مخدوم جہاں کو دی تو آپ نے تبسم فرمایا اور کہا کہ اس سے جا کر کہو کہ اب وہ آئے اور دیکھے طاقت پائے گا۔ جب دوبارہ آیا تو کہا ہاں! اب آ سکتا ہوں۔ آ کر مجلس میں بیٹھا اور دیر تک بیٹھا رہا۔ پھر کہا مجھے مسلمان کیجئے' مخدوم نے اسے کلمہ پڑھایا اور تین دنوں تک اپنے پاس رکھا پھر رخصت کر دیا وہ چلا گیا' کسی نے مخدوم جہاں سے پوچھا کہ اس قدر جلد آپ نے کیوں رخصت کر دیا؟ تو فرمایا کہ اس کا کام تمام ہو چکا تھا صرف کفر کا زنگ باقی تھا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد تھوڑی صحبت میں وہ زنگار دور ہو گیا اس لئے میں نے اسے رخصت کر دیا۔

سنا ہے کہ جب مخدوم جہاں راجگیر کے جنگل میں تھے ایک جوگی نے سنا کہ اس جنگل میں ایک بزرگ رہتے ہیں۔ وہ ملاقات کے اشتیاق میں جنگل میں آیا اور تلاش کر کے آپ سے ملا۔ اس نے آپ سے پوچھا کہ سدھوں کو کیسے پہچانتے ہیں؟ جوگیوں کی اصطلاح میں مرد کامل کو سدھ کہتے ہیں۔ فرمایا اگر ▪ اس جنگل کو کہیں کہ سونا ہو

جا تو سونا ہو جائے۔ اسی وقت جنگل سونا ہو گیا۔ آپ نے اسے اشارہ کیا اور فرمایا تو اپنے حال پر قائم رہ میں تو صرف بات کر رہا ہوں۔

سننے میں آیا ہے کہ شیخ الاسلام شیخ حسین معز شمس بلخی نے فرمایا کہ شیخ جہاں کے مریدوں کی تعداد سو ہزار سے زیادہ تھی۔ ان میں چالیس آدمی واصل تھے۔ ان چالیس آدمیوں میں تین مرد ہوئے ہیں۔ (۱) شیخ مظفر' (۲) ملک زادہ فضل اللہ' (۳) اور مولانا نظام الدین ایک حصارے میں۔ اور ان تین مردوں میں عشق کی آگ کا شعلہ شیخ مظفر کو ملا اور اس کا دھواں ان دو مردوں کو ملا اس حکایت کے بعض ناقلوں نے کہا ہے (۱) تین سو آدمی واصل حق ہوئے تھے۔

سننے میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ مخدوم جہاں نے شیخ محمد تالا سے پوچھا کہ تم مرید کیوں نہیں کرتے اور لوگوں کو ٹوپی کیوں نہیں دیتے۔ شیخ محمد تالا نے عرض کیا مخدوم میرا نفس روتا ہے اور کہتا ہے کہ تم اگر ٹوپی دو گے تو باز کی یخنی کون کھائے گا۔ آپ نے فرمایا کہ تم اس بلا میں کیسے مبتلا ہو گئے۔

برہان الاتقیائی مناقب الاولیا میں منقول ہے کہ ایک اکیاسی سالہ ہندو آپ کی مجلس میں آیا اور ایمان کی دولت سے مشرف ہوا۔ وہ وقت بہت اچھا تھا۔ فرمایا سبحان اللہ ایک بیگانہ جو اکیاسی سال تک غیر خدا کو پوجتا رہا اس کو اپنے دربار کا یگانہ اور دوست بنالیا۔ کسی نے پوچھا کہ اگر وہ اسی مجلس میں مرجائے تو اسے کس طرف محمول کریں گے۔ فرمایا پاک اور بے لوث جائے گا۔ اور یہ آیت تلاوت فرمائی "اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور اپنے ایمان میں ظلم کی ملاوٹ نہ کی۔ تو ان کے لئے امن ہے اور وہ ہدایت یافتہ ہیں۔" بلاشبہ بہت اچھا خاتمہ ہو گا۔

نقل ہے کہ ایک مرتبہ ایک آہن پوش قلندر آپ کی مجلس میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس سے فرمایا درویش لوہا کیوں نہیں اتار دیتے؟ اس نے کہا کوئی ایسا ہے جو اسے اتار دے۔ آپ نے مراقبہ کیا۔ لوہے کی ہر کڑی اس کے جسم سے ٹوٹ کر گر گئی۔ اور وہ شرمندہ ہوا۔

۱۔ قلمی میں تین سو لکھا ہے۔

سنا ہے کہ ایک عورت حکم شرع لے کر آپ کے پاس آئی اور کہا چلو میرے دعوے کا چل کر جواب دو۔ اسی وقت آپ اس کے ساتھ حاکم شرع کے پاس گئے۔ اس نے دعویٰ کیا تھا کہ جو اینٹیں خانقاہ میں صرف ہوئی ہیں وہ میری ہیں۔ قاضی نے پوچھا کہ عورت کے دعوے کا آپ کے پاس کیا جواب ہے۔ فرمایا اسے حکم دیں کہ اپنی اینٹیں لے جائے قاضی نے جب یہ حالت دیکھی تو کھڑا ہوگیا اور آپ سے معافی چاہی۔

سننے میں آیا ہے کہ بچپن کے زمانے میں آپ کی والدہ ماجدہ آپ کو حجرے میں رکھ کر دروازہ کو سختی سے بند کر دیتی تھیں۔ اور خود دور دروازے کے پاس بیٹھ جاتی تھیں تاکہ آپ باہر نہ جاسکیں۔ مگر جب دروازہ کھولتیں تو کبھی ایسا ہوتا کہ آپ کو نہ پاتیں اور کبھی پاتیں بھی تو مردہ۔ یعنی آپ کی روح پاک معراج میں ہوتی۔ یہ حال دیکھ کر جب آپ کی والدہ رونے لگتیں تو آپ فوراً اٹھ کر تسلی دیتے۔

ایک شخص جو بارہ سال تک مخدوم جہاں کے ساتھ پاروں اور جنگلوں کی زندگی میں ساتھ ساتھ تھا وہ بیان کرتا ہے کہ میں نے اس زمانے میں آپ کو کھانے پینے کا محتاج نہیں پایا۔ اور یہ بھی سنا گیا ہے کہ کسی شخص نے سونے کے پانچ سکے آپ کی خدمت میں بطور ہدیہ بھیجے۔ آپ نے ان میں سے چار سکے بزرگان خدا میں تقسیم کر دیا اور ایک کو صحن میں پھینک دیا اور فرمایا یہ قاضی زاہد کا حصہ ہے جو اس وقت وہاں موجود نہ تھے۔ جب قاضی زاہد آئے تو فرمایا زاہد اپنا حصہ لے لو۔ قاضی صاحب نے اپنا حصہ صحن میں پڑا پایا اور اسے اٹھالیا۔

برہان الاتقیا سے منقول ہے کہ سنا گیا ہے کہ جب آپ کے مکتوبات شیخ نصیرالدین اودھی کو پہنچے تو انھوں نے مطالعہ شروع کیا۔ ایک دن حالت استغراق میں فرمایا سبحان اللہ! شیخ شرف الدین منیری نے ہمارے سو سالہ کفر کو ہتھیلی پر رکھ کر دکھا دیا۔

سنا ہے کہ لوگوں نے سید جلال بخاری سے پوچھا کہ عمر کے اس آخری حصہ میں آپ کی کیا مشغولیت ہے؟ فرمایا شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کے مکتوبات کے مطالعہ

میں مشغول ہوں۔ پھر پوچھا کہ آخر ان کے مکتوبات میں خاص بات کیا ہے؟ فرمایا ایسے ہیں کہ بعض مقامات ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آئے۔

سنا ہے کہ ایک دن ڈولے میں سوار کہیں جا رہے تھے کسی نے پوچھا کہ اپنے جیسے انسان کے کاندھوں پر سوار ہوتا کہاں سے آیا ہے؟ فرمایا مردے کون لے جاتا ہے۔ اس نے پھر سوال کیا اور کہا کہ مردے کو تو مسلمان لے جاتے ہیں نہ کہ کافر' فرمایا نفس کافر کو کافر ہی لے جاتے ہیں۔

سننے میں آیا ہے کہ جب سید جلال الدین شہر دہلی میں آتے تو بہار کی طرف منھ کرکے سینہ ملتے اور فرماتے کہ بہار کی طرف سے عشق کی بو آتی ہے۔

سنا ہے کہ نفل روزوں کی حالت میں اگر کوئی شخص افطار سے پہلے کھانے کی کوئی چیز لے کر آتا اور کھانے کے لئے التماس کرتا تو آپ کھالیتے۔ اور فرماتے کہ نفل روزے کی تو قضا کرسکتے ہیں۔ لیکن دل توڑنے کی قضا نہیں ہے۔

سنا ہے کہ شیخ مظفر نے فرمایا کہ ایک دن میں نے مخدوم جہاں سے پوچھا کہ حضرت اس میں کیا حکمت ہے کہ پہلے کے فقراء کافروں کو مسلمان کرتے تھے تو اسی وقت خدا تک پہنچا دیتے تھے اور آج کے فقرا مریدوں کو مجاہدے کا حکم دیتے ہیں۔ فرمایا اس زمانے کے کافر جو ایمان لاتے تھے وہ پوری استعداد رکھتے تھے۔ لیکن آج کل کے مرید اتنی استعداد نہیں رکھتے۔ اس لئے ضرور تہ پیر لوگ ان کو مجاہدے کا حکم دیتے ہیں۔

سنا ہے کہ ایک شخص نے آگے بڑھ کر امامت کی۔ نماز کے بعد لوگوں نے آپ سے عرض کیا کہ یہ شخص تو شراب پیتا ہے۔ فرمایا ہر وقت نہیں پیتا ہوگا۔ عرض کیا حضرت وہ ہر وقت پیتا ہے۔ فرمایا رمضان میں نہیں پیتا ہوگا۔

سنا ہے کہ زین بدر عربی نے بیان کیا کہ میں جوانی میں ایک مرتبہ شراب پی کر اپنی والدہ کے پاس گیا۔ اور کچھ رقم ان سے مانگی انہوں نے کہا بیٹے! اگر تم نے کچھ کما کر دیا ہے تو مانگو' میں شرمندہ ہوکر چلا آیا۔ مخدوم جہاں کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا۔ خانقاہ پہنچا تو آپ کو قبلہ روجا نماز پر بیٹھا دیکھا' مجھ سے مخاطب ہوکر فرمایا

قریب آؤ۔ میں قریب ہوا تو آپ نے مصلے کا کونا اٹھا کر فرمایا "دو مٹھی سے زیادہ نہ لینا" میں نے دیکھا کہ مصلے کے نیچے دولت کا دریا ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ ہاتھ بڑھا کر دو مٹھی اس سے لے لیا اور باہر آ گیا۔ پھر والدہ کے پاس گیا۔ جب والدہ کی نظر مجھ پر پڑی تو چیخ کر بولیں' اے فرزند! ایسے بادشاہ سے کہیں خدا کے دشمن کو مانگتے ہیں؟ یہ سن کر میں باہر آ گیا اور ساری رقم لٹا ڈالی' پھر اپنا منھ کالا کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور توبہ کی۔ آپ نے فرمایا اچھا کیا جو باقی تھا اسے پورا کر لیا۔

سننے میں آیا ہے کہ ایک روز مخدوم پر ایک کیفیت طاری ہوئی اسی حالت میں وہ راجگیر کے پہاڑ کی طرف روانہ ہوئے۔ ایک شخص یہ دیکھ کر آپ کے پیچھے ہو لیا۔ جب جنگل کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ دو شیروں نے آپ کا استقبال کیا اور دونوں نے اپنے سر آپ کے قدموں پر رکھ دئے۔ آپ نے ان کی طرف توجہ نہ کی اور پہاڑ پر چڑھ گئے۔ وہ شخص جو آپ کے پیچھے آ رہا تھا جب اس جگہ پہنچا تو ان شیروں کے خوف سے آگے نہ بڑھ سکا۔ تھوڑی دیر بعد آگے بڑھا اور ان شیروں سے مخاطب ہو کر کہا شیخ شرف الدین کا واسطہ جو ابھی ادھر سے گزرے ہیں مجھے راستہ دے دو۔ دونوں شیر راستے سے ہٹ گئے۔ وہ شخص آپ کے پیچھے پیچھے پہاڑ کی چوٹی تک پہنچ گیا۔ مخدوم جہاں نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور پوچھا ان کتوں سے کس طرح نجات ملی۔ اس نے کہا میں نے مخدوم جہاں کی ان کو قسم دی تو انہوں نے مجھے راستہ دے دیا۔ مخدوم جہاں نے فرمایا میں کون ہوتا ہوں کہ میری قسم دینے سے وہ چلے جاتے۔ ہاں وہ ڈنڈا جو کہ تمہارے ہاتھ میں اس کے ڈر سے بھاگ گئے ہوں گے۔ پھر فرمایا اے درویش! مجھے ایک دوست کی زیارت مقصود ہے تم میرے آنے تک یہیں ٹھہرے رہو۔ اس کو ایک پتھر پر بٹھا دیا اور آیۃ الکرسی پڑھ کر اس پر دم کیا۔ پھر عالم طیر کی طرف پرواز کیا اور ہوا میں آنکھوں سے اوجھل ہو گئے۔ جب تین پہر رات گزری ہو گی کہ عالم پرواز سے نیچے اترے۔ جب صبح ہوئی تو فجر کی سنت ادا کی۔ پھر مردان غیب کی ایک جماعت آئی تو آپ نے آگے بڑھ کر امامت فرمائی۔ جب صبح کی نماز ادا کر چکے تو ان میں سے ہر ایک نے آپ کا ہاتھ چوما اور چلے گئے۔

سنا ہے کہ ایک سیاح مکہ معظمہ سے آیا۔ اس نے ایک تسبیح پیش کی اور کہا کہ میں نے جمعہ کی رات کو اس تسبیح کو مکہ معظمہ میں پایا تھا لوگوں سے دریافت کیا تو کسی نے بتایا کہ یہ تسبیح شیخ شرف الدین منیری کی ہے جو بہار میں تشریف رکھتے ہیں اور ہر شب جمعہ کو یہاں حاضر ہوتے ہیں۔ میں نے یہ تسبیح اٹھالی تاکہ آپ تک اسے پہنچا دوں۔

سنا ہے کہ رمضان شریف کا مہینہ تھا آپ کسی گاؤں میں نماز عشا اور تراویح پڑھنے کے لئے تشریف لے گئے۔ رات کو وہیں قیام کیا۔ اس دیہات کا رئیس آپ کو اپنے ساتھ لے کر اپنے گھر لے آیا تاکہ افطار کرائے۔ آپ اس کی دل جوئی کے لئے اس کے ساتھ ہو لئے۔ کھانا لایا گیا۔ دونوں نے ساتھ مل کر کھانا شروع کیا۔ رئیس کے ملازموں نے دیکھ کر کہا کہ ہمارے آقا کو شرم بھی نہیں آتی۔ بھلا ایسے ناجنس کے ساتھ کوئی کھانا کھاتا ہے!! مخدوم جہاں فرمایا کرتے تھے کہ اس رات میرا وقت بہت خوش گزرا۔

پرانے مکتوبات مخدوم سے نقل ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا "میں تجھ سے توبہ کرتا ہوں" ان کی توبہ اس بات پر تھی کہ جمال یار کی طلب میں اپنے اختیار کو کیوں دخل دیا۔ حالانکہ دوستی میں اختیار آفت ہے۔ اس لئے انہوں نے توبہ کرکے حسن سے احسن کو اختیار کیا۔ اور فرمایا اے بھائی! مانا کہ تم بہت زیادہ گنہگار اور آلودہ ہو پھر بھی توبہ کرتے رہو۔ اور امیدوار رہو۔ اس لئے کہ تم فرعون کے جادوگروں سے زیادہ آلودہ نہیں ہو' اصحاب کہف کے کتوں سے زیادہ ملوث نہیں ہو' اور طور سینا کی چٹانوں سے زیادہ منجمد نہیں ہو اور نخل حنانہ کی لکڑی سے زیادہ بے قیمت نہیں ہو۔ پھر فرمایا تمہیں چاہئے کہ گناہ میں پڑے رہنے کے ڈر سے' توبہ کرنے سے کبھی باز نہ آؤ۔ اور فرمایا اگر اللہ تعالیٰ کو بے عیب قبول کرنا منظور ہوتا تو عیب دار پیدا ہی نہیں کرتا۔ اور اگر تم یہ کہو کہ حضرت آدم نے نافرمانی کی اس لئے جنت سے نکالے گئے تو تم ہی بتاؤ کہ ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کیا تھا کہ اس دنیا میں لائے گئے۔ پھر قاب قوسین تک پہنچایا گیا تاکہ فرشتے ان کے درود سے ادب سیکھیں' پھر

زمین پر واپس لائے گئے تاکہ زمین والے ان کی عبادت سے شریعت سیکھیں' اور فرمایا ہر سینہ میں ایمان کا سورج اس کی توبہ کے موافق چمکتا ہے۔ پھر فرمایا جو شخص اپنی ماں سے پیدا ہوتا ہے اس دنیا کو دیکھتا ہے اور جو شخص خود پیدا ہوتا ہے یعنی اوصاف بشریت سے باہر آتا ہے اس جہان کو دیکھتا ہے۔ یعنی دنیا اور عقبیٰ دونوں کو حاضر دیکھتا ہے۔ اور فرمایا کہ جو مرید صادق ہوتا ہے وہ اپنے پیر کا جمال اپنے آئینہ دل میں مشاہدہ کرتا ہے' اور پیر کی ولایت کے حسن پر عاشق ہوتا ہے لہٰذا اس کا آرام وسکون جاتا رہتا ہے۔ دیوانہ وار وہ طلب میں داخل ہو جاتا ہے۔ تمام نیکیوں کا مقصد یہی عشق و بیقراری ہے۔ اور فرمایا پیر ہرگز کسی بدبخت مرید کو مرید طلب نہیں بنا سکتا۔ جیسا کہ پیغمبر علیہ السلام ازلی مجبوروں کو مومن مخلص نہیں بنا سکے۔ اور فرمایا میری اور تمہاری جگہ تو کلیسا اور میخانے میں بھی نہیں ہے۔ کوئی بت اور بتخانہ مجھ کو اور تم کو قبول نہیں کرے گا۔ ان حالات میں ہم مریدی کا جھوٹا دعویٰ اور مسلمانی کی بڑ نہ لگائیں تو پھر کیا کریں۔ اگر صدیقوں اور مخلصوں میں شمار نہ کریں تو ہو سکتا ہے کہ کاذبوں اور مدعیوں کے زمرہ میں شامل کر لیں۔ آپ ہی کا قول ہے کہ خدا کی قسم جھوٹا بن کر اپنے آقا کے دروازے پر پڑا رہنا' سچا بن کر دوسروں کے دروازے پر رہنے سے کہیں بہتر ہے۔ اور فرمایا جس کو مقام ولایت حاصل ہے اس کو کرامت سے آرام نہیں ملتا۔ بلکہ وہ اپنے آپ کو اہل کرامت نہیں سمجھتا۔ عارفوں کا بت کرامت ہے۔ اگر عارف کرامتوں میں آرام پاتا ہے تو وہ محجوب جاتا ہے اور پھر معزول کر دیا جاتا ہے۔ و اگر کرامت سے نفرت کریں تو پھر مقرب بارگاہ ہو جاتے ہیں۔ اور محبوب کا وصال انہیں نصیب ہوتا ہے۔ فرمایا کرامت سے نفرت کرنے میں ایک نہایت لطیف راز ہے اور وہ یہ ہے کہ ولایت کی صحت اس سے متعلق ہے یعنی کرامت سے بے زاری غیر دوست سے منہ پھیرنا ہے اور دوست کے علاوہ جو کچھ بھی ہے اسے چھوڑ دینا ہے۔ قبول و ترک ایک دوسرے کی ضد اور اقبال و اعراض ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ جب کرامت کو قبول کیا' کرامت دیکھی اور اس پر اعتماد کیا تو اس نے اپنے محرم سے منہ پھیر کر غیر دوست کو قبول کر لیا اور فرمایا جسے کرامت عطا ہوتی ہے وہ اس سے بھاگتا

ہے، ڈرتا ہے اور فریاد کرتا ہے اور اپنے کو ذلیل تر سمجھتا ہے۔ یہاں تک کہ بزرگوں نے یہ کہا ہے کہ راہ طریقت میں بہت سے لوگ کرامت ہی کی وجہ سے منقطع ہوئے ہیں۔ اور فرمایا اے بھائی! جہاں تک تم سے ہو سکے اپنی عمر خدمت اور کفش برداری میں صرف کرو۔ اور اہل اللہ کے سایہ دولت میں پناہ لو۔ حصول دین میں ایک مددگار تلاش کرو۔ اس لئے کہ دین کا ساتھی بہت عزیز ہوتا ہے۔اور یقین کرو کہ دین کی راہ بغیر ساتھی کے طے نہیں ہو سکتی۔ اگر تم یہ کہو کہ ہم کیا کریں کوئی دین کا ساتھی تو ملتا ہی نہیں تو اتنا تو کرو کہ کم سے کم اپنے نفس کی محبت کا لباس اپنے جسم سے اتار پھینکو اور بے دینی میں اس کی مدد نہ کرو۔ اس نے تمہاری عمر برباد کر دی، تمہارے دین کو لوٹ لیا، اس نے تمہیں قیامت سے بیگانہ اور دنیا سے آشنا کر دیا، دوستی کا مغز نکال لیا، تمہارے دین کی عمارت کو مسمار کر دیا اور تم ہو کہ ہر آن اس کی محبت میں مبتلا ہوتے جا رہے ہو اور اس کے عاشق بنے ہوئے ہو۔ اور فرمایا اللہ تعالیٰ کی محبت و عداوت علت پر قائم نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ کی محبت و عداوت ازلی ہے اور بندے کی مخالفت و موافقت وقتی۔ اس لئے محبت و عداوت کا تعلق سابق سے ہوا اور موافقت و مخالفت بعد میں لگے۔ لہٰذا بعد والی چیز پہلی چیز کی علت نہیں ہو سکتی۔ اسی سے سمجھ لو کہ کائنات کی تمام چیزیں ہیچ ہیں محض ہیچ، اور یہ پڑھو۔

رباعی

آسماں نے میرے دل کے کان میں جھک کر کہا
جانتا ہے مجھ سے تو، جو حکم کرتا ہے خدا
اپنی گردش پر اگر ہوتا مجھے کچھ اختیار
چھوٹتا گردش سے میں، اس میں نہ رہتا مبتلا

اور مخدوم جہاں نے فرمایا اگر کسی صاحب دل بزرگ کی زیارت یا پیر کی صحبت یا کسی عالم ربانی کی مجلس میسر ہو جائے تو وہ مصلی پر اوراد و وظائف میں مشغول رہنے سے کہیں بہتر بلکہ افضل ہے۔ اور فرمایا اگر دل فارغ ہو تو ذکر کیا کرو، فارغ نہ ہو تو

دل کو فارغ کرنے کی کوشش کرو اور اس کو عین ذکر جانو۔ اور فرمایا اپنے کام میں لگا رہنا چاہئے خواہ ہاتھ پاؤں گناہ میں آلودہ ہی کیوں نہ ہوں۔ جب بھی باز نہیں آنا چاہئے۔ کیونکہ فسق و فجور تو اعضا کی صفت ہے اور ایمان دل کا لباس اور صفت ہے۔ حکم دل پر لگایا جاتا ہے نہ کہ اعضاو جوارح پر' منظور الٰہی دل ہے اعضاوجوارح نہیں۔ حکم منظور کو دیا جاتا ہے سمور کو نہیں۔ اے بھائی! تم پر واضح ہوگیا کہ کیا کرتا ہے اور یہ کہ کون چھوڑتا ہے' کون ناز کرتا ہے' کون جلتا ہے اور کون بناتا ہے۔ اس راہ پر چلنے والوں کی یہی روش ہے۔ اور فرمایا ایسی زندگی طلب کرنا چاہئے جس زندگی کی محروم جان نہ ہو۔ اور اس زندگی کا تعلق جان سے نہ ہو۔ جو شخص جان کے تعلق سے جیتا ہے وہ اسباب کا غلام ہوتا ہے اور جو شخص اللہ کے تعلق سے جیتا ہے' اسباب اس کے غلام ہوتے ہیں۔ اور حق کے ساتھ زندہ رہنا عالم توحید کے علاوہ ممکن نہیں۔ اور وہ اپنے کو نہیں دیکھتا ہے کیونکہ "جس نے اپنے نفس کو دیکھا اس نے شرک کیا" خواہ وہ کتنا ہی قرب یافتہ کیوں نہ ہو' یہی فریاد کرتا ہے کہ اس نے کچھ نہیں پایا ہے۔ چونکہ مطلوب کی کوئی حد ہے نہ انتہا اس لئے جتنا بھی تلاش کیا جائے اتنا ہی تلاش کرنا ابھی باقی ہے اور جتنا بھی پاچکا ہے گویا ابھی نہیں پایا ہے۔ اور مخدوم جہاں نے فرمایا جو شخص بندگی میں اپنے کو واصل حق سمجھتا ہے یا گناہ کی وجہ سے فاصل سمجھتا ہے تو یہ وصل اور فصل کو غیر حق سے دیکھنا شرک ہے۔ اور فرمایا اے بھائی! امیدوار ہو اور لنگڑاتے لنگڑاتے آگے بڑھے جاؤ اس لئے کہ یہ دولت فضل سے ملتی ہے استحقاق سے نہیں۔ عظمت والے اللہ کی قسم اگر استحقاق سے ملتی تو ہمارے تمہارے نصیب میں ایک ذرہ بھی نہ آتا۔ لیکن علت کو درمیان سے اٹھا دیا ہے۔ جس طرح پاک لوگ امیدوار ہیں اس سے ہزار درجہ بڑھ کر ناپاک لوگ امید رکھتے ہی۔ اور فرمایا افلاس و بے استعدادی اور ادبار و آلودگی کی وجہ سے شکست نہ کھانی چاہئے۔ اپنی نظراللہ تعالیٰ کے فضل اور قدرت پر رکھنی چاہئے۔ اور فرمایا اے بھائی! اگر تمام پاکوں کی پاکی اور سب معصوموں کے اخلاص کو تمہاری فطرت کا لباس بنا دیں تو ہوشیار رہو' ہرگز ہرگز فریفتہ نہ ہونا۔ اور اگر ہزار قہر کی تلوار حسرت کے زہر آب میں

بجا کر تمہارے سر پر ماریں تو خبردار ہرگز شکست نہ کھانا۔ اور فرمایا اگر کسی وقت تم سے کہیں کہ تمہاری دعا مستجاب ہو گی تو بس یہی دعا مانگو کہ پروردگار مجھ کو میرے سامنے سے ہٹا دے۔ اور فرمایا اسلام کا حق یہ ہے کہ اگر تم نے اپنی عمر میں ایک بار بھی کلمہ پڑھا ہے تو دل میں ٹھان لو کہ اس کو بہشت کے عوض نہیں بیچو گے۔ وہ اس سے کہیں زیادہ قیمتی ہے۔ اگر بیچ دو گے تو اپنا نقصان کرو گے۔ غور کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ گھر کے عوض گھر کے مالک ہی کو بیچ ڈالو' اگر اس کلمہ کو بہشت کے لئے پڑھو گے تو اخلاص سے نہیں پڑھو گے اور فرمایا جو کچھ کرو خواہ ▪ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو اس میں اخلاص اور صدق ہونا چاہئے۔ اخلاص یہ ہے کہ مخلوق کو راستے سے ہٹا ▪ اور صدق یہ ہے کہ اپنے کو درمیان سے اٹھالو۔ جب تم اس مقام پر پہنچو گے اور اس وادی خوں خوار کو دیکھو گے تو نہ ریا تمہارے پاس بھٹکے گی۔ اور نہ عجب تم کو گھیرے گا۔ جب یہ دونوں حجاب اٹھ جائیں گے تو پھر اللہ کی بارگاہ میں کوئی حجاب باقی نہیں رہے گا۔ مکاشفہ میں مکاشفہ اور نور میں نور ظاہر ہو گا۔ اور جس سالک نے مقام' راستہ یا منزل میں اپنے آپ کو دیکھا اور ثابت کیا وہ عین مکر میں ہے۔ اور عین مکر عالم بعد ہے نہ کہ قرب۔ اور فرمایا اے بھائی! اس جگہ دل کو جان سے الگ کرلو تاکہ تمام زہر آلود تلواریں تم پر پڑیں۔ اور اپنے کو خاکدان کے کتوں کے پاؤں میں ڈال دو تاکہ سب لوگ تمہاری برائیاں کریں اور تم ان حالات میں مسرور زندگی بسر کرو۔ سر سجدہ میں ہو اور سر مشاہدے میں۔ پھر فرمایا تمہارے لئے ضروری ہے کہ اپنی توصیف و تحقیر سے دور رہو۔ اور خود کو رد کیا ہوا بلکہ دھتکارا ہوا سمجھو' اور فرمایا اے برادر اگر سامان قیمتی ہے جسے تم اپنی ناداری کی وجہ سے خرید نہیں سکتے تو آرزو اور تمنا کرنے کا تو تمہیں حق ہے۔ یہی کافی ہے۔ اگر گھر میں پانی چھڑکیں تو گھاس تو نہیں اُگے گی مگر نمی اور خنکی تو ہو جائے گی اور اگر فتح نصیب ہو تو تعجب کی کوئی بات نہیں۔ غریب باورچی تکلیف اٹھا کر' کپڑے کالے کر کے اور گرمی کی مصیبتیں جھیل کر کھانا پکاتا ہے اور دوسرے لوگ مزے لے کر کھاتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا ارنی (مجھے جلوہ دکھا) تو لن ترانی (تم میرا جلوہ نہ دیکھو گے) کی تلوار کا مزا چکھنا پڑا۔ اور پتھر کو یہ

لباس پہنا دیا۔ اگر نہیں پاتے ہو تو یہ بھی حکمت سے خالی نہیں دل خوش رکھو۔

معدن المعانی سے ایک ذکر منقول ہے کہ حدیث "جس نے اللہ کو پہچانا اس کی زبان گونگی ہو گئی"۔ کا ذکر تھا۔ آپ نے فرمایا اس زبان سے ظاہری زبان مراد ہے۔ یعنی جو مشاہدہ و مکاشفہ ان لوگوں کو ہوتا ہے اگر زبان سے اسے بیان کرنا چاہیں تو نہیں کرسکتے۔ اس حدیث سے یہ مراد نہیں ہے کہ جو خدا کو پہچانتا ہے اس کی زبان گونگی ہو جاتی ہے۔ اور وہ کوئی بات ہی نہیں کرسکتا۔ پھر فرمایا کہ دوسری حدیث یہ بھی ہے "جس نے اللہ کو پہچانا اس کی زبان دراز ہو جاتی ہے۔" اس سے باطنی زبان مراد ہے۔ اور اگر ظاہری زبان مراد لیں تو بھی جائز ہے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ ظاہر کو پہلے پر اور باطن کو دوسرے پر محمول کریں اور فرمایا جو شخص اپنے کام کا مدار علم پر رکھتا ہے وہ لوح محفوظ کا دروازہ اپنے اوپر بند کر لیتا ہے۔ کیونکہ یہ منافقوں کے کلمات ہیں۔ اور فرمایا ایسے لوگوں میں یہ جملہ مشہور ہے وہ کہتے ہیں اگر ایسا ہوتا تو ایسا نہ ہوتا' اس طرح نہیں کہنا چاہئے کہ اس کا ذکر کرتا ہے کیا تم نے دیکھا نہیں کہ بی بی زلیخا حضرت یوسف کو بہت زیادہ دوست رکھتی تھیں۔ ہر چیز کو ان کے نام سے منسوب کرتیں۔ اسی لئے کہا ہے کہ دوستی زلیخا کی طرح کرنی چاہئے تاکہ مقصود حاصل ہو۔ پھر ارشاد فرمایا کہ جو لوگ کامل حال ہوتے ہیں ان میں کوئی تغیر نہیں ہوتا۔ یعنی ان میں کوئی ایسی بات ظاہر نہیں ہوتی جس سے وہ جس حال میں ہیں کوئی نقصان پیدا ہو۔ اگرچہ نفس میں تغیر ہوتا ہے بشریت کی وجہ سے' اس لئے کہ یہ صفت بشریت کے لئے لازم ہے۔ تمکین سے وہ زائل نہیں ہوتا اور صاحب تمکین کو اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ پھر فرمایا اس میں شبہ نہیں کہ ہر چیز کا ترک کر دینا بہتر ہے۔ بشرطیکہ اس پر استقامت ہو۔ لیکن ترک اس طریقہ پر بہتر ہے کہ جتنی مقدار ضروری ہے وہ موجود ہو۔ تاکہ احتیاج کی طرف التفات نہ رہے اور کام میں استقامت حال ہو اور آگے بڑھتا جائے اور فرمایا ذرہ برابر باطنی کام سو درجہ عبادت بدنی سے افضل ہے۔ اور فرمایا عارف لوگ جب کسی چیز پر نظر ڈالتے ہیں تو پہلے اس کی حقیقت دریافت کرتے ہیں اس لئے وہ لوگ ہر چیز کو معدوم پاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کو

کسی چیز سے سکون و قرار حال نہیں ہوتا۔

ہاتھ میں دل لے کر دیکھ اس کا جمال　　جاں کے آئینے میں دیکھ اس کا جمال
تجھ پہ کھل جائے کبھی اگر ایک باب　　اپنے گھر میں دیکھ لے تو آفتاب

مخدوم جہاں نے فرمایا مطالعہ حق سے پہلے حج پر جانے میں عجلت نہ کرو۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ پہلے کسی سے جان پہچان پیدا کرو پھر اس کے گھر جاؤ تو اچھا معلوم ہوگا۔ اور فرمایا کہ اللہ کی محبت کی علامت یہ ہے کہ اس کے دل میں سوائے خدا کی محبت کے دوسرے کی محبت قطعی طور پر نہ ہو۔ جب واقعہ اس کے دل میں کسی غیر کی محبت نہیں ہوگی تب کہا جائے گا کہ ہاں اس کے دل میں اللہ کی محبت ہے۔ اور ایسے ہی آدمی کو واصل حق کہتے ہیں اور فرمایا اگر کسی کے پاس طاعت و عبادت کی دولت نہ ہو نہ سہی، ہمت تو ہو۔

ہمت جو کہیں سے بھی نظر کرتی ہے　　کم جانو نہ اس کو وہ اثر کرتی ہے

اور فرمایا کہ ہمت سے مراد ہمت باعث ہے جو اونی اور خسیس امور کو عالی اور شریف امور کی طرف ترقی دیتا ہے۔ اور اس ترقی کے لئے اسباب مہیا کرنے کو طلب کہتے ہیں۔

مجموعہ کاکوی سے منقول ہے کہ مخدوم جہاں نے فرمایا عشق اسے کہتے ہیں جو نوازش و عطا سے محمود نہ ہو اور نہ جفا و گداخت سے مذموم ہو۔ اور فرمایا اللہ تعالیٰ تمام زبانوں میں گفتگو کرتا ہے۔ اور انسانوں کی زبان میں بھی گفتگو کرتا ہے مگر آدمی اس سے گفتگو نہیں کر سکتا۔ وہ پرندوں کی زبان میں بھی بولتا ہے مگر پرندے اس کا شعور نہیں رکھتے۔ وہ تمام حیوانات کی زبانیں بھی بولتا ہے مگر حیوانات کو اس کا علم نہیں۔ اور فرمایا کہ بندہ حقیقت میں اس وقت تک مومن نہیں ہوتا جب تک ہر اس شخص کو جسے وہ دیکھے اپنے سے بہتر نہ سمجھے۔

وصیت نامہ سے منقول ہے کہ جب آپ ضعیف و کمزور ہو گئے اور مرض حادث غالب ہونے لگا تو بیماری کے غلبہ کی حالت میں بدھ کے دن ۵ شوال کو نئے دالان میں لائے گئے، جسے ملک نظام الدین خواص الملک نے تعمیر کرایا تھا۔ آپ مسند پر تکیہ لگا کر

بیٹھ گئے۔ آپ کے برادر حقیقی حضرت شیخ جلیل الدین' قاضی زاہد اور دوسرے اصحاب حاضر تھے۔ اس وقت زبان مبارک سے فرمایا "کوئی طاقت و قوت اور کوئی خوف اور ڈر اللہ کے سوا نہیں ہے اور سب لوگوں سے فرمایا تم بھی کہو۔ چنانچہ حکم کے مطابق سب لوگوں نے موافقت کی اور لاحول پڑھنے لگے۔ اس کے بعد مسکراتے ہوئے تعجب سے فرمایا سبحان اللہ! وہ ملعون اس موقع پر بھی مسئلہ توحید میں مجھے الجھانا چاہتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کا فضل شامل ہے اس لئے اس کی کیا پروا۔ پھر لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھنے لگے اس کے بعد درود وظائف اور دعاؤں میں مشغول ہو گئے۔ پھر بلند آواز سے کہنا شروع کیا الحمدللہ الحمدللہ (سب تعریف اللہ کے لئے ہے۔ سب تعریف اللہ کے لئے ہے) اللہ تعالیٰ نے کرم کیا۔ اللہ کا احسان ہے' اللہ کا احسان ہے۔ اور خوشی و فرحت کے ساتھ سیکڑوں بار اسی کو دہراتے رہے پھر قاضی زاہد کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سینہ مبارک پر رکھا اور فرمایا ہم وہی ہیں' ہم وہی ہیں۔ پھر فرمایا ہم وہی ہیں۔ ہم وہی دیوانے ہیں' ہم وہی دیوانے ہیں' پھر مقام تواضع میں نزول فرماکر زبان مبارک سے ارشاد فرمایا بلکہ دیوانوں کی جوتیوں کی خاک ہیں۔ پھر سب کو بڑھ گیا جو بڑھ گیا" کی بشارت بلیغ الفاظ میں دی پھر "اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے ناامید نہ ہو' یقیناً اللہ تعالیٰ سارے گناہ معاف کر دے گا" پڑھ کر سب کو امیدوار مغفرت بنایا۔ اور خود آیات رحمت اور بسم اللہ کے ساتھ کلمہ طیبہ پڑھتے رہے اور جب آخری وقت قریب آیا تو آیت "ان کو کوئی ڈر نہیں اور نہ کوئی رنج ہوگا" اور پھر کلمہ طیبہ "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے' محمد اللہ کے رسول ہیں" زبان پر جاری ہوا۔ آخر کار آپ نے فانی جان' جاں آفریں کے سپرد کر دی"۔ ہم سب اللہ کے لئے ہیں اور ہم سب کو اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ جمعرات کے دن ۶ شوال المکرم ۷۸۲ھ بوقت چاشت دفن کئے گئے۔ اللہ ان پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔

ذکر حضرت مخدوم مولانا شیخ مظفر بلخی رحمتہ اللہ عنہ

وہ جہاں تجرید کے سلطان' ایوان تفرید کے شہنشاہ' عمل و نتائج کے آسمان کے خورشید' ■ جن کی ہمت مقام دعا سے آگے نکل گئی۔ تجلی ذات میں فنا دیدہ' اسرار صفات میں بقا یافتہ' ملک اور ملکوت کے پاکباز' فضائے جبروت اور لاہوت کے شاہباز' کبریائے ربانی کے صوفی متکبر' دربار عالی سبحانی کے نازنیں' شیخ جہاں کی جان' معروف کرخی کی روح' حق اور دین کی دلیل یعنی شیخ مظفر شمس بلخی جو شیوخ طریقت میں جلیل اور اصحاب حقیقت میں عزیز تھے۔ معرفت اور اس کے دقائق کے مرتبوں اور اسرار توحید اور اس کے حقائق میں کمال رکھتے تھے۔ سالکوں میں ریاضت و مجاہدہ میں پکے تھے۔ سیرالی اللہ میں جب تک اپنے مقصود کو نہ پہنچے ان کو سکون نہ ملا۔ اور سیرفی اللہ میں جب تک عشق کی لامحدود فضا میں نہ پہنچ گئے ان کو آرام نہ ملا۔ اللہ تعالیٰ کے عشق کے سوا کسی چیز کی طرف مائل نہ ہوئے۔ جب تک زندہ رہے اللہ ہی کے درود محبت میں مصروف رہے۔ دنیا کیا ہے! آخرت بھی ان کی ہمت کے سامنے بے قدر و قیمت تھی۔ ہر طرح سے ■ عالی کلام تھے۔ شیر مرد ہی ان کی فرماں برداری کرتے اور جو بزدل ہوتے وہ بھاگ جاتے۔ ہر طریقہ میں سوز رکھتے تھے۔ سالکان چالاک اور جاں باز کے مرشد تھے۔ جس نے اپنا دل و جان قربان کیا' وہ ان کی خدمت و صحبت کے لائق ہوا۔ اور جو ایسا نہ ہوا وہ ان کی صحبت میں قدم بھی نہ رکھ سکا۔ ابتدا ہی میں ان کا شغل تعلیم شریعت میں کمال درجہ کا تھا۔ جس درویش کے پاس جاتے علم کے مشکل مسائل ان سے پوچھتے جب تک جواب سے تشفی نہ ہوتی اس پر اعتقاد نہ کرتے۔ آپ کے والد شیخ شمس الدین حضرت شیخ احمد چرم پوش کے خلیفہ تھے۔ ان کے متعلق فرمایا کرتے کہ شیخ احمد بہت بڑے بزرگ ہیں' بڑی کرامتیں رکھتے ہیں (مولانا مظفر نے کہا) لیکن میرا اعتقاد کسی پر نہیں جمتا جب تک وہ علم میں راسخ نہ ہو۔ اس زمانے میں حضرت مخدوم جہاں کے علمی تبحر اور چاروں طریقے یعنی شریعت و طریقت اور حقیقت

و معرفت کا ساری دنیا میں شہرہ تھا۔ اس لئے ان کا میلان مخدوم جہاں کی طرف تھا۔ لیکن والد بزرگوار کی رضامندی حاصل کئے بغیر توجہ نہیں کرسکتے تھے اس لئے تاخیر کر رہے تھے۔ جب والد بزرگوار کو ان کی خواہش کا علم ہوا تو فرمایا اس کام میں اصل رائے تمہاری ہے۔ جہاں بھی تمہارا عقیدہ جمے وہیں توجہ کرو۔ اس کے بعد وہ حضرت مخدوم جہاں کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جو علمی مشکلات انہیں درپیش تھیں پیش کیا۔ مخدوم جہاں نے ان سب کے شافی جوابات دیے مگر وفور علم سے مغلوب ہو کر "ہم تسلیم نہیں کرتے" بہت کہا۔ لیکن مخدوم جہاں نے اپنے اعلیٰ اخلاق کی وجہ سے گرم گفتگو نہیں کی۔ بلکہ مزید وضاحت سے ان کے تمام علمی شکوک رفع کر دیے۔ آخری مجلس میں مولانا مظفر اپنی بحث کی جرات پر بہت شرمندہ ہوئے۔ اور مخدوم جہاں کے اخلاق پر فریفتہ ہوگئے۔ اس کے بعد دل کا ربط حضرت مخدوم جہاں کے ساتھ ظاہر ہوا۔ بلکہ محبت پیر' جو خدائے ذوالجلال کے فضل پر موقوف ہے مولانا کے اسرار سے ظاہر ہوئی تو انہوں نے بیعت کی تمنا ظاہر کی۔ مخدوم جہاں نے ان کو مریدی کے شرف سے مشرف کیا۔ اس کے بعد مولانا نے طریقت کی راہ میں مشغولی کی درخواست کی' مخدوم جہاں نے فرمایا راہ طریقت کی مشغولی علم کے بغیر نہیں ہوتی۔ تم نے اب تک جو کچھ علم حاصل کیا ہے وہ عزت و جاہ کے حصول کی نیت سے تھا جو اتنا مفید نہیں ہوتا۔ اب خلوص نیت سے صرف اللہ کے لئے از سر نو پھر سے پڑھو اور تحقیق کرو تاکہ پورا پورا فائدہ حاصل ہو اور سلوک میں ترقی کا سبب بنے۔ آپ نے اپنی عالی ہمتی سے ایسا ہی کیا۔ اسی وقت رخصت ہو کر پاپیادہ روانہ ہوگئے۔ چند کوس گئے ہوں گے کہ پاؤں میں چھالے پڑ گئے۔ چلنے کی طاقت نہ رہی۔ ایک درخت کے نیچے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ ایک شاہ زادہ جو مخدوم جہاں کا مرید تھا اپنی ضرورت سے دہلی جا رہا تھا۔ اتفاق سے اسی درخت کے نیچے ٹھہرا' آپ کو دیکھ کر اس نے پہچان لیا۔ پوچھا کہاں جا رہے ہیں؟ بندگی شیخ مظفر نے اپنی حالت بیان کی۔ شہزادہ سن کر خوش ہوا اور اسی وقت اس نے آپ کی سواری کے لئے ایک گھوڑا پیش کیا۔ اور عزت و احترام کے ساتھ دہلی پہنچا دیا۔ شہزادہ اپنے کاموں میں لگ گیا اور مولانا مظفر طلب علم

میں مشغول ہوئے۔ نئے سرے سے ابتدا کی۔

اور تقریباً دو سال تک علم الٰہی کی تحقیق میں لگے رہے۔ اسی زمانے میں فیروز شاہ نے ایک عمارت مدرسے کے لئے تعمیر کرائی تھی۔ اس کی تعلیمی ذمہ داریاں مولانا شیخ مظفر کے سپرد کیں۔ اگرچہ مولانا دل سے اس کام کے لئے تیار نہ تھے لیکن اولوالامر کے حکم کی وجہ سے قبول کرلیا۔ کچھ روز اس مدرسہ میں درس و تدریس میں مشغول رہے۔ ایک روز اتفاق سے کچھ قوال آئے اور انہوں نے کچھ گانا شروع کیا۔ شیخ مظفر پر ایک کیفیت طاری ہوئی اور اوپر کی منزل سے اپنے کو نیچے گرا دیا۔ لیکن اللہ تعالٰی نے انہیں محفوظ رکھا اور کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔ اسی وقت گھربار لٹا کر بہار کی طرف روانہ ہوگئے۔ اور مخدوم جہاں کے پاس پہنچ گئے۔

بزرگان دین کا یہ طریقہ رہا ہے کہ اپنے عالی ہمت مریدوں کو ان کی ہمت کے مطابق کام سپرد کرتے ہیں۔ واللہ اعلم' مخدوم جہاں نے بھی مولانا کے ساتھ یہی کیا۔ اس میں حکمت یہ تھی کہ مولانا میں وفور علم کی وجہ سے جو وجاہت پیدا ہوگئی تھی ختم ہو جائے۔ اور اپنے کو جاہلوں میں شمار کرنے لگیں۔ اس کے بعد نیت کا اخلاص طلب کیا جائے۔ طریق الی اللہ میں جاہ و مرتبہ کی آفت سب سے بڑا زنار ہے۔ نیت کا اخلاص جب حاصل ہو جاتا ہے تو اللہ تعالٰی اس کی حفاظت کرتا ہے۔ لہذا سب سے پہلے اسی کا اہتمام کیا گیا۔

سنا ہے کہ مخدوم جہاں نے فقراء کی خدمت مولانا کے سپرد کی۔ وہ اس میں بہت خوش تھے۔ خانقاہ کے فقرا جس کام کے لئے آپ سے کہتے' فوراً اس کی تکمیل کرتے اور عزت و ذلت کی بالکل پروا نہ کرتے۔ لوگوں کے کپڑے اگر پھٹ جاتے تو سی دیتے یا گرہ لگا دیتے۔ ایک روز مخدوم جہاں نے دیکھا کہ خود مولانا کے کپڑے بالکل تار تار ہوگئے تھے اور بظاہر حالت بہت بری تھی تاہم وہ اسی میں بہت خوش نظر آ رہے تھے۔ گویا زبان حال سے یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

بیت

میں اپنی ذلت و تنہائی میں بہت خوش ہوں
کہ میرے حال پہ دنیا کو التفات نہیں

مخدوم جہاں نے جب یہ حالت دیکھی تو حکم دیا کہ مولانا مظفر کے لئے عمدہ اور قیمتی لباس تیار کیا جائے اچھا ہوادار مکان ان کی مشغولیت کے لئے تعمیر کیا جائے اور سونے کے لئے عمدہ اور نرم بستر مہیا کیا جائے اور قسم قسم کے عمدہ اور لذیذ کھانے پہنچائے جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی محبت و طلب میں اس قدر محو تھے کہ ان کے لئے یہ تمام چیزیں ان کی نظر میں کانٹے کی طرح تھیں۔ فقر کا راز ان پر روشن ہو چکا تھا لہٰذا ان کی طرف کوئی توجہ نہ کی اور ان کی زبان حال اس شعر کے مصداق تھی۔

بیت

جل گئی جب فقر میں آدم کی جاں
ایک گیہوں پر دیا آٹھوں جہاں

نقل ہے کہ جب مولانا ہالائے دہلیز مشغول تھے تو ایک روز وہ دہلیز پر ہاتھ اٹھائے کھڑے تھے۔ مخدوم جہاں کی نظر مبارک ان پر پڑی تو دیکھا کہ بدن پر گوشت کا نام و نشان تک نہیں ہے اور چمڑا ہڈی سے چپک کر رہ گیا ہے' پسلیاں نکل آئی ہیں۔ حضرت شیخ جہاں نے قاضی زاہد کی طرف دیکھا اور فرمایا زاہد! دیکھتے ہو کیا ٹھیک ہوا ہے یہ وہی ہے جو لا نسلم (میں نہیں مانتا) کہتا ہوا آیا تھا۔ اس کے بعد مولانا کو طرح طرح کے انعام و اکرام سے نوازا۔

سنا ہے کہ مولانا مظفر ایک مرتبہ اپنے مشغلے سے اٹھ کر باہر آئے پھر مخدوم جہاں کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں شغل میں بیٹھا تھا لیکن میرے دل میں فلاں کی یاد بار بار آ رہی تھی یعنی منکوحہ (اہلیہ) کا بے اختیار خیال آ رہا تھا۔ ایسی صورت میں مشغلہ میں بیٹھنے کا کیا حاصل۔ مخدوم جہاں نے بظاہر کچھ نہیں فرمایا۔ مولانا کچھ دیر

خاموش بیٹھے رہے اس کے بعد کہا میں نے فلانی کو طلاق دے دیا۔ مخدوم جہاں نے جب ان سے یہ بات سنی تو فرمایا کہ اب تم کو خلوت کی ضرورت نہیں ہے۔ تم نے اپنا کام پورا کرلیا۔ جہاں چاہو رہو اور جس طرح چاہو رہو اب تمہارے لئے سب برابر ہے۔ مولانا اپنی اعلیٰ ہمتی' ماسوا اللہ سے علیحدگی اور مشاہدہ حق میں فنائیت کی وجہ سے پیر کے محبوب نظر ہوگئے۔ اور یہ جو لوگوں نے کہا ہے کہ پیر مریدوں کی طلب میں رہتے ہیں' تاکہ اپنے آپ کو مریدوں کے آئینہ میں دیکھیں۔ وہ مرید وہی تھے جو حالت جذب سے پیر کی معیت میں مشکل راستوں سے ترقی کرکے غلبہ احوال تمکین کے مقام پر پہنچے تھے۔ اس کے باوجود کہ وہ تمکین کے مقام پر تھے ان کے غلبہ حال کی شہرت حد سے زیادہ تھی جو منصور اور عین القضات کی صورت میں نظر آئے۔ وہ دنیاوی سامان اپنے پاس رکھنا جائز نہیں سمجھتے تھے۔ جب گھر میں کوئی دنیاوی سامان دیکھتے لوگوں سے کہتے کہ لوٹ لو۔

نقل ہے کہ صحیح مسلم کا ایک نسخہ مولانا مظفر کے پاس تھا۔ جو بہت صحیح اور ریشمی کاغذ پر نجط عربی لکھا ہوا تھا' شیخ الاسلام شیخ معزشمس بلخی رحمتہ اللہ علیہ نے صحیح مسلم اسی نسخہ سے پڑھی تھی۔ انہوں نے وہ نسخہ شیخ حسین کو دے دیا تھا۔ البتہ کبھی کبھی مولانا مظفر مطالعہ کے لئے ان سے مانگ لیتے تھے۔ ایک روز وہ نسخہ آپ کے سامنے تھا۔ ایک سائل آیا اور کچھ سوال کیا۔ مولانا کے پاس اس کو دینے کے لئے اس وقت کچھ نہ تھا۔ چنانچہ وہی نسخہ سائل کو اٹھا کر دے دیا۔ جب شیخ حسین کو یہ بات معلوم ہوی تو جاکر عرض کیا کہ حضور! یہ نسخہ تو آپ نے مجھے عطا کر دیا تھا۔ فرمایا میں نے دے دیا ہے تم بھی دے دو۔ اس کے بعد شیخ حسین نے تین سو سکہ دے کر سائل سے اس نسخہ کو خریدلیا۔

نقل ہے کہ ایک عزیز چاندی کے کچھ سکے لے کر ملاقات کے لئے حاضر ہوئے۔ ملاقات سے مشرف ہونے کے بعد وہ سکے مولانا کی خدمت میں پیش کئے۔ مولانا نے وہ سکے لے کر اسی وقت حاضرین مجلس میں تقسیم کر دئے۔ دو سکے باقی بچے تھے خادم نے ان کو ایک طاق پر رکھ دیا۔ وہ بزرگوار (مولانا مظفر) عادت کے مطابق جب نماز میں

مشغول ہوئے تو جب بھی تحریمہ کے لئے ہاتھ باندھتے تو وہ چوپائے سامنے آ جاتے۔ لاحول بھیجتے اور پھر سے نماز میں مشغول ہوتے پھر ویسا ہی ہوتا یعنی وہ چوپائے نظر کے سامنے آ جاتے اور آپ لاحول پڑھ کر ان کو دفع کرتے۔ جب بار بار یہی معاملہ ہوتا رہا تو آپ نے خادم کو بلا کر کہا عزیز من! تلاش تو کرو شاید دنیاوی آلائشیں میں سے کوئی چیز گھر میں رہ گئی ہے۔ جس کی وجہ سے ہر بار نماز میں مجھے زحمت ہو رہی ہے وہ صورت اختیار کر کے سامنے آ جاتی ہے۔ خادم نے جا کر بہت تلاش کیا مگر کچھ نہ پایا تو آکر عرض حال کیا مولانا نے پھر نماز شروع کی۔ پھر وہی دونوں چوپائے صورت بنا کر سامنے آ گئے۔ مولانا نے اس دفعہ خادم کو ڈانٹ کر کہا کہ جاؤ تلاش کرو۔ اس نے جب کافی تلاش و جستجو کی تو طاق پر دو سکے چاندی کے ملے۔ لا کر پیش کیا۔ مولانا نے حکم دیا کہ اسے پھینک دو۔ جب باہر پھینک دیا تو وہ چوپائے دفع ہو گئے۔ آپ نے فرمایا الحمدللہ الحمدللہ المنۃ للہ۔

نقل ہے کہ جب حضرت شیخ جہاں را بگیر میں مشغول تھے تو شیخ مظفر کی مشغولی کے لئے ایک حجرہ متعین کر دیا تھا۔ اسی حجرے میں وہ مشغول رہے۔ ان کے چلے کو ابھی تیس ۳۰ دن ہی گزرے تھے کہ امیر شیخو قوال آئے اور حجرے کے دروازے پر یہ شعر گانے لگے۔

دیں اپنا نہیں عہد وفا توڑ کے مرنا
محبت مری للہ فراموش نہ کرنا
زمانہ گزرا کہ گزرے تھے تم ادھر سے کبھی
تمہاری خوشبو سے ہر منزلیں مہکتی ہیں

مولانا کو برداشت کی طاقت نہ رہی۔ اسی وقت چلہ توڑ کر وجد کرتے ہوئے حجرے سے باہر نکل آئے۔ ان کی مشغولی اور کمالات کے کیا کہنے۔ وہ کرامات میں بھی بڑی شان رکھتے تھے۔ لیکن ظاہر نہ ہونے دیتے۔ مگر غلبہ وقت یا کسی مرید کی اصلاح کی مصلحت سے ظاہر کرتے۔

نقل ہے کہ ایک روز اپنے پیر کے قریب مجلس میں حاضر تھے شیخ منہاج الدین

حاجی بھی وہاں موجود تھے۔ حج اور فرضیت حج پر گفتگو ہو رہی تھی۔ شیخ منہاج الدین نے ان کے پیر پر بطریق اعتراض کہا کہ حج تو تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ اور اپنے حاجی ہونے پر مفاخرت کا اظہار کیا۔ شیخ منہاج کی ایسی باتیں سن کر مولانا کے باطن میں کچھ ایسی حرارت پیدا ہوئی کہ برداشت نہ کر سکے۔ اپنی آستین شیخ منہاج الدین کو دکھلایا اور فرمایا کتنا حج کی فرضیت کا ذکر کرتے رہو گے۔ ذرا شیخ شرف الدین کے غلاموں کی آستین تو دیکھو۔ شیخ منہاج الدین نے جب اس طرف دیکھا تو کعبہ مبارک مولانا کی آستین میں نظر آیا۔ شیخ منہاج دیکھ کر سخت متحیر ہوئے۔ لیکن ان کے پیر یعنی مخدوم جہاں کو یہ بات پسند نہ آئی۔ مخدوم جہاں نے مولانا سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ جتنی دیر تم کرامت میں مشغول رہے اتنی دیر اپنے کرامت بخشنے والے سے دور رہے۔

سنا گیا ہے کہ حضرت شیخ شمس الدین دہلی میں ایک عہدے پر فائز تھے۔ ایک روز کسی اہل دیوان نے کسی سے آنکھ مار کر کسی چیز کی طرف اشارہ کیا۔ شیخ شمس الدین کی نظر اس پر پڑ گئی۔ ان کے دل میں خیال آیا کہ یہ تو نفاق کی علامت ہے۔ ایسی مجلس میں نہیں بیٹھنا چاہیے۔ چنانچہ ملازمت ترک کر کے دہلی سے روانہ ہو گئے۔ جب بہار کے قریب پہنچے تو شیخ احمد چرم پوش کو ان کی آمد کی اطلاع ملی۔ فرمایا ایک دوست آ رہا ہے۔ اپنے دوستوں کے ساتھ ان کا استقبال کیا۔ ملاقات کے بعد شیخ شمس الدین ان کے مرید ہو گئے۔ اور شیخ احمد چرم پوش کی خانقاہ میں مشغول ہوئے۔ اور اپنی اہلیہ کو لکھ بھیجا کہ میں نے دنیا ترک کر دی ہے اگر تم میری موافقت کرو تو مال و اسباب فرزندوں کے حوالہ کر کے میرے پاس چلی آؤ۔ ان کی اہلیہ نے شیخ مظفر اور شیخ معزالدین' دونوں بیٹوں کو بلا کر کہا کہ تم لوگ مال و اسباب جمع کر لو۔ میں تمہارے باپ کی موافقت کروں گی۔ دونوں فرزندوں نے فرمایا باپ کی موافقت تو ہمارے لئے اولیٰ ہے اس لئے ہم بھی والد بزرگوار کی موافقت کریں گے۔ اس کے بعد گھر بار لٹا کر روانہ ہوئے اور بہار چلے آئے۔

سنا ہے کہ مولانا کے بھائی بندگی شیخ معزالدین کا وصال مکہ مکرمہ میں ہوا۔ قصہ

یوں ہے کہ جب شیخ معزالدین پر موت کا غلبہ ہوا تو شیخ مظفر عین وقت پر حاضر ہوئے۔ اور زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ معزالدین ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ پہلے مجھے لے جاتے اس لئے کہ میں تم سے بڑا ہوں پھر اپنے پیراہن کا گریبان پکڑ کر فرمایا اور تمہارے درمیان یہی پیراہن ہے اور پیراہن کا گریباں پکڑ کر اشارہ کیا۔ ۹ شوال کو حضرت شیخ معزالدین نے دار فنا سے دار بقا کی طرف رحلت فرمائی۔ ام المومنین حضرت خدیجہ اور خواجہ فضیل بن عیاض کے مزار کے قریب آپ کو دفن کیا گیا۔ اس کے بعد مولانا مظفر مکہ مبارک سے روانہ ہوئے۔ راستہ میں پیراہن مبارک پھٹ گیا۔ درزی کو دے کر فرمایا کہ اس میں پیوند لگا دے۔ حضرت شیخ حسین معز نے عرض کیا کہ نیا لباس موجود ہے۔ اجازت ہو تو لے آؤں۔ فرمایا وہ سب کپڑے اب تم پہنو۔ میں تو یہی لباس پہنوں گا۔ ہر چند خوشامد کی مگر نہیں پہنا پھر شیخ حسین نے عرض کیا کہ اچھا اگر لباس نہیں پہنتے تو کم سے کم دستار تو سر پر باندھ لیا جائے۔ فرمایا میں نہیں باندھوں گا۔ تم باندھ لو۔ پھر حسین نے عرض کیا کہ حضور! ایسے الفاظ تو زبان مبارک سے نہ کہئے۔ ہم بیچارے تو امیدوار ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں آپ کی موجودگی میں اس دنیا سے اٹھالے تاکہ آپ نماز جنازہ پڑھائیں جو ہماری نجات کا سبب بنے۔ اور ہم لوگ نجات پائیں۔ بندگی مخدوم مظفر نے قبلہ کی طرف منھ کرکے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھاکر فرمایا اللہ تعالیٰ تمہاری دعا قبول نہ کرے۔

سنا ہے عدن میں ایک مدت گزارنے کے بعد آخر کار بیمار ہوئے۔ قریب قریب اکیس دن بیمار رہے۔ اس اثنا میں نہ کچھ کھایا اور نہ کسی سے کلام کیا۔ جب کوئی کچھ پوچھتا تو فرماتے کہ اس وقت مجھے پریشان نہ کرو۔ مجھے اپنے کام میں لگا رہنے دو۔ اور ہر بار شیخ حسین سے فرماتے کہ میں اپنے شیخ کو دیکھتا ہوں مگر مجھ سے کچھ فرماتے نہیں کیا ہوگا؟ ایک صبح کو حضرت شیخ حسین سے فرمایا مجھے اٹھاکر تکیہ سے لگا دو۔ میں نے آج کی رات مناسب حال یعنی اپنے مطلب کے مطابق حضرت شیخ کو دیکھا ہے۔ اور ملاقات کی ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ آج کی رات میں نے ایک خواب دیکھا ہے لیکن میں نہیں کہوں گا۔ حضرت شیخ حسین نے عرض کیا کیوں نہیں کہیں گے؟ نہیں کہتا تھا

تو پھر مجھ سے یہ کیوں فرمایا کہ میں نے خواب دیکھا ہے؟ شفقت سے یہ فرمایا کہ اس خواب کا ایک رمز بتائے دیتا ہوں۔ اور وہ رمز یہ ہے کہ جس نے اللہ کا دیدار چاہا اللہ تعالیٰ بھی اس کا دیدار چاہتا ہے۔ پھر اپنے عالم میں مشغول ہوگئے۔ جب ان کا سفر آخرت قریب آیا اور مرض کا غلبہ ہوا تو حضرت شیخ الاسلام شیخ حسین یعنی اپنے بھتیجے کو اپنی اور اپنے پیروں کی عطا کردہ نعمتوں اور رحمتوں کی نشانیاں (برکات) عطا فرمائیں۔ اور رخصت کرکے فرمایا کہ بہار چلے جاؤ۔ شیخ حسین نے عرض کیا کہ بہار پیروں کی جگہ ہے میری کیا مجال کہ وہاں جاکر سر اٹھاسکوں۔ فرمایا واللہ جب تم سر اٹھاؤ گے تو تمہارے مقابلے میں کوئی سر نہ اٹھاسکے گا۔ اور چند نصیحتیں کرکے اللہ کی جانب مشغول ہوگئے اور اسی مشغولیت کی حالت میں دار فنا سے دار بقا کی جانب رحلت فرمائی۔ اور عدن ہی میں مدفون ہوئے۔ ہم سب اللہ کے لئے ہیں۔ اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ تمام ہو نسخہ مناقب الاصفیا تصنیف زبدۃ الاولیا قدوۃ الاصفیا حضرت مخدوم شعیب قدس اللہ سرہ بن شیخ جلال منیری ابن عم حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰی منیری قدس اللہ سرہ العزیز۔

ترجمہ کتاب تمام شد

الحمدللہ و المنہ کہ کتاب مستجاب' مناقب الاصفیاء کا اردو ترجمہ معارف الاصفیا آج ۱۹ شعبان المعظم ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۷ اگست ۱۹۷۶ء روز سہ شنبہ دو بجے شب کو پایہ تکمیل کو پہنچا۔

محمد نعیم

۱۷-۸-۷۶

لطیف آباد حیدر آباد پاکستان